فتاوٰی رضویّہ
مع تخریج وترجمہ عربی عبارات
امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ
۲۸
رضا فاؤنڈیشنؒ
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہورے
پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّة

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۲۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۸

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۶۸۴

اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھائیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی ستائیس جلدوں کی مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰______اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۰۱______ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰______فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱______جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر______۱۴۲۲______مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل______۱۴۲۳______مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری______۱۴۲۳______اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ______۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ______۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب______۱۴۲۴______ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام______۱۴۲۵ مارچ______۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری______۱۴۲۵______اگست ۲۰۰۴	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں[۲۰] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہٰذا اکیسویں[۲۱] جلد سے مسائل حظر واباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں[۲۵] چھبیسویں[۲۶] جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عُبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط ومنضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہو گئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل و مفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں ۲۸ جلد

یہ جلد ۲۲ سوالات کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ الزلال الانقی، شمائم العنبر اور تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ کے کہ ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ جانشین مفتی اعظم، فقیہ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضاخاں صاحب بریلوی ازھری دامت برکاتہم العالیہ اور ثانی الذکر کا ترجمہ بحرالعلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ اور آخرالذکر کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جبکہ فتاوی کرامات غوثیہ پر حواشی حضرت علامہ مولانا جلال الدین قادری کے تحریر کردہ ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشتی حصہ سوم کے ابواب، اذان، نماز، مساجد اور فضائل ومناقب پر مشتمل ہے تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمنًا زیر بحث آئے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی تیار کردی گئی ہے تاکہ قارئین کو تلاش مسائل میں سہولت رہے۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (۱۳۳۳ھ)

مسجد کے اندر اذان خطبہ کے عدم جواز پر انتہائی محققانہ بحث

(۲) فتاوی کرامات غوثیہ

غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب

(۳) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ)

افضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان

(۴) طرد الافاعی من حمی ھادر فع الرفاعی (۱۳۳۲ھ)

سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان

(۵)تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عهد الجاهلیۃ (۱۳۱۲ھ)
اس امر کا بیان کہ سید نا حضرت صدیق اکبر اور سید نا حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا دامن ہمیشہ نجاست شرک سے پاک رہا۔
(۶)غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (۱۳۳۱ھ)
حضرت صدیق اکبر وحضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا بیان

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندار جمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ | حافظ محمد عبدالستار سعیدی
جنوری ۲۰۰۵ء | ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

فہرست ضمنی مسائل

اذان ونماز ومساجد

مسئلہ ۱: از جھونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب مد ظلہ الاقدس ۱۵رجب المرجب ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر غیر منکوحہ عورت سے لڑکا تولد ہوا اور قضائے الٰہی سے فوت ہوا اس کی قبر پر خانقاہیں بنانا اور واسطے مرادوں کے دعامانگنا اور صاحب القبر کو اولیا قبول کر ناشر عادرست ہے یا نہیں ؟اگر ایسا شخص صفت بالامیں متصف ہے اور مسجد میں امام ہے توہزاروں مقتدیوں کو تحقیق واقعات بالاکے نماز قبل از تحقیقات کااعادہ کرنا افضل ہے یانہیں؟

الجواب:
جو شخص فاسق و فاجر ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر فاسق معلن ہے تو کراہت تحریمی ہے اور اعادہ واجب ہے ورنہ تنزیہی اور اعادہ بہتر واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: از موضع چاند پور ڈاکخانہ بمنوئی تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ مسئولہ مرزا احسان بیگ صاحب زمیندار ۷ا جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ بعد سلام مسنون معروض خدمت ہوں کہ نماز غفیرا کی بابت میں ذکرالشادتیں دیکھا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی نے یزید کو واسطے مغفرت کے بتائی تھی مجھے اس نماز کہ تلاش ہے میں پڑھنا چاہتا ہوں براہ مہربانی اس مسئلہ پر التفات مبذول فرماکر ترتیب نماز سے

اطلاع دیجئے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

مسئلہ ۳: ازاسپتال دھام نگر ضلع بالسیر اوڑیسہ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ یہاں ایک شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو خلیفہ بنایاہے وہ مرید بظاہر پابند شریعت ہے ذکر واذکار کا پابند ہے آپ کے عقیدہ ہے اور آپ کامداح علم انگریزی میں اچھی دخل ہے مسائل شریعت سے بھی اقفیت ہے سب باتیں صحیح ہین لیکن وہ ولد الزنا ہے اب حضور والا سے عرض ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یانہ ؟اور بیعت جو ہوگا وہ عند الطریقت صحیح ہے یانہ ؟اور جو ولد الزنا کو خلیفہ بنادے وہ شاہ صاحب کیسے ہیں ؟اب خلیفہ سے جر مرید ہو ایا شاہ صاحب دونون مرید صحیح ہیں یانہ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

ولد الزنا کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولی ہے جبکہ وہ حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو ورنہ اسی کی امامت اولی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحکم بالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی للبھنسی وشرح درر البحار[1]۔	اختیار میں ہے کہ جب کراہت کی علت معدوم ہوجائے یعنی دیہاتی شہری سے، غلام آزاد سے، ولد الزناثابت النسب سے اور اندھابینا سے افضل ہوجائے اور دررالبحار بھی ایسا ہے۔ (ت)

یونہی اگر وہ لائق خلافت ہے اسے خلافت دینی اور عقیدت کے ساتھ اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اس میں کچھ الزام قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ دار التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

رسالہ

رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

اذان من اللہ الحق المبین ان الحمد للہ رب العلمین و افضل الصلوات و اعلی التسلیمات علی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السموات والارضین و سیؤذن بحمدہ العظیم ووصفہ الفخیم علی رؤس الاولین و الاٰخرین یوم الدین وعلی الہ وصحبہ و ابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمعین۔ امین!	حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لیے ہیں اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالٰی نے آسمانوں کی بُلندیوں اور زمینوں کی پستیوں مین فرمایا اور روز قیامت کی بھڑ میں اولین وآخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا کی اجازت اور اذن دے گا۔ اور آپ کی آل و اصحاب اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ساری امت پر آمین!

وبعد: فهذه سطور ان عدت يسيرة و بيزة، و فيها علوم ان شاء الله عزيزة عزيزة في بيان ما هو السنة في اذان الخطبة يوم الجمعة سيتها "شمائم العنبر في ادب ابلنداء المنبر" و الغرض بيان ماظهر من حقائق زبر الحديث الجلي و الفقه الحنفي معروضة على ساداتنا علماء اهل السنة في بلاد الاسلام للاستعانة بهم في احياء سنة نبينا الكريم عليه و على اله افضل الصلوة و التسليم۔	حمد و صلوۃ کے بعد یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہل سنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالیٰ انہیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت و حمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔
والعبد الذليل عائذ بجلال وجه ربه الجليل، و جمال محيا حبيبه الجميل، عليه و على اله الصلوت بالتبجيل من كل عين لاتنظر بالانصاف و تقوم بالخلاف على قدم الاعتساف فضلا عمن يخلد في ارض اتباع الرواج ؛، و تقدمه على سنة صاحب التاج و المعراج صلى الله تعالى عليه وسلم، و على اله و صحبه و شرف و كرم۔	یہ بندہ عاجز اپنے جلیل و بزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرہ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ کہ وہ جو رسم ورواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

يقول العبد المستعين بربه العظيم وهو نعم المعين ثم بحبيبه الكريم و هو	بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف وامین

نعم الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الہ و صحبہ اجمین حامدا ومسلما ومشھدا ومصلیا۔ قد علمتم یاسادتی و اخوتی رحمنااللہ تعالٰی و ایاکم وبالسلامۃ حیاناوحیاکم ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھاوان المعروف معروف وان صارمنکراوالمنکر منکر و ان صار معروفافلربمایحدث حدث و یشیع و ینکر علیہ بدء فیضیع امالامر الامارۃاونفوس امارۃ۔ والعالم یقول الھوی متبع و القول لایسمع و قد قضیت ماعلی فان سکت فلاعلی فیدع،فلایدعو، فالمنکر یربو ویفشو،وتنشؤ الصغار فتقتفی الکبار فیظن متوارثاوماکان الاحادثا،واٰیۃ ذلك کونہ علی خلاف السنۃ المرویۃ ومناواۃ الخصلۃ المرضیۃ ومع ذلك اذافتشتہ فی الصدرالاول، و القرون الاول لم ترلہ اثرا۔وان سألت	صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے ہوئے عرض پرداز ہے۔ اے ہمارے سردارو اور بھائیو! اللہ تعالٰی ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سب چیزوں سے برے وہ نوایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔ بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ردو قدح ضائع ہو جاتی ہے جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان نوایجاد امور کی اشاعت کے لیے حکومت اپنااثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔ (۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ (۳) علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے ہیں اب خاموش میں رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد وہدایت

متی حدث، ومن احدث لم تجد به خبر افیجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علمابعدمه و علماعلی قدمه، ومااليه سبيل، مع خلاف الدليل، و انما تحكيم الحال عند الاحتمال و الافالحادث لاقرب اوقاته ولغفلة الناس عن هذاالبناية تفوه الالسنة انه السنة، وتصير النفوس اليه مطمئنة و عند ذلك يکون المعروف منکر او المنکر معروفا[1]۔ کمافی حدیث عــہ۱ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب[2] کماقد صح عــہ۲	چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نو پید بات ہوتی اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائص حمیدہ کی ضد ہوتی ہے اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتاہی نہیں ہوتا اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتاپوچھا جائے تو کچھ پتاہی نہیں چلتا لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہورہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی نہ دلیل سوائے اس امر کے پتا نہیں کب سے ایسا ہی ہورہا ہے لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نو پید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی برائی حدیث شریف میں ہے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے

عــہ۱: رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفیة و المسعودی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲منہ۔

ابن عساکر نے محمد بن حنفیہ اور مسعودی سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا (ت)

عــہ۲: رواہ ابن ابی الدنیاو الطبرانی فی الکبیر و ابو نصر السجزی فی الابانة و

ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام ابو نصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں، امام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ / ۲۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸،۲۹۳

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السنۃ فکانما یحول جبلۃ او یحاول جبلا او یبتدع حکما من عندہ قبلا۔ و ان القلب اذ امتلاء بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر، فان	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے "توجوانہیں کسی سنت پر ابھارے گویا ان کو فطرت بدل رہاہے یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہاہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گھڑ رہاہے۔" اور دل مین جب کوئی بات سماجاتی ہے تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ، والطبرانی فیہ والحاکم فی الکنی ابن عساکر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فیہ والبیھقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود والطبرانی فیہ عن ام المومنین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و لفظۃ حدیث ام المومنین لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب[1] الحدیث وھو قطعۃ احادیث عندھم جمیعا ۱۲ منہ۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی) ام المؤمنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب الحدیث۔ اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے ۱۲ منہ

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/ ۲۹۳

قراء لم یجاوز التراق اوسمع لم یجاوز الاذن وما بهذا امر وانما قال له ربه وقول الحق ووعده الصدق "فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾ "[1]

فالسبیل الاستماع ثم الانتفاء ثم الاتباع،لاان یقنع ولایسمع،او یکو ن من الذین سمعو اوهم لا یسمعو ن فهم بالقرآن لاینتفعو ن۔

وانما النفع لمن کان له قلب مرید أو القی السمع وهو شهید۔

فعلیك یااخی القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم او لابایجاب اوسلب رجاء ان تجد حقافتذ عن فان الحکمة ضالة المؤمن فتدخل او ذاك فی بشارة مولاك والله یتولی هدای وهداك۔

ولنجمل اولاماوجده الفقیر فی هذه المسألة من الحدیث الکریم

نہیں کرتا۔اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ہدایت دی اور وہی اہل عقل و بصیرت ہیں۔"

تو راستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھا نہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔یا سن کر ان سنی کردینے کا ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔

نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادران محترم!غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے،اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے،ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ،فقہ مستقیمہ،بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

[1] القرآن الکریم ۳۹/۱۷و۱۸

والفقه القویمِ بل ومن القرآن العظیم ،ثم نفصله تفصیلاباذن الفتاح العلیم۔لان التفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس و اقمع للتکمین والحدث ولا ارید کل التفصیل لمابد فان المسئلة تحتمل مجلد اولکن ماقل وکفی خیر مماکثر والھی[1] قاله عــــہ النبی المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وعلی اله افضل الصلوة والثنا۔	پاسکتا ہے اسے اجمالا بیان کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے پوری تفصیل کے لیے تو صحیفے درکار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔حدیث شریف میں ہے "جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والاہو طویل اور الجھادینے والے بیان سے اچھاہے۔
فاقول:وبہ استعین:ارشدناالحدیث الصحیح الذی رواہ ابو دواد فی سننه وامام الائمةابن خزیمه فی صحیحه،امام ابو قاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر ان السنة فی هذاالاذان ان یکون بین یدیه الامام اذاجلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جوفه هکذاکان یفعل علی عهدرسول الله تعالٰی علیه وسلم وعهد صاحبیه ابی بکر وعمر	پس میں اس کی مدد کے ساتھ **کہتاہوں** سنن ابی دواد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابولقاسم الطبرانی کی حدیث سے پتاچلتاہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے امام مبنر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر(نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام وزمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایساہی ہوتارہا،

عــــہ:رواہ ابو یعلی او الضیاء المقدسی فی المختارة عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ۱۲منه	ابو یعلی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۱۲منہ (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۱۲۴ مؤسسة الرساله بیروت ۶/ ۳۷۵

رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ولم یاتناعن احد من الخلفاء الر اشدین و غیرھم من الصحابۃ و التابعین و الائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین تصریح قط بخلاف ذلك وماکان لھم ان یقولو اوالعیاذ باللہ ترك ماھنالك۔	کسی سے اس کاخلاف مروی نہیں اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔
وقداعتمد ھذاالحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ" اِذَانُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ"[2] کالزمخشری فی الکشاف،والامام الرازی فی مفاتیح الغیب والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان،والخطیب والجمل و غیرھم و اوردہ الامام الشعرانی فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ،کما سیاتیك نصوصھم ان شاء اللہ تعالٰی۔	اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ " اِذَانُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ" کی تفسیر میں اعتماد کیا چنانچہ کشاف میں زمخشری مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن،رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیاامام شعرانی رحمۃاللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیاعبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔
ثم تظافرت کلمات علمائنافی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجدو انہ مکروہ،نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ،والامام البخاری فی الخلاصۃ،والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایۃ البیان	ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے [1]فقیہ النفس امام قاضیخاں نے خانیہ میں [2]امام بخاری نے خلاصہ میں امام [3]اسبیجابی نے شرح طحاوی میں [4]امام اتقانی نے غایۃ البیان میں [5]امام عینی نے بنایہ میں

[1] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہو ۱/۱۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبۃ الفیصیلۃ بیروت ۷/۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۶۲/۹

والامام العینی فی البنایة، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر، والامام الزندوستی فی النظم، والامام السمعانی فی خزانة المفتین و مختار الزاھدی فی المجتبی، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق، والمحقق ابراہیم الحلبی فی الغنیة والبرجندی فی شرح النقایة والقھستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی فی الحواشی علی مراقی الفلاح واصحاب الفتاوی العالمگیریة، والفتاوی التاتارخانیة و مجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا۔ ویلموا بتخصیص اصلا، والھجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص فھم مخصوص بل و ھم مرصوص۔ ثم ولنا القراٰن العظیم والاحادیث والشاھد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالھیة۔ ثم ھو خلاف ماشرع له الاذان۔ ثم لیس علیه من حدیث ولا فقه دلیل ولا برھان ولا یعارض العلامة الحکم ولا الاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز علی الحقیقة۔ ثم ھو علی حاله ھذا وان شاع فی زماننا فی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع و لا علیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولا ھو متوارث من الصدر الاول،	[6] امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں [7] امام زندوستی نے نظم میں [8] امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں [9] مختار زاہدی نے مجتبیٰ میں، [10] محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں، [11] محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، [12] برجندی نے شرح نقایہ میں، [13] قہستانی نے جامع الرموز میں، [14] سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب [15] فتاوی عالمگیریہ، [16] فتاوی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیا نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور قابل غور ہیں (۱) جوف مسجد میں اذان دینا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔ (۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال و مجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے (۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے پس ایسے امر کا جواز

فمثل ھذالایحتمل ولایقبل والمنکر لایصیر معروفاًوان فشا۔ولاالحادث قدیماًوان لم نعلم متی نشاء۔ ویاسادتناعلماء السنة انتم المدخرون لاحیاء السنة وقد ندبکم الی ذلك نبیکم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی غیر ^{عــــہ۱} ماحدیث ووعدتم ^{عــــہ۲} علیه اجر مائة	نہ تو محتمل ہے نہ قابل قبول اور جو فعل شرعاناپسندیدہ ہو گو لاکھ معروف و مشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کازمانہ متعین نہ کرسکیں مقبول و معروف شرعی نہیں ہوسکتا۔ اے سرداران امت علمائے اہلسنت اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کررکھاہےاورآپ کے رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے اس پر سو شہیدوں

عــــہ۱:الترمذی عن بلال وابن ماجه عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنهماعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم:من احیاسنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجر من عمل بهامن غیر ان ینقص من اجورهم شیئا[1]۔۱۲منه عــــہ۲:والبیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهماقال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم"من تمسك بسنتی عند فسادامتی فله اجر مائة شهید[2]"	ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیااسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گاان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انہوں نے رسول اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی "جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیااسے سو شہیدوں کاثواب ملے گا"

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۲، سنن ابن ماجہ باب من احیاء سنة قد امیتت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[2] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی حدیث ۲۰۹ دارالقلم الکویت ص۱۵۱

شهيد۔ وان عــه تكونوا به مع نبيكم فى دار المزيد۔ وانما تحى اذا اميتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بها وسكت عنها علماؤهم لما قدمر او شبه لهم فلمن احيا لاحقا اجره ولمن سكت سابقا عذره على ذلك مضى امر احياء السنن وتجديد الدين من سالف الزمن الى هذا الحين فالاستناد فى مثله بعمل الناس وعادتهم او سكوت من سلف قريب من سادتهم او زعم انه يلحقهم بذلك شين	کے اجر اور دار اخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ سنت کا احیا جبھی ہو گا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا اور موت اسی صورت میں ہو گی کہ لوگ اس پر عملدر امد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا

عــه: السجزى فى الابانة عن انس رضى الله تعالٰى عنه: من احيا سنتى فقد احبنى ومن احبنى كان معى فى الجنة [1]

رواه الترمذى بلفظ من احب اللهم ارزقنا، امين! ۱۲منه

امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ "جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"

اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے یا اللہ! ہم سب کو اپ کی محبت عطا فرما! ۱۲منہ

[1] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۴

مع جلالتهم۔ کل ذلك جهل واضح و و هم فاضح وسد لباب احیا السنة مع انه مفتوح بید المصطفی سید الانس و الجن صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔ واماتفصیل کل مع اجملت هنافغی شمائم زاکیات، فی کل شمائمة نفحات طیبات وعلی حبیبناواله اطیب الصلوة وانمی التحیات۔	تواس پر ان علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اوراحیائے سنت کاسد باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احیائے سنت کادروازہ کھلارکھاہے اوراس پر عظیم انعام واکرام کاوعدہ فرمایاہے۔ اب ہم مہکتے شاموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔آمین

الشمامة الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی)

نفحہ۱: ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات	نفحه۱: أنبأنا شیخنا العلامة الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سره الملکی بمکة مکرمة ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی الازهری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد الله الشرقاوی الشافعی الازهریین ح، وانبأنا المولی المفتی العلامة عبد الرحمن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجة ۱۲۹۵ھ عن مفتیها المولی جمال بن عبد الله بن عمر ح وانبأنا عالیا بدرجة السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی

ببیته عند باب الصفافی ذی الحجة ۱۲۹۵ کلاهما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاهدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسیدبن احمدو قاسم ابنی سلیمن وعمه محمد حسین الانصاری ح، و انبانا شیخنا السید الامام العارف بالله الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبد العزیز الدهلوی عن ابیه الشاہ ولی الله الدهلوی عن الشیخ ابی طاهر بن ابراهیم الکردی المدنی ح، وغیرهم من مشایخنا رحمهم الله تعالٰی جمیعا باسانیدهم المعروفة الٰی ابی داؤد فی سننه قال حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنهما قال کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما[1] هذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقة صدوق امام قال شعبة وابو زرعة والذهبی وابن حجر صدوق و قال الامام ابن المبارك	نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبد الرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اور انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابو داود تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد اسحٰق زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا:— "حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ "یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابو زرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب پریس لاہور ۱/۱۵۵

انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا[1]۔ تلمیذ له ائمة اجلاء کابن المبارك وشعبة وسفٰین الثوری وابن عیینة والامام ابی یوسف واکثر عنه فی کتاب الخراج له۔	ابن مبارک فرماتے ہیں: "ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا۔" امام عبداللہ بن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔
و قال ابو زرعة الدمشقی اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنه قال و قد اختبره اھل الحدیث فرؤه صدقا و خیرا۔[2]	امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: "اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے، اور آپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدق و خیر پایا۔"
و قال ابن عدی لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات و الائمة ولا بأس به[3]	ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"
و قال علی بن المدینی ما رأیت احدا یتھم ابن اسحق[4]	امام علی ابن المدینی نے کہا "کسی امام یا محدث کو ابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا"
وقال سفیان عــہ بن عیینه جالست	امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں

عــہ: وبه ظهر کذب من زعم الان ان قد جرحه سفٰین

سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۳/ ۴۷۴

[4] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

ابن اسحق منذ بضع سنین وسبعین سنة	ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عیینہ، حاشاہ بل قدتلمذ و ذب عنہ وقال رایت الزھری قال لمحمد بن اسحق این کنت؟ فقال ھل یصل الیك أحد؟ فدعاحاجبه وقال لاتحجبه اذاجاء[1] وقال ایضاقال ابن شھاب وسئل عن مغازیه فقال ھذاأعلم الناس بھا[2] وقال ابن المدینی قلت لسفیان کان ابن اسحق جالس فاطمة بنت منذر فقال اخبرنی ابن اسحق انھاحدثته وانه دخل علیھا[3] وقال ابن عیینة ایضا

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے خدا کی پناہ انہوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کو دیکھا کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) تو امام زہری نے اپنے دربان کو بلاکر فرمایا آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انہوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں حضرت علی بن مدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحاق فاطمہ منذر کے پاس بیٹھے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہ

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[2] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[3] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

وما یتھمه احد من اھل المدینة ولایقول فیه شیئا[1] وقال ابو معاویة کان اسحاق	اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھانہ ان پر کچھ تنقید کی۔ امام ابو معاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعت شعبة یقول محمد بن اسحق امیرالمو منین فی الحدیث[2] فھذا ماجر حه به سفیان نعم ذکران الناس اتھموه بالقدر[3] ولو کان ھذا جر حافما اکثر المجرو حین فی الصحیحین، الاتری انه کان یسمع ھذا ثم لایترك مجالسة ابن اسحاق ولاالاخذ منه ھل لیس منه مایدل علی تصدیقه الناس فی ھذافکم من تھمة لااصل لھا، وسیاتیك کلام ابن منیر ۱۲منه۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور انکے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے لیکن کیا یہ جرح ہے، اگر جرح ہو تو بخاری و مسلم ایسے مجروح روایوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحاق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں مزید ابن منیر کا کلام آرہا ہے ۱۲منہ۔

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[2] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۶، میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۳/ ۴۶۹

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۳/ ۴۶۹

من احفظ الناس [1] وقال الامام ابن معین اللیث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحق [2]۔

لوگوں سے زیادہ یادرکھنے والے تھے" اور امام ابن معین نے فرمایا "یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے"

قلت ویزید ھذا کما قال ابن یونس روی عنه الاکابر من اھل مصر قلت کعمرو بن الحارث وحیوۃ بن شریح وسعید بن ابی ایوب واللیث بن سعد نفسه کلھم ثقات اثبات اجلا و یحیی بن ایوب الغافقی صدوق خمستھم من رجال الشیخین و عبداللہ بن لھیعة صدوق حسن الحدیث علی مااستقر الامر علیه و عبد اللہ بن عیاش کلاھما من رجال مسلم و من غیر ھم سلیمن التیمی البصری و زید بن ابی انیسة ثقتان من رجال الصحیحین و عبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم واٰخرون کثیرون ففی ھذا تفضیل لابن اسحق علیھما جمیعا۔

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد، یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں عبد اللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبد اللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے روایوں میں سے ہیں انکے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔

وقال الامام شعبة لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحق علی المحدثین [3] وقال ایضا محمد بن اسحاق امیر المومنین فی

امام شعبہ نے فرمایا "میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں" ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

الحدیث [1] وفی روایة عنه قیل له لماقال لحفظه وفی اخری عنه لوسو د احد فی الحد ث لسو د محمد بن اسحق [2] وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی ستة فذکر هم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن سحق فیهم [3] وقال الامام الزهری لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیها ابن اسحاق [4] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحق [5] مع انه شیخه وشیخ الد نیا فی الحدیث و قال شیخ الاخر عاصم بن عمر بن قتادہ لایز ال فی الناس علم مابقی محمد ابن اسحق [6] وقال عبد اللہ بن فائد کنا نجلس الی ابن اسحق فاذا	کسی نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟تو حضرت شعبہ نے فرمایاان کے حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔ علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھران سب کے نام گنوائے اور فرمایااس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائرہ ہو ئیں اور ابن اسحاق ان بارہ ۱۲ میں ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں مدینہ مجمع العلوم رہے گاجب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیامیں تمام علوم باقی رہیں گے عبد اللہ ابن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۶

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۶

[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴

[4] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

[5] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/۵۰۵

[6] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

اخذ فی فن من العلم ذهب المجلس بذلك الفن [1]۔ وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینة یقارب ابن اسحق فی علمه ولایوازیه فی جمعه وهو من احسن الناس سیاقاللاخبار [2] وقال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحق عالم کبیر واسع الرواة والعلم ثقة [3] وکذلك قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیی وعلی بن عبد الله (هو ابن المدینی شیخ البخاری) واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیر هم ان محمد بن اسحاق ثقه [4] وقال ابن البرتی لم ارا اهل الحدیث یختلفون فی ثقه و حسن حدیثه [5] وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری هو عندنا ثقة [6]۔	ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔ ابن حبان نے کہامدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا دیگر علوم و فنون کی ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔ ابو یعلی خلیلی نے فرمایا محمد بن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔ یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن یحیٰی و علی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ حضرت ابن البرتی نے فرمایا علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

[1] میزان اعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۲۶

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ مؤسسه الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۳۶

[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[4] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۷۵، تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار المعرفة بیروت ۱۶/ ۸۰ و ۸۱

[5] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[6] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

وقال المحقق فی فتح القدیر اما ابن اسحق فثقة لاشبهه عند نافی ذلك ولاعند محققی المحدثین [1] وقال ایضاتوثیق محمد بن اسحق و هو الحق الابلج و مانقل عن کلام مالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله اهل العلم [2] الخ وقد اطال الامام البخاری فی توثیقه فی جزء القراءة ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة مایذکر فیه من کلام مالك ومانقل عن علی مایشعر بانکار صحته ماعن هشام۔ وقد بیناوجهه فی تحریراتناالحدیثیة واورده ولدی المولوی مصطفی رضاخاں حفظه الله تعالٰی فی کتابه"وقایة اهل السنة عن مکر دیو بند والفتنة "صنفه فی الرد علی وهابیه دیو بند اذخالفوافی هذه المسالة وهم الذین حکم سادا تناعلماء الحرمین الشریفین جمیعابکفرهم وارتدادهم وان من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر [3] لسبهم الله	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایاابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور برتقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیااور امام بخاری نے تو جزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایااوران کاتذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء" میں بھی نہیں کیااور ان کی جرح میں امام مالک کاجو کلام نقل کیاگیاہے اس کی صحت سے انکار کیاہے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیاہے۔ ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے اوران سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضاخاں (سلمہ اللہ تعالٰی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ" میں جو وھابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے بیان کیاہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی اوراہل دیوبند پر تو ہمارے علمائے حرمین طیبین نے کفرکافتوی دیاہے اوران کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین و محمداسیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔

ثم اجاب عنہ البخاری فاجادواصاب وقدقال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو مایذکرعن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی و کلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اہل العلم فی ھذاالنحوالاببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الاببرھان وحجۃ اھ[1]

وحسن الامام احمدو یحیی بن معین و محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد بن یحیی کلھم شیوخ البخاری وابو داؤد والمنذری والذھبی حدیثہ و عدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضااعلی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھزبن حکیم عن ابیہ عن جدہ و عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحاق عن التیمی وامثال ذلك

پروردگارعالم اور سیدالمرسلین محمد مصطفٰی کوگالی دی ہے اللہ تعالٰی آپ پراور تمام نبیوں پر درودوسلام نازل فرمائے۔

امام بخاری رحمۃاللہ تعالٰی عنہ نے بے سند تنقیدوں کاکیاخوب رد فرمایاہے آپ فرماتے ہیں ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابرہیم کاکلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کاکلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک طرح صریح اورمدلل نہ ہواورایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پراثر نہیں پڑتا۔

امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد ابن یحیٰی یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں اورابو داود، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو حسن قرار دیاہے اورامام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلی مدارج میں گرداناہے تدریب میں ہے" صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں"امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلی درجہ کی حسن بہزابن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اورابن اسحٰق عن تمیمی اوران کے امثال ہیں اور اسی کو

[1] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دارالفکر بیروت ۱۲/ ۷۶و۷۷،تہذیب التہذیب بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

مماقیل انہ صحیح وھو ادنی مراتب الصحیح[1] اھ صححہ ابن المدینی والترمذی وابن خزیمۃ و الامام الطحاوی وقد حسن الدار قطنی بعض ماتفرد بہ ابن اسحق وصححہ الحاکم عـــہ وقد تبعھما علیہ	ادنی درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انہیں دار قطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا اور ان دونوں

عـــہ: اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القراءۃ خلف الامام وقال، قال علی بن عمر ھذا اسناد حسن[2] واقرہ البیھقی، وروی فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی: ان رجلا قال: یارسول اللہ ! اما السلام علیك فقد عرفناہ، فکیف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلوتنا، وقال: قال الدارقطنی: حسن متصل[3]، واقرہ البیھقی وقال ابن الترکمانی لا اعلم احدا روی ھذا الحدیث بھذا اللفظ الا محمد بن اسحاق[4] واوردہ ایضا فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشھد ثم حکی الحاکم تصحیحہ، ثم عن الدارقطنی تحسینہ واقرھما۔ ۱۲منہ

سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قراءۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا: ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! سلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمائیے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں۔ اور فرمایا کہ دار قطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دار قطنی نے تحسین، اور خود اس کو برقرار رکھا، ۱۲منہ

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

[3] السنن الکبری کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۶۴ و ۲/ ۳۷۸ دار صادر بیروت

[4] الجوھر النقی بذیل السنن الکبری باب وجود الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۳۷۹، ۳۷۸

البیھقی، ووصفه المنذری والذھبی باحد الائمة الاعلام وانه صالح الحدیث ماله ذنب الا ما حشا فی السیرة من مناکیر [1]	حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔
واوردہ الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیه الا التدلیس۔	حافظ ابن حجر نے انہیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔
وقال امام النووی لیس فیه الا التدلیس وقال محمد بن عبداللہ بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منه [2]	امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا ان پہ قدریہ ہونے کا الزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔
وقال یعقوب بن شیبه سالت ابن المدینی عن ابن اسحق قال حدیثه عندی صحیح قلت فکلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه [3]	یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا تو فرمایا وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انہیں پہچانا۔
وذکرہ ابن حبان فی ثقاته وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق واصطلح معه وبعث الیه ھدیة [4]	ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور ان سے صلح کر لی اور انہیں تحفہ بھیجا۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۵

[4] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ سکھر ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی کتاب الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

وقال مصعب الزبیری و دھیم وابن حبان لم یکن یقدح فیہ من اجل الحدیث [1] وقد تکفل بالجواب عنہ الائمۃ احمد وابن المدینی والبخاری وابن حبان والمزی والذھبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کما ھو مفصل مع زیادات کثیرۃ فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم اللہ تعالٰی "وقایۃ اھل السنۃ" وللہ الحمد والمنۃ۔	مصعب زبیری، دہیم اور ابن حبان نے کہاان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل سنۃ" میں ہیں والحمدللہ والمنۃ۔
نفحہ۲: من الجھل الوخیم رمیہ بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع [2] ومابین التشیع و الرفض کما بین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالٰی عنھما وھو مذھب جماعۃ من ائمۃ اھل السنۃ لاسیما ائمۃ الکوفۃ قال صاحب التقریب نفسہ فی ھدی الساری التشیع محبۃ علی وتقدیمہ علی الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر و عمر فھو غال فی تشیعہ و یطلق علیہ رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلک السب او	**نفحہ ۲:** تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے رفض و تشیع میں زمین واسمان کا فرق ہے بسااوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

[1] تھذیب التھذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق ۴۰۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق ۵۷۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۴

التصریح بالبغض فغال فی الرفض[1] اھ وتمام تحقیقہ فی تحریراتنا الحدیثیۃ۔	اوراس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔
وفی المقاصد للعلامۃ التفتازانی الافضلیۃ عندنا بترتیب الخلافۃ مع تردد فیما بین عثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]	مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔
وفی شرحہا لہ قال اھل السنۃ الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال بعض منہم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما والبعض الی التوقف فیما بینہما[3] اھ	شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے اہل سنت نے کہاکہ سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔
وفی الصواعق لامام ابن حجر جزم الکوفیون و منہم سفیان الثوری بتفضیل علیٍّ علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینہما وھو روایۃ عن مالک[4]،	امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گرداناا ور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔
اھ۔وفی تہذیب التہذیب فی ترجمۃ الامام الاعمش کان فیہ تشیع[5]، اھ وفی شرح الفقہ الاکبر لعلی قاری روی عن	تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔ فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

[1] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۱

[2] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد البحث السادس الافضلیۃ بتریب الخلافۃ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۹۸

[3] شرح المقاصد البحث السادس الافضلیۃ بتریب الخلافۃ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۹۸

[4] الصواعق المحرقہ الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷

[5] تہذیب التہذیب ترجمہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۱۰

ابی حنیفة تفضیل علی علیٰ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنهما ا الصحیح ما علیه جمهور اهل السنة و هو ظاهر من قبول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه علی ما رتبه هناوفق مراتب الخلافة [1]۔اھ ثم لایذهب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلاعن تعلیقاته.بل فیه مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ثم الشبهة لاقیمه لهاراسافکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقدتقررعند هم ان المبتدع تقبل روایة اذالم یکن داعیة۔	میں لکھاہے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہ) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔ پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہابلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسا رافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں خود بخاری و مسلم میں بہت سے رواۃ ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کا شبہہ کیا گیااور اصول محدثین کی رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔
نفحہ۳:اصل الحدیث رویناہ فی المسند حدثنا یعقوب حدثناابی عن ابی اسحق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبیداللہ الزهری عن السائب	**نفحہ ۳**:اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب،ابی،ابن اسحٰق حدثنی محمد بن مسلم عبیداللہ الزہری سائب بن یزید یہاں یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ الخ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ص ۱۸۷

بن یزیدابن اخت نمر[1] فقد صرح بالسماع فلا علیك من عنعنة هناهذا وجه۔ **وثانیًا** ابن اسحق کثیرالروایة عن الزهری و العنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع قال الذهبی فی مثله متی قال "نا" فلاکلام و متی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الافی شیوخ له اکثرعنهم فان روایته عن هذاالصنف محمولة علی الاتصال[2] ۔اھ لاسیماابن اسحق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثرعنهم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحق لیتبین فیه الصدق وهو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضروروی عن رجل عنه وهو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب	حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے تواب اس روایت پر نہ تدلیس کااعتراض ہوسکتاہے نہ ارسال کاایک جواب تو یہ ہوا۔ دوسرایہ ہے کہ امام محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیرالروایت ہیں اورایسے راوی کاعنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتاہے امام ذہبی فرماتے ہیں راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کااضافہ کرے توتدلیس کااحتمال ہوتاہے مگرجب رواِی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیرالروایت ہوتو یہ روایت متصل ہوگی۔ اورابن اسحٰق کے بارے میں معروف مشہورہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کوبطور نزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں علی بن المدینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے وہ سالم بن ابی نضرسے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیرالروایت ہیں پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اورانکی

[1] مسنداحمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۴۴۹/۳

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مہران دارالمعرفۃ بیروت ۲۲۴/۲

عنہ[1] اھ **قلت** و کذا ھو من اروی الناس عن ابن شہاب وقد رو ینا فی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحق عن عبدالسلام عن الزھری[2]	روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔ **میں کہتا ہوں** ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ ان سے عبدالسلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے (تو ابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے روایت متصل ہے)
و **ثالثًا** ھذا کلہ علی طریقۃ ھٰؤلاء المحدثین اما علی اصولنا معشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمہور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبہۃ الارسال و حقیقتہ مقبولۃ عندنا و عند الجمہور فکیف بشبہتہ۔	**تیسرا جواب:** محمد ابن اسحاق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلا ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر رہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔
قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ	امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۶/۳

[2] کتاب الخراج احادیث ترغیب وتحضیض دار المعرفۃ بیروت ص۹

المدلس، قال جمهور من يقبل المراسيل تقبل مطلقاً[1]. اھ و فيه عن الامام ابن جرير الطبري اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يات عنهم انكاره و لاعن احد من الائمه بعدهم الى راس المائتين[2] و فی صحیح مسلم و جامع الترمذی عن محمد بن سيرين التابعي قال لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا اسموا لنا رجالكم[3]۔ اھ **قلت** و هذا زيد بن اسلم الامام مولی امير المومنين الفاروق الذي كان الامام الاجل زين العابدين يجلس اليه و يتخطى مجالس قومه فقال له نافع ابن جبير بن مطعم تخطى مجالس قومك الى عبد عمر بن الخطاب؟ فقال رضی الله تعالٰی عنه انما يجلس الرجل الى من ينفعه في دينه رواه البخاري فی تاریخ[4]، زيد	وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے نہ تو تابعین نے مراسیل کاانکار کیانہ ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی اور نے۔ صحیح مسلم اور جامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہواتوسوال کیاجانے لگاکہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔ **میں کہتاہوں** کہ امام زید بن اسلم جوامیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہماکے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اوراپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہاآپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایاآدمی وہیں بیٹھتاہے کہ جہاں اس کے دین کافائدہ ہوتاہے (تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک

[1] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[2] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع التاسع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱

[4] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زین بن اسلم ۱۲۸۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/۳۸۷

هذا حدث بحديث فقال له رجل يا اباسامة عمن هذا فقال يا ابن اخي ما كنا نجالس السفهاء [1]. قال له العطاف بن خالد۔

قلت و قد اكثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابو العالية و ابراهيم النخعي وعطاء بن ابي رباح ومجاهد وسعيد بن جبير و طاؤس والشعبي والاعمش و الزهري و قتادة و مكحول وابو سحق السبيعي وابراهيم التيمي و يحيى بن الكثير واسماعيل بن ابي خالد وعمرو بن دينار و معٰوية بن قرة و زيد بن اسلم وسليمان التيمي ثم الائمة مالك ومحمد والسفيانان افتراهم فعلوه لترد احاديثهم وفي مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت مرسل الصحابي يقبل مطلقًا اتفاقا وان من غيره فالاكثر ومنهم الائمة الثلثة ابو حنيفة و مالك واحمد رضی اللہ تعالٰی عنهم يقبل مطلقًا والظاهرية و جمهور المحدثين الحادثين بعد المائتين لا [2]، اھ۔ و في فصول البدائع للعلامة

حدیث بیان کی ایک آدمی نے ان سے کہا اباسامہ یہ کس سے اپ بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اے بھتیجے! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔

میں کہتا ہوں علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقًا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقًا مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔ فصول البدائع مولٰی خسرو میں ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن اسلم مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۶۵۸

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۷۴

مولی خسرو طعن المحدثین بمالایصلح جرحالا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنۃ فانھاوھم شبھۃ الارسال وحقیقۃ لیست بجرح [1]۔اھ	اور محدثین کاایساطعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے عنعنہ میں تدلیس کاطعن کہ اس میں شبہہ ارسال ہے حالانکہ خود ارسال اسباب طعن سے نہیں ہے۔
قلت:وروی ابو داود عن عبداللہ بن حنظلۃ بن ابی عامران رسول اللہ امر بالوضوء عند کل صلوۃ فلماشق ذلك علیه امر بالسواك لکل صلوۃ [2] فیه ایضاًابن اسحق وقدعنعن ومع ذلك قال الشامی فی سیرت اسنادہ جید وفیه اختلاف لایضر [3]۔اھ۔	**چوتھاجواب**:ابو داود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوہر وقت وضو کاحکم دیاگیاتھالیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا توہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کاحکم ہوااس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی اس کے باوجود امام شافعی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔
وروی احمد عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی [4]نقل الزرقانی علی المواھب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقۃ مدلس	**پانچواں جواب**:امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لیے اتنی بار حکم دیاگیاکہ مجھے ڈر ہواکہ کہیں یہ فرض نہ کر دی جائے۔امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی،اس روایت میں لیث بن ابی سلیم جو ثقہ مدلس ہیں،

[1] فصول البدائع

[2] سنن ابی داود کتاب الطھارۃ باب السواك آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷

[3]

[4] مسنداحمد بن حنبل حدیث واثلۃ بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۹۰

وقد رواه بالعنعنة[1] اھ ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن[2] اھ	اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔
وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللالی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الااذاکان من روایة اللیث عنه الخ[3] وھذاامر مقرر عند ھؤلامحد ثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث ممالم یو ضح فیھاابوالزبیر السماع عن جابر وھی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منھا[4] اھ	**چھٹاجواب:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللالی میں کہا "ابو زبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں ہاں لیث سے ہو تو مقبول ہے" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ " صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔"
قلت: ولکن لم یکن منھافی قلب مسلم شیئ فادرجھا فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عز وجل۔	**میں کہتاہوں** کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دل میں توان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی توانہوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔
وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه سمعت	**ساتواں جواب:** ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۴۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۴۸

[3] نظم اللآلی

[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابوالزبیر المکی ۸۱۶۹ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۹

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لما نزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] الحدیث۔	اپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیا بوڑھے زنا کریں توانہیں ضرور سنگسار کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث)
قال ابن جریر ھذا حدیث لایعرف لہ مخرج عن عمرعن رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھذا اللفظ الامن ھذا الوجہ وھو عندنا صحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولاسبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقد یعل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث[2]۔اھ	ابن جریر نے کہاکہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے اس میں کوئی ایسا عیب نہیں جواس حدیث کو کمزور کرے تواس کے ضعیف ہونے کا کوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اورانہوں نے نہ توسماع کی بات کی نہ لفظاحدثنا کہا۔
وھذا امام الحنفیۃ امام الفقہاء المحدثین الحافظ الناقد البصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفر احمد الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکۃ حدیثین احدھما	**آٹھواں جواب:** امام الحنیفہ، امام الفقہاء والمحدثین، حافظ، ناقدو بصیر، امام ابوجعفر احمد طحاوی نے شرح معانی الآثار "کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ مکۃ عنوۃ" میں دو حدیثیں روایت کیں ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے اور دوسری

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵و۴۱۹

عن عکرمۃ قال لما وادع رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل مکۃ، والاخر حدیث الزھری وغیرہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد صالح قریشا، الحدیثین بطولھما، قال بعدہ فان قلتم ان حدیثی الزھری وعکرمۃ الذین ذکرنا منقطعان قیل لکم وقد روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما حدیث یدل علی ماروینا، حدثنا فھد بن سلیمٰن بن یحیی ثنا یوسف بن بھلول ثنا عبداللہ بن ادریس حدثنی محمد بن اسحٰق قال قال الزھری حدثنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما الحدیث فی نحو ورقۃ کبیرۃ قال فی اٰخرہ فھذا حدیث متصل الاسناد صحیح [1] ومعلوم ان "قال فلان" کعن فلان لعدم بیان السماع فیھما۔ قال الامام النووی فی التقریب تدلیس الاسناد بان یروی عمن عاصرہ مالم یسمعہ منہ موھما سماعہ قائلا: قال فلان او عن فلان ونحوہ [2]، الا فی ماعنعنۃ ابن اسحٰق ان حکم ھذا	حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی" یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرماکر ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری وعکرمہ کی مذکور منقطع ہیں، " فہد بن سلیمٰن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایا یہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظ عن کا ہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔ اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ "تدلیس اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کا معاصر ہو جب تک اس سے خود نہ سنے اور لفظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے جیسے قال فلاں یا عن فلان مگر ان روایتوں میں جن کو

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الحجہ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ عنوۃ ایچ ایم کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳تا۲۰۸

[2] التقریب للنووی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قیل الامام الحجه انه متصل الاسناد وانه صحیح فقد رفع مکحول وابو اسحق السبیعی کلتا الشبهتین الکلام فی ابن اسحق وعدالته والاتیان من قبل عنعنة بلفظ الکریم الصریح، ولله الحمد۔	محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیا ہو بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد اور صحیح ہیں، وہ امام حجۃ ہیں مکحول اور ابو اسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے۔"
وهذا امامنا ثانی ائمه مذهبنا الامام ابو یوسف رضی الله تعالٰی عنهم قد اکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحق معنعنة و غیر معنعنة و قد قالوا کما فی ردالمحتار و غیره ان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له فقد صحح الامام ابو یوسف احادیث ابن اسحق و عنعنة کیف ؟ وقد ادرجها فیما اوجب العمل به اذ قال فی مبدء کتابه ان امیر المومنین ایده الله تعالٰی سالنی ان اضع له کتابا جامعا یعمل به فی جبایة الخراج والعشور والصدقات و الجوالی وغیره ذالك مما یجب العمل به و قد فسرت ذلك و	ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد بن اسحاق سے بصیغہ عن وبغیر عن مروی تھیں اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر ان کی تصحیح کی اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی آپ لکھتے ہیں بے شک امیر المومنین نے (خدا ان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج عشر صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اور وہ احکام واجب العمل ہوں تو میں نے

شرحتہ[1]۔اھ	ان کی تعبیر اور توضیح کردی
نفحہ ۴: کفانا المولی سبحانہ وتعالٰی النظر فی توثیق ابن اسحق و حجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کما الین لداؤد علیہ الصلوۃ والسلام الحدید رواہ فی کتابہ الذی قالوا فیہ من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔	**نفحہ ۴**: روایت ابن اسحٰق کی تائید وتوثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالاحدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داود علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔
O وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہ ویقاربہ[3]	O مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابوداود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔"
O وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ماسکت عنہ فھو حسن[4]۔اھ	O فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انہیں کا یہ قول منقول ہوا "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔"
O وفی رسالۃ الی اھل مکۃ	O ابوداود نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا "اس

[1] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ ومعالم السنن للخطابی ۱/ ۵

[3] مقدمہ ابن صلاح الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[4] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰، تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

ماکان فیہ حدیث منکر نبینہ بما انہ منکر [1]	کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"
○ وقال ابو عمر بن عبدالبر کل ماسکت علیہ فھو صحیح عندہ [2]	○ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا "جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔
○ وقال المنذری: کل حدیث عزوتہ الی ابی داودو سکت عنہ فھو کما ذکر ابو داود ولاینزل عن درجۃ الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین [3]	○ امام منذری نے فرمایا "جس حدیث کی نسبت ابو داود کی طرف کروں اور ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہو تو وہ ابو داود کے قول کے مطابق ہے یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے"
○ وقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ماوجد نافی کتابہ مطلقًا فھو حسن عند ابی داود [4]	○ ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا "امام داود کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"
○ وقال العلامۃ ابن الترکمانی فی الجوھر النقی اخرجہ ابو داود وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ماعرف [5]	○ امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں "ابو داود نے جس حدیث کی تخریج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیسا کہ یہ بات مشہور ومعروف ہے۔"
○ وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ	○ نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

[1] مقدمہ سنن ابی داود مع سنن ابی داود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴، فتح المغیث القسم الثانی الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۸۸ و ۹۸

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۹۱

[3] الترغیب والترہیب مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱

[4] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۴

[5] الجوہر النقی علی ھامش السنن الکبری کتاب الدعوی والبینات حیدرآباد دکن ۱۰/ ۲۷۱

ان اباداودروی حدیث القلتین وسکت عنه فهو صحیح عندہ علی عادته فی ذلك[1]	"ابوداود نے حدیث قلتین روایت کیااور اس پر سکوت فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے"
O وقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصد الحسنة یکفینا سکوت ابی داود علیه فهو حسن[2]	O حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا "اس حدیث پر ابوداود کا سکوت ہی ہمارے لیے کافی ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔"
O وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر سکت ابوداؤد فهو حجة[3]	O محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں "ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے"
O وقال العلامة محمد بن امیر الحاج رواہ ابو داود وسکت علیه فیکون حجة علی ماهو مقتضی شرطه[4]	O علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں "ابوداود نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے"
O وقال العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة سکت علیه ابوداود المنذری بعدہ فی مختصرہ وهو تصحیح منهما[5] اھ	O علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا ابوداود اور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔
O وقال الخطابی فی معالم السنن کتاب ابی داؤد جامع لهذین النوعین	O علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا "ابوداود کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

[1] نصب الرایہ کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوز به الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/ ۱۶۳

[2] المقاصد الحسنہ تحت حدیث ۳۸۱ دارالکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶

[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحدیث والحسن اماالسقیم فعلی طبقات شرھاالموضوع ثم المقلوب ثم المجھول، وکتاب ابی داود خلی منھابری من جملۃ وجوھا[1]	احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں سب سے بے حیثیت موضوع پھر مقلوب پھر مجہول اور ابو داود کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔"
وقال الامام بخاری فی جزء القرۃ قال علی بن عبداللہ نظرت فی کتاب ابن اسحق فماوجدت علیہ الافی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین[2]. اھ	امام بخاری نے اپنی اکتاب "جزء القرۃ" میں لکھاعلی ابن عبداللہ نے کہاکہ میں نے ابن اسحٰق کی کتابیں دیکھیں توسوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایااور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں،"
و بیّنھماالقسوی عن علی لیس حدیثناھذابحمد اللہ تعالٰی منھمااحد ھماعن ابن عمرعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذانعس احدکم یوم الجمعۃ[3] والاخرعن زید بن خالداذامس احدکم فرجہ فلیتوضأ[4]	ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔ بحمداللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کو ئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔
و علی ھذاھوابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیہ البخاری مااستصغرت	یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

[1] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داود للمنذری مقدمہ الکتاب المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ۱/ ۱۱

[2] جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری باب لادلیل علی ان القران رکن فی الصلوۃ ۱/ ۶۰

[3] جامع الترمذی ابواب الجمعۃ باب فی من ینعس یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۹

[4] موارد الظمان کتاب الطہارۃ باب ماجافی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۷۸

نفسی الاعندہ [1] فثبت بحمداللہ تعالٰی ان ابن اسحق ثقۃ وان الحدیث حسن صحیح۔ **نفحہ ۵:** اکثر اصحاب لزھری لم یذکروا فی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیہ" وھما زیادۃ ثقۃ فوجب قبولھما، ومن الظلم قبولہ فی ھذا الا فی ذالک فلیس مستند کونہ "بین یدیہ" من الحدیث الا زیادۃ ابن اسحق ومن اشد الجھل زعم ان ذکرہ مالم یذکروا مخالفۃ لھم والا لاضطربت الاحادیث عن اخرھا الا افرادا عدیدۃ فما من حدیث اتی بطریقین او اکثر الا و فی بعضھا مالیس فی الاخر، الانادرا، ولاعبرۃ بالنادر، ھذا وجہ۔ **وثانیًا:** کثیرا ما تری الائمہ المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدھم حدثنا فلان، و فلان عن فلان یزید بعضھم علی بعض ثم	سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمداللہ ثابت ہوگیا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اوراذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔ **نفحہ ۵:** امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کاذکر نہیں کیا ہے ان دونوں ٹکڑوں کاذکر صرف ابن اسحٰق نے کیاہے جوایک ثقہ راوی کااضافہ ہے اوراس کاقبول کرناواجب ہے تو یہ کتنابڑاظلم ہے کہ "بین یدیہ" کو تسلیم کیاجائے اور "علی باب المسجد" کوترک کردیاجائے اوراس سے بڑاظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کواس وجہ سے ترک کیاجائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں اوروں نے اس کاذکر نہیں کیاہے اوراسی بناپراس اضافہ کوان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیاجائے اور حدیث کو مضطرب قرار دیاجائے اگریہ ظلم روا رکھاجائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یادوسے زائد طریقوں سے مروی نہیں اورہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایساحصہ بھی ضرورہے جو دوسرے میں نہیں شاید ہی ایساہوگاکہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابر ہوں اور نادر کاکیا اعتبار۔ **ثانیًا:** اکثر دیکھاگیاہے کہ ائمہ محدثین چندسندوں کوایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاوہ کہتے ہیں فلاں فلاں

[1] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن عبداللہ ۵۸۷۴ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۴۰

يسوق الحديث سياقاواحداافتراهم يجمعون بين الضب والنون [1]۔	اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیااور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں تو کیاوہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کوایک ساتھ ہی ملادیتے ہیں۔
و **ثالثًا**:مفسروالقران العظيم من الصحابة و التابعين وهلم جراكلمافسروا واقعة ذكرت فی القران المجيد زادوااشياء ليست فی القران العظيم فاذن كلهم يخالفون القران الكريم حاشم هم۔	**ثالثًا**قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یاتابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے)کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے تواس واقعہ میں کچھ ایسااضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیاسب کے سب نے قران عظیم کی مخالفت کی پناہ بخدا!
رابعًا:فی الصحيحين عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم الااحدثكم حديثاعن الدجال ماحدث به نبی قومه انه اعور الحديث فاذن يكون صلی الله تعالٰی عليه وسلم و العياذبالله تعالٰی قد خالف جميع الانبياء عليهم الصلاة والسلام فی بيان واقعة وهذالايتفوه به مسلم۔	**رابعًا**: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا" تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اورانبیاء سے زائد بتاکران سب انبیا کی مخالفت کی کون مسلم یہ کہے گا؟
و **خامسًا**: السورالقرانية تذكر قصة موسی و غيرها يزيد	**خامسًا**: قران شریف میں حضرت موسی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ ولقدارسلنانوحاالی قومہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰، صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکرالدجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۰

بعضها على بعض و حاشا القران ان يتخالف **نفحه۶:** ما اجهل من زعم ان الحديث متناقض بنفسه فان قوله بين يدى رسول الله تعالٰى عليه وسلم يعارض قوله على باب المسجد فلو كان على الباب كيف يكون بين يديه و هذا فهم لا يتصور الا من وهم اذا جلست على المنبر فتجاه وجهك باب فالقائم عليه هل يكون بين يديك ام خلفك والصفوف الجلوس بينكما لا تحجبه عن نظرك الا ترى ان الله تعالٰى سمى السماء بين ايدينا اذ قال و قوله الحق " أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ "[1] وكم من جبال بينهما و بيننا و سياتيك زيادة وافية فى تحقيق معنى "بين يديه" ان شاء الله تعالٰى۔	جگہ بیان کیے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟ **نفحہ ۶:** وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ خطیب کے سامنے اور مسجد کے دروازہ پر میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونیوالا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں" حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

نفحہ ۷: اذا بطل زعمة التناقض انتقض مابنی علیه من وجوب تأویل الحدیث فان الشجرة تنبئی عن الثمرة ولکن ان تعجب فعجب قوله وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلة قبل تحویلها الی الکعبة المشرفة فیاللانصاف باب کان وبان وصار جدارا والباب الحقیقی موجودالان فاذاذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احدالی ان القائل لم یردالباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لاتأویلا ولاسیما والحاکی لهذا اعنی سیدالسائب بن یزید رضی اللّٰه تعالٰی عنه لم یشاهد ذلك الباب الکائن البائن قط۔ فانه کان ابن سبع عندوفاة المصطفی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فولادته سنة ثلاث	**نفحہ ۷:** اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہو گیا تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہو گئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اگ سکتا لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا مگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔ یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس باب کی طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے اس کو تاویل نہیں کہتے یہ تو تحویل ہے تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصا اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

اواربع من الهجر ۃ الشریفة وتحویل القبلة فی السنة الثانیة فھو یحکی ماشاھد ہ فکیف یرید بابالم یشاھدہ ثم انك تحتاج فیه الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب کان فی الجدار القبلی والمنبر دونه بینهماممر شاۃ والمؤ ذن دون المنبر فکیف یکون حقیقة علی الباب افتری انه کان یؤ ذن متقد ماالی جدار القبلة مستد براللنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم او متو جهاالی ظهرہ الشریف متد براللقبلة بل لو فر ض ھذالم یکن ایضاحقیقة علی الباب المفقو دای محله الموجو دلانه الان مسدو د۔	وصال کے وقت سات سال کے تھے اس حساب سے ان کی ولادت ۳ ھجری میں ہوئی جب کہ تحویل قبلہ کاواقعہ ۲ ھ کا ہے توجب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتاہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے پھر اس تاویل میں مجاز در مجازماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھااوراسی کے پاس منبر تھااس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی اور منبر کے پاس مؤ ذن کھڑاہوتا تھاایسی صورت میں مؤ ذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑاہو سکتاہے کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑاہو کر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اوراپ کے پشت کی طرف رخ کرے بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔
نفحه ۸:ارادۃ الباب الشمالی الموجوداذ ذاك وتاویل علی بالمحاذات ای کان یقوم المؤذن متصلابالمنبر بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکونه اذذاك علی محاذات الباب الشمالی قیل له علی باب المسجد کلام	**نفحہ ۸**:اور دروازہ سے مسجد کاباب شمالی مراد لیناجو منبر کے سامنے واقع تھااور "**علی باب المسجد**"کے علی کو محاذات پر محمول کر نااور مطلب یہ بتاناکہ مؤذن تو منبر سے متصل ہی کھڑاہوتا تھالیکن لفظ" علی باب المسجد" سے اس کی تعبیراس لیے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھامؤذن اور دروازہ میں آمناسامنا

مفسول مزدول۔

فاولًا: تجوز بعید من دون قرینة والتکلم بمثله تغلیط للسامع وتلبیس للسنة فلا یظن بالصحابی۔

ثانیًا: فیه تضییع قوله علی باب المسجد لان الباب لما کان محاذیا للامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاة الباب قطعا اینما کان فذکره بعد ذکره لیس فیه تخصیص ولا توضیح ولا افادة شیئ مقصو داذلم یکن القصد شرعا الا الی مواجهة الامام لا الی محاذاة الباب فبقی لغوا عبثا لا طائل تحته۔

وثالثًا: ان من اخنع الاباطیل ما یقضی وجوده علیه بالرحیل و ذلك ان التاویل انما یحتاج الیه اذا لم یستقم المعنی الظاہر وانما احلت الظاہر لمنافاته بزعمك قوله بین یدیه الا لمحاذاة بلا حائل کما اعترفه به ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذا کان علی محاذاة

تھا یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اوّلًا بلاقرینہ معنی بعید مراد لینا اور ایسا کلام بولنا سامع کو غلط فہمی میں ڈالنا اور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کرسکتے۔

ثانیًا: اس تاویل کی روسے "علی باب المسجد" کا لفظ بے سود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جو امام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے تو لفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ "علی باب المسجد" نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کا افادہ مقصود کیونکہ بقول مؤول مقصد تو امام کے سامنے کھڑا ہونا ہے دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغو اور بیکار ہوا جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثًا: اولا یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لیے محمول کیا کہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھا اور بین یدیہ کے معنی محاذات بلاحائل ہیں جیسا کہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کا اعتراف کیا اور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والا دروازہ

الباب کما اعترف الان، کیف لایکون الذی علی الباب محاذیاللامام ولاحائل ثمہ یحجبہ من النظر فصدق بین یدیہ فتاویلك باطل باستقامۃ المعنی الظاہر، واستقامتہ نقتضی لبطلان التاویل فکان وجودحاکم بعدمہ وھذاھو اشنع الاباطیل۔ **نفحہ۹:** اشنع منہ زعم ان عـــہ العاطف	کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونیوالاامام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگاجب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیاضرورت ہے اسی لیے ہم نے کہاتھاکہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کاسامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے اور یہ بد ترین بات ہے۔ **نفحہ۹:** اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عـــہ: ومثلہ بل ابعد منہ قول اعجاز الحق ان فی روایۃ محمد بن اسحق تقدیرایعنی اذجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المبنراذن بین یدیہ(بعد ماکان) علی باب المسجد فالنداء لابالفاظ مخصوصۃ علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰن ھذاالنداء اذانا ای بالفاظ مخصوصۃ علی مقام عال ھوالزوراء علی ماصرح بہ فی المرقاۃ[1] فھذاھوالتحقیق الحقیق بالقبول

عـــہ اوراس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں پوراایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے" حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی "یعنی وہ نداجو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی ایسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہاپھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلاناشروع کیاجو مسجد سے دور ایک بلند جگہ تھی ایساہی ملاعلی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرمایا یہ تحقیق لائق قبول ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

محذوف قبل قوله "علی باب المسجد"	یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبه ارتفع التعارض فی الروایات، وزین القول بالفاظه الفصیحة فهذا اشد ة [شفاهته لارزانته] لم یقنع بحذف حرف واحد ولتو همه ان "یؤذن" فی الحدیث علی۔۔۔۔ ولعمر الله لو جوز امثال هذه الحذفات فی الکلام لهان تحویل کل نص الی ماتهو ی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی"[1] تقدیر ایعنی بعد ماتزو جتم لان المتاهل عند ه ما یغنیه من الز نا المحر م علیه بخلاف الاعزب فانه محتاج الیه و یقول من یبیح قتل الشبان الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ

اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے مسمّٰی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی پورا مرکب غیر مفید کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لیے باب مسجد والا اعلان ہوگا اور اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف منسوب کر دیا واللہ العظیم اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قران عظیم کی آیتیں پھیر نا آسان ہوگا مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی" (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد تتزوجتم یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کر لینے والے کو زنا کی حاجت نہیں۔ بخلاف غیر شادی شدہ کے اس کے پاس بیوی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارۃ بین	سے پہلے واو یا او محذوف ہے اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حَرَّمَ اللّٰہُ"[1] تقدیرا یعنی بعد ماتحرم لان القتل لدفع الایذاء والھرم اضعف من ان یوذی احدا بخلاف الشباب فانہ ان لم یوذ حالا فیستطیع ان یو ذی وقتل المو ذی قبل الایذاء ثم ھو بنفسہ لم لایستدل علی مزعومہ بایۃ الجمعۃ قائلا: الحق ان فی کلامہ تعالٰی اذانو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ تقدیرا یعنی "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"[2] داخل المسجد لصیق المنبر یوم الجمعۃ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ومانسب التصریح بہ الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فرمان "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ" میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالٰی نے قتل نفس حرام کیا ہے یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے اور بوڑھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں تو اس کا قتل حرام ہونا چاہیے بخلاف جوانوں کے کہ یہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے جوانوں کے قتل کی نہیں بلکہ خود یہ مو ول اسی مسئلہ میں قران کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بناسکتا ہے مثلاً قران شریف کی آیت مقدسہ اذانو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتارۃ علی باب المسجداو کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلامابغیر لفظ الاذان و ھذابحکایتہ یعنی عن نکایتہ فمامثلہ الا کمن یقول فی قولہ تعالٰی "فَصِیَامُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ"[1] ان الواو بمعنی او محذوف قبل من"من قبل" والمعنی اما	کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی اور کبھی دروازہ پر یامطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا منبر کے پاس والی تواذان ہوئی اور دروازے کے پاس والا اعلان تھاجواذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے کیونکہ یہ توایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینے روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی او ہے

اذانو دی للصلوۃ داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعۃ (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے) لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔۔۔۔رہ گئی اس قدر نامعقول کی نسبت ملاعلی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیانہ تصریح بلکہ انھوں نے ایک وہم کی بناپر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چنداحتمالات کاذکر کیاکہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کاواہمہ تھاتو یہ ساری توفیقیں اسی کی پید وارمانی جائیں گی اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی شامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے ۱۲منہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بہ ولم یکن وانماابدی من عندنفسہ عدۃ احتمالات شتی لماسبق الی وھمہ فاحتمال ھو بعدہ للتوفیق کمایاتی بعونہ تعالٰی بیانہ الشافی فی نفحۃ عشرین من الشمامۃ الرابعہ ۱۲منہ۔

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۴

متتابعین او قبل ان یتماسا۔

ثم **اولاً** یس مبناہ الاعلی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و"علی الباب" وماھو الاوھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع جمیع و ھو مرادنا۔

ثم **ثانیاً** یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو خلاف ماصرحوا بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن غیر واحد و کان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری[1]

ثم **ثالثاً**: ھذا الاذان ھو المحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ماعلی

مقدر ہے اور ایت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔

پھر **اوّلاً**: اس کی تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لیے او بھی یہاں تقسیم کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کے لیے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں یعنی جمع کے لیے ہوگا۔

ثانیاً "علی الباب" اور "بین یدیہ" دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لیے تثویب ہوتی تھی اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

ثالثاً: حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۴

الباب اعلام غیرالاذان الاان تقدر مع العاطف معطوفاوھوالاعلام اوتحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجاز اعلی مجاز وترك الحقیقة من دون ضرورة ملجئة وثیقة اشنع مسلك واخنع طریقة و بالجملة امثال الھوسات لایرتکبھاالامن یکید النصوص بالتعطیل ویریدالتغیر باسم التاویل۔ **نفحہ ۱۰:** وبعض من تعیرنابه الجھل ارادان یبدی فی الحدیث علة تھدمه عن اصله فزعم ان لم یکن فی زمنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للمسجدالکریم باب تجاہ المنبرانماکان له ثلثة ابواب، باب جبریل ؏ فی الشرق وباب السلام وباب الرحمة فی الغرب و ھذاھجوم علی ردالحدیث بالجھل الخبیث کان للمسجدالکریم ثلثة ابواب باب جبریل	کلمات میں اعلان ہوتا تھا ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر ماناجائے یعنی و بعد ماکان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی یالفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیاجاتا جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلاکسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننالازم آئے تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں) **نفحہ ۱۰:** اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کردے وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمہ (شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کورد کرنا ہے مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

؏: ھذاالاسامی حادثة ولایقیت الابواب فی محل الابواب بل احدثت علی محاذاتھابعدالزیادات ۱۲منه۔

ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انہیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انہیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے منہ ۱۲ غفرلہ

فی الشرق ثم زادامیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب النساء وباب الرحمۃ فی الغرب ثم زادامیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب السلام و باب ابی بکر فی الشمال ثم زادامیرالمومنین بابا اٰخر کمافصلہ عالم المدینۃ السیدالسمھودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی خلاصۃ الوفاء[1] و حسبك حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلادخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ منبررسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب[2] الحدیث۔	مگراور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے پوربی جانب باب جبریل پھرامیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا پچھم طرف باب الرحمۃ پھراسی طرف امیرالمومنین نے باب السلام قائم فرمایا شمالی جانب باب ابی بکر پھراسی طرف امیرالمومنین نے ایک دروازے کااوراضافہ فرمایاعالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی پھر باب شمال کے لیے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے جو منبر کے سامنے تھاایک جمعہ کوایاآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشادفرمارہے تھے (الحدیث)
نفحہ ۱۱: لایذھبن عنك ان ھھناسنتین، سنۃ خاصۃ باذان الخطبۃ و ھو کونہ بین یدیہ الخطیب حین جلوسہ علی المنبر، وسنۃ عامۃ لکل اذان و ھو کونہ فی حدودالمسجداو فنائہ، لافی حدودالمسجداو فنائہ لافی جوفہ کماستسمع نصوص	**نفحہ ۱۱:** یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دوسنتیں ہیں جن میں ایک کاتعلق خاص اذان خطبہ سے ہے یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کااس کے سامنے ہونا ہے اورایک عام سنت ہے جوہر اذان کو عام ہے اوراذان کاحدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندراسکی تصریح

[1] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۴تا۴۹۶

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجدالجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

الفقھاء علیه و قد سردنا لك اسماء ھم و قد ارشد حدیث السائب رضی الله تعالٰی عنه الیھما معا۔ فالاولی قوله بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجلس علی المنبر، والاخری قوله علی باب المسجد فان باب المسجد فی حدوده لافی جوفه و خصوصیة الباب ملغاة قطعا وانما لایکون علیه لکونه وجاه المنبر لولاذالك لم یکن علی الباب بل علی حافة المسجداو فی فنائه بین یدی الامام فانکشف به سوالان کثیراماتوردھماجھلة الھنود الاول ان العلماء لم یذکروامن سنن ھذاالاذان کونه علی الباب قل لھم لم یذکرونه مع انه غیر مقصود فی ھذا الباب و مامثله الا کمثل من یری حدیث ان بلال رضی الله تعالٰی عنه کان یؤذن علی سطح بیت ستنا نوار ام زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنھما فیحسب ان السنة فیه کونه من سطح بین الجیران حتی لو کان علی منارة او علی جدار المسجد کان مخالفا للسنة وھذااجھل منه بان القصد کان علی محل عال لاالی خصوص	ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کرچکے ہیں اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی اور دروازہ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کو ہے اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا جو اکثر کیا جاتا ہے اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا جواب یہ ہے کہ اس لیے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوار ام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نوار ام زید پر اذان دیتے تھے تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں یہ سنت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر

سقف جار، کذا ھھنا، والثانی ان الفقھاء لایذکرونہ فی باب الجمعۃ سنیۃ اذان الخطبۃ خارج المسجد فی حدودہ انما یذکرون استنان کونہ بین یدی الامام قل لھم ولم یذکرونہ ثمہ فانہ لایختص بہ بل ھو حکم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکرہ ھو باب الاذان لاباب الجمعۃ وقد ذکروہ فیہ نعم کونہ بین یدیہ کان من خصوصیات اذان الخطبۃ فذکروہ فی باب الجمعۃ اشتمل الحدیث علی حکمین خاص وعام وکان من حقھما ان یذکر الخاص فی باب الخاص و العام فی باب العام و کذالك فعلوا ولکن العوام لا یفقھون ھذا علی تسلیم زعمھم والافعلماؤ نالم یخلوا باب الجمعۃ ایضا عن افادۃ ھذا الحکم کما ستری بعون العلی الاعلی۔

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لیے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے اس لیے علماء نے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیا ہاں خطیب کے سامنے ہونا اذان جمعہ کے ساتھ خاص تھا تو اس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولاً اس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھا فقہائے امت نے ایسا ہی کیا یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیا جائے ورنہ ہمارے علماء کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھا ان شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲: اذاعجز وامن کل جھۃ قالوا ھذا حدیث لم یعرج علیہ الناس فکان مھجورا عندھم و ھذا کما تری قول من لم یترعرع عن العامیۃ شیئا الحدیث وکل شیئ انما یطلب فی معدنہ ولایضرہ عدم

نفحہ ۱۲: اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کا چرچا ہی نہیں کیا تو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہوسکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہوسکا کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو اور دوسری جگہ

و جدانه فی غیره مع هذاماهی الاشهادة نفی ولا سیمامن قوم عمی ولوابصروالنظروان العلماء لم یز الوایوردونه و یعتمد ونه ففی تفسیرالخازن (اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة) اراد بهذاالاذان عند قعو دالامام علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه ولابی داؤ دقال کان یؤذن بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعة علی باب المسجد [1]، اھ مختصرا۔ وفی تفسیرالکبیر: قوله تعالٰی "اذا نو دی" یعنی النداء اذاجلس الامام علی المنبریوم الجمعة وهو قول مقاتل وانه کماقال لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه کان اذاجلس علیه الصلوة والسلام علی المنبراذن بلال علی باب المسجد وکذا	نہ ملنے کی کوئی شکایت نہیں اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے ورنہ علماء تو اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اور اس پر اعتماد کرتے رہے تفسیر خازن میں ہے: (جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصراً تفسیر کبیر میں ہے: اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" یعنی ندا جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے یہی مقاتل کا قول ہے اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

[1] لباب التاویل فی معالم التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۶۲ / ۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۹۰

علی عھد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما[1]۔ اھ وفی الکشاف: النداء الاذان وقالوا المراد بہ الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا انزل اقام للصلوۃ ثم کان ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما علی ذلك حتی اذا کان عثمان وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا اٰخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ التی تسمی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصلوۃ[2]۔ اھ وفی الدر الشفاف لعبد اللہ بن الھادی: کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد	دیتے ایسا ہی ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانے میں بھی تھا۔ تفسیر کشاف میں ہے (سورہ جمعہ کی آیت میں) نداء سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا اور دور دور تک مکانات ہوگئے تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا جو آپ کے گھر سے موسوم بہ زوراء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ در شفاف لعبد اللہ بن الہادی میں ہے: آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ میدان الجامع الازھر مصر ۸/ ۳۰

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت الآیہ ۶۲/ ۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۳۲

فکان اذاجلس علی المنبراذّن علٰی باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوة[1] اھ	جواب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔
وکذافی النھر الماد من البحر لابی حیان: کذالك کان فی زمان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذ اصعد علی المنبراذن علی باب المسجد فاذانزل بعدالخطبة اقیمت الصلوة وکذاکان فی زمن ابی بکرو عمرالی زمن عثمان کثرالناس وتباعدت المنازل فزادموذناآخرعلی دارہ التی تسمی الزوراء فاذاجلس علی المنبراذن الثانی فاذانزل من المنبراقیمت الصلوة ولم یعب احد ذلك[2]	نہرالماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے حضور صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور جب خطبہ کے بعد آپ اترتے تو نماز قائم ہوتی ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہد عثمان غنی رضوان الله علیہم اجمعین ہوتا رہا پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک مؤذن کا اضافہ فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مؤذن دوسری اذان دیتا پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔
وفی تقریب الکشاف(لابی الفتح محمد بن مسعود) کان لرسول الله صلی الله تعالٰی وسلم کذالشیخین بعدہ مؤذن واحدیوذن عندالجلوس علی المنبرعلی باب المسجد[3]،اھ	تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں حضور صلی الله تعالٰی وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی الله تعالٰی عنہما کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔

[1] الدرالشفاف

[2] النھرالماد من البحر علی ھامش البحرالمحیط تحت الآیة ۶۲/ ۹ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۶۵

[3] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم: کان له صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰة[1]۔اھ

اور جب آپ منبر پر سے اترتے نماز قائم فرماتے۔
اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا اور اپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے۔

وفی تفسیر النیسابوری: النداء الاذان فی اول وقت الظهر وقد کان لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد[2] الخ مثل مافی الکشاف۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے نداء اول وقت ظہر میں اذان ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا الخ (موافق تفسیر کشاف)

وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالهیة: قوله تعالٰی "اذا نودی للصلوٰة" المراد بهذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه فکان له مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰة ثم کان ابو بکر و عمرو علی بالکوفة رضی الله تعالٰی عنهم علی ذلك حتی کان عثمان رضی الله تعالٰی عنه و کثر الناس و

تفسیر خطیب وفتوحات الٰہیہ میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" اس ندا سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ایک ہی مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابو بکر و عمرو علی (رضی اللہ تعالٰی عنھم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آبادی

[1] تجرید الکشاف
[2] غرائب القران (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/ ۵۲

تباعدت المنازل زاد اذانا آخر[1]. الخ وفی کشف الغمة للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما اذا جلس الخطیب علی المنبر الی قوله وکان الاذان علی باب المسجد[2]. اھ	بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے توانھوں نے ایک اذان اور زائد کی۔ کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

[1] الفتوحات الالهیه (الشهیر بالجمل) تحت الآیة ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[2] کشف الغمه باب صلوة الجمعه فی الاذان والخطبة وغیرها دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامة الثانيه من صندل الفقه

(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحہ۱: الحمدلله تظافرت النصوص على كراهة الاذان فى المسجد والنهى عنه بصيغة النفى الاكد من صيغة النهى ففى [1] الخانية و[2] الخلاصة و[3] خزانة المفتين و[4] شرح النقاية للعلامة عبدالعلى و[5] الفتاوى الهندية و[6] التاتارخانية و[7] مجمع البركات ينبغى ان يوذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يوذن فى المسجد[1] اھ
و[8] فى البحر الرائق شرح كنزالدقائق وفى الخلاصة:

نفحہ۱: اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ [1] خانیہ [2] خلاصہ، [3] خزانۃ المفتین، [4] شرح نقایہ للعلامہ عبدالعلی فتاوی [5] ہندیہ، [6] تاتارخانیہ، [7] مجمع البرکات میں ہے مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر؟ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔
[8] بحرالرائق شرح کنزالدقائق اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

---

[1] الفتاوى الهنديه كتاب الصلوة الباب الثانى الفصل الثانى نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵، فتاوى قاضى خان مسائل الاذان ۱/ ۳۷ و خلاصة الفتاوى الفصل الاول فى الاذان ۱/ ۴۹، خزانة المفتين فصل فى الاذان ۱/ ۱۹ و شرح النقاية للبرجندى باب الاذان ۱/ ۸۴

ولا یؤذن فی المسجد [1]، اھ	مسجد میں اذان نہ دی جائے۔
وفی ۹شرح مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم ۱۰المجتبی شرح مختصر الامام القدوری لایؤذن الا فی فناء المسجد او علی المئذنۃ [2]	۹شرح مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور ۱۰المجتبی شرح مختصر للامام قدوری میں ہے اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں منارہ پر۔
و۱۱فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی: لا یؤذن الا فی فناء المسجد او ناحیتہ عـــہ [3]۔	۱۱بنایہ شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے: اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

عـــہ: الناحیۃ الرکن، والجانب کلھا بمعنی فی القاموس الناحیۃ الجانب [4] اھ وفی المصباح الجانب [5] الناحیۃ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وارکان کل شیئ جوانبہ التی یستند الیھا ویقوم بھا [6] اھ واللفظ مبنی من التنحی والاعتزال

ناحیہ رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں قاموس میں ہے ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں مصباح میں ہے الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے اور ہر شیئ کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۵، خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[2]

[3]

[4] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۷

[5] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دارالھجرۃ قم ایران ۱/ ۱۱۰

[6] تاج العروس باب النون فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۱۹

فی ۱۲الغنیة شرح المنیة الاذان انما یکون فی المئذنة اوخارج المسجد والاقامة فی داخله [1]	۱۲غنیہ شرح منیہ میں اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہواور اقامت مسجد کے اندر۔
وفی ۱۳نظم الامام الزند ویستی ثم ۱۴شرح النقایة للشمس القهستانی ثم ۱۵حاشیة مراقی الفلاح للعلامة السید احمد الطحطاوی ویکره ان یؤذن فی المسجد [2]	۱۳نظم امام زندویستی ۱۴شرح نقایہ للشمس قہستانی ۱۵حاشیہ مراقی الفلاح میں للعلامۃ سید احمد طحطاوی میں ہے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔
وفی ۱۶غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی وفی ۱۷فتح القدیر شرح الهدایة	۱۶غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامہ اتقانی ۱۷فتح القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالمجانب من المجانبة والانفصال وتری رکنی الکعبه الکریمة الاسود والیمانی خارجة منها۔

وذکر فی خلاصة الوفاء ان عمر بن عبد العزیز رضی الله تعالٰی عنه جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع ثم قال کل ذلك من الهلال الی الارض خارج عن المسجد [3] منه غفرله۔

قائم ہوتا ہے یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے جیسے جانب دوری اور انفصال کے معنی دیتا ہے اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی سنن الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷

[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

[3] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶و۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق: قولہ (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایہ) والمکان فی مسالتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانھما وھو کذلک شرعا فالاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد [1]۔ اھ	مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہو ناضروری ہے اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔
وقالا فی الکتابین فی مسئلۃ سنیۃ الطھارۃ لخطبۃ الجمعۃ قیاسا علی الاذان مانصہ: الاولی ما عینہ فی الکافی جامعا وھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ [2]۔ اھ	اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لیے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کا ذکر ہے جن کے لیے طہارت سنت ہے، مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔"
فھذہ تسعۃ عشر نصا وختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی عقد فی المدخل فصلا للنھی عنہ وفی نفی فعلہ من السلف الصالح مطلقا فدخل فیھم ائمۃ المذاھب الاربعۃ جمیعا ومن قبلھم من الصحابۃ والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وھذا مانصہ۔	یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی اور بتایا کہ مطلقًا سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم ان للاذان ثلثة موا ضع ،المنارہ، وعلی سطح المسجد ،وعلی بابه ، واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جو ف المسجد لو جوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی [1] الی اخرہ۔	مدخل کی عبارت یہ ہے "مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گزشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے "الخ یہ کل بیس نصوص ہوئے۔
نفحہ ۲: بمرأی منك ھذہ النصوص بعمو مھا و اطلا قھا فان الفعل کما عر ف فی الا صول فی قوة النکرة و قد وقع فی حیز النفی فقولھم لا یؤ ذن فی المسجد عام و البا قی مطلق ولا اثر فیھا للتخصیص والتقیید فو جب امر ارھا کما ھی والتی فیھا ذکر المئذنة فاقول: اولا لا تو ذن بخر وج اذان الخطبة فان النا س بعد الصدر الاول احد ثوا اعلاء المنا بر دککا بحذائھا لاذان الخطبة کما ھو مشھور ھھنا فی الجوا مع السلطانية ستعلم جواز ذلك بشرطه فیصدق وعلی ھذا الاذان	**نفحہ ۲:** یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لا یوذن فی المسجد عام ہے اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔ اور جن کی عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولا اس لیے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کے لیے چبوترے بنائے جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کے لیے یہی مئذنہ ہوئے اور

[1] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضا انه علی المئذنة وان لم تکن فی الفناء۔ **وثانیًا** الحکم علی مطلق او عام بمفهوم مردد انما یقتضی ان لا یخلو شیئ من افرادہ عن کلا الوجهین اما کون کل فرد یجری فیه الوجهان فلا، وھذا ظاھر جدا۔ عبارۃ نسختی الفتح والعنایة۔ واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن بیاء تحتیة ای الاذان علیها ففی فناء المسجد[1]، وعدم کونه علیها یشمل الترك والکف فیدخل فیه کل اذان، وکذا علی نسخة تکن بتاء فوقانیة والضمیر للمنارۃ فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیا غیر الوجود لشیئ شرعا وعلی التنزل فزیادتهما لفظة قالوا قطعت ھذا الحکم عن سنن السابق و ذلك لان لا یوذن بمعنی لا یفعل الاذان وھو بعمومه	ان پر اذان، اذان علی المنذنہ ہوئی تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو اذان جمعہ بھی داخل رہی۔ **ثانیًا:** (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان) کے لیے ایک حکم مردد ہے اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا) **(اعتراض)** فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لیے ہے۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

کان یشمل کل اذان لکن ھذا التنزل الاخیر لما کان الکلام فی مابین العبار تین فی اذان المنائر خاصۃ فلولم یاتیا بقالوا لاشمل الظرف الحکم الی العھد ومقصودھما رحمھما اللہ تعالٰی مع الاستبدال بہ علی المسألۃ الخاصۃ افادۃ الحکم العام فزادا قالوا فصار حکما منقولا ولا عھد فی المنقول عنہ فلم یسرالیہ عھد سیاقہ وبقی علی محوضۃ اطلاقہ و لعمری لا یو قف علی اشارا تھم الابتو فیق من برکا تھم واللہ الموفق لارب سواہ۔	اذان جمعہ تو عدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے) **(جواب)** ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے: اما الاذن فعلی المئذنۃ وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا "اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی" اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: اول اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا مگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی یا عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے اور دوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لیے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں اس لیے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لیے حکم یہی ہے اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لیے شرعا معدوم ہیں تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لیے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، وللہ الحمد، اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ **قالوا** کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرماتے ہیں: **قالوا لا یوذن فی المسجد** فقہاء کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ **لا یوذن فی المسجد** کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

نفحہ ۳: بتوفیقہ تعالٰی ظہرت فائدۃ لفظۃ "قالوا" فی ہاتین العبارتین ولیست فی غیرہما ولیس کلما قالوا "قالوا" ارادوا تبرأ۔ اوافادۃ خلاف کما یشہد بہ التتبع ولا ھو عـــہ مصطلح کل احد بل قال السید العلامۃ فی حاشیہ الدر المختار۔۔۔[1]۔ وفی رد المحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الاحادیث والفقہ قال فی الخلاصۃ یکرہ عندہما والاصح انہ لایکرہ عندہ ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانہا لا تخلو عن	جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لیے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجوقتہ) کے لیے ہے جس کاذکر جملہ سابقہ میں ہے لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علیحدہ جملہ کردیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہوگیا اور یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لیے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین! **نفحہ ۳:** اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالو انہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے جیسا کہ کلام علماء کے تتبع وتلاش سے ظاہر ہوا۔ ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث وفقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر فقہ اور سنت کی

عـــہ: ومن نسب فی مسئلتنا ھذہ زیادہ لفظۃ "قالوا" الی الامام فقیہ النفس قاضی خاں فقد کذب وافتری کما تری منہ حفظہ ربہ۔

اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[1] یہاں اعلیحضرت نے غالباطحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی عبدالمنان۔

اٰیات القران و ھذا التعلیل یمنع من شروح النحو[1] اھفجعلہ مشیاً علیہ۔	کتابوں کو چھونا تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی"
وفی نھر الفائق فی مسئلۃ ما اذا زوج البالغۃ غیر کفؤ فبلغھا فسکتت لا یکون رضاً عندھما وقیل فی قول الامام یکون رضاً ان المزوج اباً اوجداً جزم فی الدرایۃ بالاول بلفظ قالوا[2]۔اھ۔	نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا" بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں۔اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادانے کی ہو درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔"
فجعلہ جزمابہ کذا ھھنا جزم الامامین بوجھین: الاول مقصودھما ھھنا تعلیل القول المعتمد وھو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامتہ بجلسۃ،راجع الھدایۃ وانظر الی قولھما یفید کذاوھو کذلک شرعاً فھما بصدد اثباتہ و تحقیقہ لا التبری عنہ وتزئیقہ۔	اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لایوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لیے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذاو ھم کذلک شرعاً دیکھا جائے)
والاخر مانقلنا منھما من قولھما الآخر حیث اولا فیہ کلام الکافی۔وجزمابکراھتہ داخل المسجد فوضح الحق	اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکراللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ اور بغیر قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں

[1] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] النھر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

وللہ الحمد۔

نفحہ ۴: لیس بخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ تلا اٰیۃ "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝"[1] الایۃ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع و ترک الانسان سدی، فان الشریعۃ لا تاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی لہ بالخصوص فما اجھل الوھابیۃ العنود ومن تابعھم من جھلۃ الھنود اذیقولو نایتونا للنھی فیہ ذکر اذان الخطبۃ خاصۃ و یدانیہ قول من یقول منھم ان الفقھاء انما ذکروا ھذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکرہ فی باب الجمعۃ وقد مر کشف ھذہ الجھالۃ فی النفحۃ ۱۱ منہ

بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لیے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی ثابت ہے۔

نفحہ ۴: یہ بات کسی علم و عقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝" (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کا بدلہ پائے گا) میں برتا اور اپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا اگر ہر خاص کے ثبوت کے لیے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہو جائے گی اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھرے گا حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام حکم لاؤ تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ نا سمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤ جس سے خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔ اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب

---

[1] القرآن الکریم ۹۹ / ۷

النفحات الحدیثیة أتزعم الجهلة ان اذان الخطبة لیس له من الحکم اماماذکر فی باب الجمعة من کونه بین یدی الخطیب مثلا کلابل یعتبر به سائرالاحکام المذکورة لمطلق الاذان فی باب الاذان فلولم یکفه البیان ثمه من این تاتی تلك الاحکام لهذا الاذان و هذا شیئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوهابیة واتباعهم قوم لایفقهون۔

میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں اس لیے یہ حکم اذان جمعہ کے لیے نہیں ہوگا۔اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارہویں نفحہ میں گزرا اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو باب جمعہ میں مذکور ہیں مثلا اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لیے کافی نہ ہو تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرامد کی کیا سبیل ہوگی؟یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

هذا اماکان طریق العلم رحم الله الامامین الاتقان والمحقق علی الاطلاق واجزل قربهما یوم الطلاق حیث داویا جهل هولاء بوجه لم یبق لهم عذراولا حیلة و ذلك ان الامام صاحب الهدایة فی مسئلة ندب الطهارة لخطبة الجمعة قاسرها علی الاذان و ذکر مایوهم ان الجامع کونها شرط الصلوة و هو ظاهرالبطلان فالامامان الشارحان عدلامنه الی ماعین الامام النسفی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لیے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لیے بھی اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لیے شرط ہونا ہے یہ بات غلط تھی اس لیے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعا فی الکافی و ھو کونھاذکر اللہ فی المسجد ای ذکرا موقتا کالاذان و کان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجدلکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلوان اذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتج الی التاویل اصلا فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منھماذکرا موقتا فی المسجد کان اذن صحیحا قطعا وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانھا لکنھما اولا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضامکروہ فی المسجدوای نص انص تریدمن ھذاوللہ الحمد۔

نفحہ ۵: لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالاوالذاکرون لھا اولئك الائمۃ الاجلاء وامثالھم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوادل علی انہ المذھب لماعرف من عادتھم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب[1] اھ فالتشکیك فیہ بانہ غیرمعزور

اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اوراس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایساذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہورہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے توان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں حدود مسجد ہے اوراذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو حدود مسجد میں تو ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے تواذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیے۔

نفحہ ۵: یہ مسئلہ کتب نوازل کا نہیں ہے نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اوران کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی ھامش الدررالحکام کتاب الطھارۃ بیان نواقض الوضو میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

الی سیدنا الامام الاعظم ولیس حاصله الا شیئان رفع الامان عن عامة مسائل الشرح والفتاوی الغیر المعزیة الی احد وابطال سائر ما فیه من المعزیات الی مشائخ المذاهب لان الاول اذا لم یقبل لعدم العلم لکونه عن الامام فلا خراحدی بالرد للعلم بعدم کونه عن الامام وانت تعلم ان فیه ابطال ثلثی مسائل المذهب او ثلثة اربا عها وانما کان علینا اتباع مارجحوه وصححوه کما لو افتونا فی حیاتهم فکیف بما اتوا به جازمین به من دون اشعار بخلاف فیه والله الموفق۔

نفحه ۶: اذلم یات لهم تخصیص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبة من جنس کی یخرج بنفسه مما یشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجة الی تخصیص و ذلك ان الاذان اعلام الغائبین والاقامة

تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں اس کا مقصد دو باتیں ہیں عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی نسبت مسائل امام کی طرف منسوب ہوں ان کا ردوابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں ان کے ردوابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ ۶: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرین کمانص علیہ الائمۃ منھم الامام العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری و فی الھدایۃ الاذان استحضار الغائبین [1]۔فجعلوا اذان الخطبۃ اعلاما لحاضرین لانداء للغائبین کی لا یکون اذا ناوان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولود والمھموم و خلف المسافر ولدفع الغیلان و عند الاقبار لتذکیر الجواب و طرد الشیطان وامثال ذلك حیث لا یقصد بہ نداء الخاص الی مشی او اعلامالھم بدخول الوقت اصلابل التبرك واستدفاء البلابتلك الکلمات الکریمۃ۔ ثم اضطربوا فاجھلھم یقول لم یکن ^{عــــہ} اذانامن لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم واذاقیل لہ افکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الجمعۃ من دون اذان قال لیس فیہ،انما	نے اس کی تصریح کی ہے۔علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے فرمایا "اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے" پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے غمزدہ انسان کے لیے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لے دی جاتی ہے اور دفن میت کے وقت منکر و نکیر کا جواب یاد دلانے کے لیے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــــہ: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔عبد المنان۔

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبہ العربیہ کراچی ۱/ ۷۴

کان یصلی الصلوۃ کلھا بمکۃ بدون اذان ولا یدری ھذا المسکین ان ھذا انکار للاجماع و تصریح القران فقد اجمعوا انہ لم یکن من عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ الا ھذا الاذان واللہ تعالٰی یقول "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"[1] انما الامر بالسعی للغائبین دون الحاضرین لاستحالۃ تحصیل الحاصل واللہ تعالٰی یقول "وَ ذَرُوا الْبَیْعَؕ"[2] وانما البیع والشراء کان فی الاسواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کان نداء للغائبین الی الصلوۃ ھذا ھوالاذان المصطلح شرعی و صلوۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیھا جھل لا یقاس ولا یمان وغیرہ یقول نعم کان الاذان علی عھد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ و علیھما وسلم فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ الاذان الاول کان ھوالاذان و بقی ھذا اعلاما للحاضرین و علیہ فرع مفرع منھم انہ لما کان فی الزمن

تومکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع "کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی" اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے دوڑپڑو" یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لیے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع وشراء چھوڑ دو بیع وشراء تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے ہی ہوتی تھی اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہو گئی، تو جب پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لیے

[1] القران الکریم ۶۲/ ۹

[2] القران الکریم ۶۲/ ۹

الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجدلدی المنبر۔ **اقول:** وھذا ایضامن ابین الاباطیل وخلاف اجماع ائمتنا الکرام فاولاقد اجمعوا للجمعۃ اذانین وثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب وعللوہ بان تکرارالاذان مشروع دون الاقامۃ کمافی الھدایہ[1] وا ستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدرالمختار وغیرھا فان تکرارالاذان مشروع فی الجملۃ کمافی الجمعۃ[2] الی ھنامتفقون ثم قال فی الکافی فاما تکرارالاقامۃ فغیر مشروع اصلا[3] وفی التبیین دون الاقامۃ[4] وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ[5]	خاموش کرنے کے واسطے ہے تواس کامسجد کے اندر منبر کے قریب ہونامناسب ہوا **میں کہتاہوں** کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علماء کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔(۱) سارے ائمہ کااس بات پراجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دواذانیں ہیں۔(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ہدایہ میں اس کی تصریح ہے،اور تکراراذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیاگیاہے۔چنانچہ کافی، تبیین،عنایہ اوردرمختار میں ہے":اذان کی تکرارفی الجملہ مشروع ہے۔"یہاں تک کہ پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے،آگے کافی میں فرماتے ہیں؛"اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے؛"اقامت کا یہ حکم نہیں۔"عنایہ میں ہے:"بخلاف اقامت

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۷۴

[2] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰،تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[3] البحرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان تحت قول المصنف وکرہ اذان الجنب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

[4] تبین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[5] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

ونظم الدر لمشر و عية تكراره فی الجمعة دون تكرارها[1]. اھ۔فلولم یكن الثانی اذانامثل الاول فاین التكرار۔وثالثاصریح نص البحرفی البحر لان تكراره مشروع كمافی اذان الجمعة لانه لاعلام الغائبین فتكریره مفیدلاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تكرارالاقامة اذهو غیر مشروع[2]. اھورابعالم تغیرالاذان عماكان علیه بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورة عن الاذانیة وكونه اعلاماللغائبین ام لان امیرالمومنین عثمن هوالذی قطعه عماكان الاول باطل اجماعافماالتثویب الاعلام بعدالاعلام وكره المتقدمون واستحسنه المتاخرون فكان هذا اجماعامنهم علی ان الاعلام مایقبل

کے۔"اور در مختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار۔" پس اذان ثانی اگراذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تواس کی تکرار کس طرح ہوگی۔(۳)علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی: "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعاً جائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہوتی ہے۔تواس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تواب سن لے گا،البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔" (۴)اذان خطبہ کے اذان ہو کراذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہو گئی تواب اذان خطبہ کی ضرورت نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تواعلام بعد الاعلام یہ ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہااور متاخرین نے مستحسن گردانا۔تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کردیا اعلام

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

التکرار اذلواستحال لاستحال ان یکون مکروھا او حسناوایضا کفی للرد علیہ کلام البحر، والثانی، اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیرالمومنین بدل و حرف سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاشاہ من ذلك نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنۃ کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعۃ وتبعہ علیہ المسلمون فی عامۃ البلاد واما ان یغیر واسنتہ فکلا، واجارھم اللہ تعالٰی عن ذلك الا تری الی ماقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستۃ لعنتھم ولعنھم اللہ وکل نبی مجاب وذکر منھم التارك بسنتی رواہ الترمذی [1] عن ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھاوالحاکم عنھاو عن امیرالمومنین علی رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنھم بلفظ سبعۃ لعنتھم	تکرار کا امکان رکھتا ہے۔اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہو سکتا نہ مکروہ۔پھراس کے رد کے لئے صاحب بحر الرائق کا کلام ہی کافی ہے۔دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ کرسکتے ہیں اس میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتے۔جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی انہیں محفوظ رکھا۔تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا،آپ فرماتے ہیں:"چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی،اوراللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔"اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،حاکم نے ام المومنین اورامیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ سبعۃ لعنتھم

[1] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱،المستدرك للحاکم کتاب الایمان ستۃ لعنتھم الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶،المستدرك للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲۵

وکل نبی مجاب[1] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمن ضلالة بتعلیمه ولا یدری المسکین ان نسبة تغییر السنة الی عثمن هو الضلال البعید، هذا وجه و کفی به وجها وجیها الثانی حیث یسوغ الاعلام مکرر افمن ذا الذی اخبر کم ان عثمن قطعه عنه أأقرانی قطعته ام امر الموذن ان لا یتوبه او امره ان یخففه او یخفیه ام تقولون علی عثمان ما لا تعلمون ولا تعلمون انکم مسؤلون قال تعالی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾"[2] الثالث حصول الاعلام کان لازم الاذان ان کان علی وجه المعهود علی عهد الرسالة فلا ینقطع عنه الابا حداث فیه یقعده عن الاعلام السالف و کیف یظن هذا بعثمن	وکل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کردیا۔کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افتراء کررہے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے:اس پر کان بھی نہ دھرو جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔"اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگرحسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا کہ اس سے اعلام

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۴۳

[2] القران الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فیہ تقلیل الفائدۃ الشرعیۃ و ذلك انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ احدث الاذان الاول لما کثرا لنا س فماذا کان یغیرہ ھذا الثانی ان بقی علی ماکان علیہ فی عھد الرسالۃ والخلافتین کی یسمعہ من لم یسمع الاول کماتقدم عن البحرفالذی یزعم ان عثمن احدث فیہ ماقطعہ من کو نہ اعلاما یقول بملاء فیہ ان عثمن غیرالسنۃ و نقص الفائدہ و نقض المصلحۃ فکان معاذ اللہ محض محادۃ للسنۃ و مضادۃ وان عدیناعنہ،فادنی احوالہ ان لافائدہ فیہ فیکون عبثا فی الدین والعبث کما فی الھدایہ[1] حرام و یکون لغوا "وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۟ۙ"[2] **نفحہ ۷**:تحرر ماتقرران بحث بقائہ بعدلخصوص الانصات غیر محرر بل وقع مصادماللنص ولحرمۃ الصحابۃ والاجماع ائمتناو نصوص فقھائنا فکیف یعرج علیہ،بل کیف یحل ان یلتفت الیہ	کا فائدہ ختم ہو جائے۔اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا،تواذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کرتو مسجد میں ضروراجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کردیتے،تواس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا ان پرالزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی،فائدہ شرعیہ گھٹایا۔اور دینی مصلحت توڑی۔ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے،ایک لغو فعل ہوا،اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے،وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔ **نفحہ ۷**:ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اذان ثانی کواب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں بلکہ یہ نص،حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تواب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات،

---

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ فصل ویکرہ للمصلی المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] القران الکریم ۲۳/ ۳

ولکن الر زیۃ من ترك نصوص مذھبہ و تشبث بذلك البحث وتحمل کل مامر ثم زاد فی الشطر نج بغلۃ و ھو ذلك تفر یع الباطل انہ اذن ناسب داخل المسجدلدی المنبر ولم ذاك مع ان اھل المسجد الصیفی احوج الی ھذا الا علام من اھل الشتو ی فانھم یر و ن الامام باعینھم فینصتو ن والقیاس علی الاقامۃ جھل فان بالاقامۃ تتر تب الصفوف من الاول فالاول قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتموا الصف المقد م ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤ خر روا ہ احمد[1] فی المسندو النسائی وابن حبان و خزیمۃ والضیاء کلھم فی صحاحھم بسند صحیح عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ولعمر ی ان ھذہ ایضاکادت ان تکو ن سنۃ مھجورۃ واللہ المستعان فناسب کو ن الاقامۃ فی الصف الاول بخلا ف الاعلام بجلو س الامام فان اھل الخارج احوج الیہ کماتر ی۔	لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی کہ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو حالانکہ اس اذان کی غرض اسکان سامعین مان بھی لی جائے تواس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصہ صیفی وبیرونی صحن کے لوگ ہیں اندرونی دالان کے لوگ توامام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جولوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں اس اذان کواقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کامطلب تو جماعت کے لیے صف لگانے کا ہے اور صف کے لیے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہلی مکمل کرو پھراس کے بعد پھراس کے بعد پھراس کے بعد اورجو کمی ہو توآخری صف میں ہو" اس حدیث کوامام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیامقدسی ابن خزیمہ اورابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کردیا ہے توخلاصہ یہ ہوا کہ اقامت توپہلی ہی صف میں ہونی چاہیے اوراذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب لاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۲، سنن النسائی کتاب الامامۃ الصف المو خر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱، موارد الظمان باب ما جاء فی الصف للصلوۃ حدیث ۳۹۰ المکتبۃ السلفیہ ص ۱۱۴

۸:عدۃ طلبۃ حاولوا نقص کلیۃ الائمۃ "لا یؤذن فی المسجد" بالاقامۃ فانھا ایضا یقال علیھا "الاذان" کما فی حدیث بین کل اذانین صلوۃ لمن شاء [1] مع انھا فی المسجد وفاقا،وجھلوا ان اطلاق الاذان علیھا تغلیب او عموم مجاز۔قال الامام العینی فی عمدۃ القاری المراد من الاذانین الاذان والاقامۃ بطریق التغلیب کالعمرین والقمرین [2] وفی المواھب اللدنیۃ عن امام الائمۃ ابن خزیمۃ قولہ "اذانین" یرید الاذان والاقامۃ تغلیبا [3] قال الزرقانی لانہ شرعا غیرالاقامۃ [4] وفی العینی ثم المواھب اولا شترا کھما فی الاعلام [5] قال الزرقانی	نفحہ ۸:کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے "ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لیے نماز ہے جو پڑھنا چاہے" حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہو نا ہی ضروری ہے تو فقہاء کا یہ حکم کلی نہیں رہا،اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے،ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیبا ہے یا بطور عموم مجاز امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کو عمرین کہا جاتا ہے" اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔زرقانی میں ہے "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا "اقامت کو اذان اس لیے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۰۷

[3] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[5] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۰۳

فلا تغليب لان الاذن لغة الاعلام و فی الاقامة اعلام بدخول وقت الصلوة کالاذان فهو حقیقة اللغوية فی کل منهما[1] وما يقال فی تعليل رواية مرجوحة مخالف للمذهب ان الاقامة احد الاذانين فهو كقولهم "القلم احد اللسانين[2]" ولذا فسره الامام النسفی بان کل واحد منهما ذکر معظم کما يفسر هذا بان کلا منهما يعرب عما فی الضمير. الم تر ماقدمنا من نصوص الهداية والکافی والزيلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولا يشرع تکرار الاقامة الم تعلم مانصوا عليه فی الکتب المذکورة جميعا وغيرها ان اذان الجنب يعاد، ولا تعاد اقامته[3] الم تسمع الی ما فی البحر عن الظهيرية لو جعل	دونوں شریک ہیں"۔ زرقانی نے فرمایا "ان دونوں میں تغلیب نہیں اس لیے لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔ اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے تو ان دونوں میں عام وخاص کا فرق ہے اور دونوں کے لیے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔ "ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" اقامت دو اذانوں میں سے ایک ہے اس کو جو اس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے اسی لیے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ہدایہ، کافی، زیلعی، اکمل، در اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں" انہیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ " جنبی کی اذان دہرائی جائے اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی"۔ بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية الباب الثانی کتاب الجمعة يوم الجمعة دار المعرفة بيروت ۷/ ۳۸۰

[2] فيض القدير تحت الحديث ۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنك دار الکتب العلمية بيروت ۴/ ۳۳۶

[3] تبيين الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ وبحر الرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳، الهداية باب الاذان ۱/ ۴۷ والعناية علی هامش فتح القدير باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامة یعید الاذان ولو جعل الاقامة اذانا لا یعیدلان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة[1] وفیہ عن المحیط لو جعل الاذن اقامة لا یستقبل ولو جعل الاقامة اذانا یستقبل[2] الخ۔ الی غیر ذلك من مسائل باینوا فیھابین الاذان والاقامة۔ وبالجملة الالزام باجراء احکام الاذان طرا فی الاقامة شیئ لا یتفوہ بہ من شم رائحة العلم، ولکن الجھل اذا ترکب فھوالداء العضال۔	تواذان دہرائی جائے اور اگر اقامت کواذان کی طرح کہاتو نہ دہرا ئی جائے کیونکہ تکراراذان مشروع ہے تکرار اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں اور اگر اقامت کواذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے" اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کافرق ہے ان سب اشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدار ادمی نہیں کر سکتاہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔
نفحه ۹: اقول: وباللّٰہ التوفیق اعلم وفقنا اللّٰہ تعالٰی وایاك ان للمسجد اطلاقین احدھماموضع الصلوۃ من الارض الموقوفة لھاو ھوالاصل وبھذا المعنی لا یدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔ وکذا الدکة والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفہ اذابنیت قبل تمام المسجدیة امابعدہ فلایجوز تغییر شیئ من الاوقاف عن ھیئتہ الابشرط الواقف	**نفحہ ۹:** اللہ تعالٰی ہم کواورآپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے مسجد کی دواطلاقات ہیں (۱) زمین کاوہ حصہ جو نماز کے لیے وقف کیا گیاہو مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف و حدود پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے، مینار یں، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

لحاجة الوقف و مصلحته فکیف بالمسجد فی براته و حریته و تمنعه من حق عبدوخیر ته، فی وقف الدر من احکام المسجدلو بنی فو قه بیتا لامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البنا ء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتار خانیة فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد [1]،اھ والاخر الارض مع البناء وهوالاصل مع الوصف فالبنیان کالجداران والبنیان داخل بهذا المعنی فیه و علی الاول قوله تعالٰی "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ" [2] اخرجه الائمة احمدوالدارمی و الترمذی و حسنه وابن ماجه وابن خزیمة وابن حبان والحاکم ،وصححه عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذارأیتم الرجل یعتاد المسجد	کے لیے اس کی شرط لگائی ہو تواور بات ہے اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے: "اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لیے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے لیکن مسجد مکمل ہو گئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی،اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔"تاتارخانیہ میں ہے" جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہواس کو بھی ڈھادینا چاہیے" **(ب)** اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے،تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالٰی کے فرمان انما یعمر مساجدالله من اٰمن بالله (مسجدیں اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔امام احمد،دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا،اور ترمذی نے حسن کہا۔ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] القرآن ۹/ ۱۸

فاشھدوا لہ بالایمان [1] قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ [2] فعمارتھا بالصلوۃ فیھا ولو لم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فما کان الا ارضا حول الکعبۃ مخلاۃ للطواف۔ وعلی الاخر قولہ عزوجل " لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ " [3]، فما الھدم الاللبناء۔ بل لاطلاق الثالث یشمل الفناء ولھذا جاز للمعتکف دخولہ ولا یعد بہ الامعتکفا فی المسجد فی البدائع ثم رد المحتار لوصعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف	اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ "مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنٰی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: لھدمت صوامع وبیع (تو البتہ یہود ونصارٰی) کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔ (ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے بدائع اور شامی میں ہے: معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمۃ الصلوۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرک للحاکم کتاب الصلوۃ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۱۳، ۲۱۲، موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبۃ السلفیۃ ص۹۹، صحیح ابن خزیمہ باب الشھادۃ بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

وانکان بابھا خارج المسجدلانھامنه لانه یمنع فیھامن کل ما یمنع فیه من البول و نحو ہ فا شبه زاویة من زوا یا المسجد [1]۔وعن ھذا تسمع الناس یقولو ن قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلاوان کانت واقعة خارج المسجدو ھذا محاورة سائغة شائعة عر باو عجما۔ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد،وعلی ھذا نظائر قول ابن مسعو د رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان من سنن الھدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤ ذن فیه روا ہ مسلم [2]۔ وقول الفقھاء کر ہ خر و ج من لم یصل من مسجد اذن فیه [3]۔اذا علمت ھذا فا علم ان الاذان انما یکر ہ فی اصل المسجدلا فی وصفه ولا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین ألا تری الی ماقد تلو نا علیك من نصوص الا ئمة کیف نھوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة و فنا ء ہ والحدود بمر ای منك حدیث الاذان علی باب

ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے،تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا"اسی لیے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاورہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذان منارہ کو سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا"جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنت ہدی ہے" (مسلم)۔اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہوچکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے"

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے وصف مسجد میں نہیں۔اور تبع مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے"کان

[1] رد المحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوۃ الجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

المسجد، واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد الله ابن زید الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیه ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول الله اکبر الله اکبر اربعا[1] الحدیث وفی اخری عنه رأیت رجلا علیه ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادی[2] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد او بابه[3] وبما قررنا ولله الحمد تبنیت فوائد، الاولی یجوز الاذان الدکة والمنارة وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت هذه الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناها قبل تمام المسجدیة لان ذلك یبقی مستثنی ولا تشمله المسجدیة فیجوز له ان یبنی وللناس ان یستعملوها کما اذا اعد فیه موضعا للوضوء وکذا اذا کنت بئر او حوض مثلا فی فناء المسجد

الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا" دوسری حدیث میں انہیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث) مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرائے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔" ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی گگری پر، اگر چہ یہ چیزیں مسجد کے اندر رہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو وجہ اس کی یہ ہے وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنی ہیں تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لیے خاص کر دی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[3] المدخل فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

فزید المسجدواحاط بها کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونها اذذاك قبل المسجدیة ابین و اظهر امابعد تمام المسجدیة فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکة ولامنارة ولابئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر[1] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحه فکیف ارضه هذامانص علیه علماؤنا انه لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمة تترك کبئر زمزم[2] اھ خانیة و هندیة وغیر هماو تمام تحقیق المسالة فی جد الممتار تعلیقا تنا علی رد المحتار و قال فی الاشباه والنظائر من احکام المسجد تکره المضمضة والوضوء فیه الا ان یکون ثمه موضع اعدلذلك لایصلی فیه او فی اناء[3] اھو نحوه فی الدر۔قال الشامی رحمة الله تعالٰی علیه قوله"الا فیما اعدلذلك"انظر هل یشترط	صحن میں کوئی حوض تھا کنواں تھامسجد میں توسیع ہوئی یامسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جب کہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے، ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کرائے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے" ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا، پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے جیسا زمزم کا کنواں خانیہ، ہندیہ وغیرہ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ درمختار وشامی میں ہے اشباہ ونظائر کے باب احکام المسجد میں ہے" مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لیے مقرر ہو تو اور بات ہے" ایسا ہی درمختار میں ہے۔امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الاما اعدلذلک پر فرمایا: "یہ امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لیے جگہ

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

اعداد ذلك من الواقف ام لا[1] وکتبت فی جد الممتار اقول:نعم وشیئ اخر فوق ذلك وھوان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعدہ لیس له ولا لغیرہ تعریضه للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتا لسکنی الامام[2] اھ ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجداموانع اخری فانھا تشغل موضع الصلوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله الله و من قطع صفاقطعه الله۔رواہ احمدوابو داؤد[3] والنسائی وابن خزیمه والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنھماقال العلامة القاری فی المرقاۃ	مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں"میں نے جدالممتار میں اس پر لکھا یہ شرط تو ضروری ہے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لیے یہ جگہیں متعین کرے مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لیے پیش کرتا ہے۔میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لیے کوئی گھر نہیں بنا سکتا"مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لیے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلا اس کی وجہ سے نماز کی جگہ جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے"جس نے صفیں ملائیں الله تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے صفیں قطع کیں الله تعالٰی اسے رحمت سے دور کریگا" (احمد،ابو داؤد،ابن خزیمہ،اور حاکم نے عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی)ملا علی قاری رحمۃ الله تعالٰی علیہ نے

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] جدالممتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[3] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷،مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸،المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه)ای بالغيبة او بعدم السداوبوضع شیئ مانع[1] وقد نهى العلماء عن غرس الشجر في المسجد وعللوه بانه يشغل مكان الصلوة كما في الخانية و خزانة المفتين والهندية و غير هاواما اباحته لتقليل النز اذا كانت الارض نزة لا يستقر اساطينها فللضرورة والضرورات تبيح المحظورات قال في البحرفيغرس ليجذب عروق الاشجار ذلك النز فحينئذ يجوز، والا فلا[2] ومثله في الظهيرية والبزازية وغيرهما قال في منحة الخالق: وفي قوله "الا فلا" دليل على انه لا يجوز احداث الغرس في المسجد ولا ابقاؤه فيه لغير ذلك العذر ولو كان المسجد واسعا كمسجد المقدس الشريف ولو قصد به الاستغلال اوتجويز ابقاء ذلك بعد احداثه ولم يقل بذلك احد بلا ضرورة داعية ولان فيه ابطال	مرقاۃ میں "قطعہ" کامطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہو کر یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو علمائے کرام نے، مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ایسا ہی خانیہ خزانۃ المفتین وغیرہما میں لکھا ہے اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لیے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں بحرالرائق میں ہے: "مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں" ایسا ہی ظہیریہ وبزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول "والا فلا" پر فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔ اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دکان بنانے کی راہ کھلے گی اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہوگی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۷۹/۳

[2] بحر الرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراھۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۳

مابنی المسجدلا جله من صلوة و اعتکاف ونحوهما وقد رایت فی هذه المسالة رسالة بخط العلامة ابن امیر الحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلك فی المسجد الاقصی، ورأیت فی اخرها بخط بعض العلماء انه وافقه علی ذلك العلامة الکمال ابن الشریف الشافعی[1] اھ	اصلی غرض فوت ہوگی اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔
وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغیره من نظر هذه الکلمات الشریفة بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیه شغل محل منه لغیر مابنی له سواء کان بیتا او حانوتا او دکة او منارة او غاسلا او خزانة او بئرا او حوضا او شجرا، أو، أو، أوالخ وعنیت به المسجد بالمعنی الاول۔	میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ خزانہ ہو یا گودام کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اورالخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔
وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل و من هذاالباب ایضاما احدثوه فی المسجد من الصنادیق الموبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمین[2] قال و من هذا الباب الدکة التی یصعد علیها المو ذنون للاذان یوم الجمعة بل هی اشد من الصنادیق اذیمکن نقل	امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لیے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[1] منحة الخالق حاشیة بحرالرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراہة فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[2] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

الصنا دیق ولا یمکن نقلها [1] قال ومن هذا الباب ایضا اعنی فی امساك مواضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بها اتخاذ هذا المنبر العالی فانه اخذ من المسجد جزاء جیدا وهو وقف علی صلاة المسلمین [2] اهملتقطا فرحم الله من نص ورحم الله من قبل۔

یہ ناممکن ہے اوراسی قسم یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف تھی ملخصا (اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے۔

الثانیة [۲] المراد فی قول الکافی انه ذکر فی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فال فلخطبة فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الکون فی المسجد وان تفرق المحل و فی قول الغایة والفتح الکراهة الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقة النظر لیس ما ذکر تاویل لکلامه بل تبیین لمرامه اذلیس فیه صرف عن ظاهره والله تعالٰی الموفق۔

(۲) امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرا فی المسجد (مسجد کے اندر کاذکر) کہا ہے تواس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اوراذان وصف مسجد میں۔تو مسجد میں ہونا خطبہ اوراذان دونوں ہی کی صفت ہے اگرچہ جگہ میں اختلاف ہواور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لا یوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے تو دقت نظر سے یہ پتا چلے گا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اوراس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے

الثالثة [۳] المراد فی قول

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

---

[1] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

[2] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۶

ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقول الفقہاء الماٰرین العنیاٰن الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبۃ عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حدثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیہ ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[1] الاتراہ یقول قام علی المسجد، ولوارادالمعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحتہ روایۃ ابی بکر بن ابی شیبۃ الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قائم وعلیہ بردان اخضران علی جذمۃ حائط فاذن[2] الخ	قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہاء کے اقوال جو ذکر کئے جاچکے مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں ابی داؤد اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے عبد الرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دی" اس روایت میں لفظ قام علی المسجد ہے اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو قام فی المسجد کہتے اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبد اللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا"

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۲۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۱۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۵، کنز العمال بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان حدیث ۲۳۱۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۳

ولسعید ابن منصور فی سننه عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهتم للصلوۃ کیما یجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زید فرای الاذان[1] الحدیث وتقدمت روایة سور المسجد وسطح المسجد۔	اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے اس روایت میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔
الرابعة۴: المعنی الثالث هوالمراد فی فرع الخانیة والخلاصة ولاباس بان یتخذ فی المسجد بیتایوضع فیه الحصیر و متاع المسجد به جرت العادة من غیر نکیر[2]. اھ ومن الدلیل علیه حدیث التعارف فانه المتعارف او بناؤه قبل تمام المسجدیة اما ان یتم المسجد ثم یاخذ احد قطعة منه فیجعلهابیت البواری فلم تجر به العادة ولا یحل السکوت	(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت "اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس لیے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لیے

[1] کنز العمال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسة الرسالة بیروت ۸/ ۳۳۶

[2] فتاوی قاضیخان فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصة الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

علیہ۔

الخامسۃ^۵^ ،قال فی جامع الرموز لھا یوذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم لکن فی الجلابی یوذن فی المسجد او ما فی حکمہ لا فی البعید منہ [1] اھ فمراد النظم المعنی الاول ومراد الجلابی المعنی الثانی فا لمعنی یوذن فی حدود المسجد کما فسر بہ الامامان کلام الکافی او ما فی حکمہ ای فی فنائہ فان فناء المسجد لہ حکم المسجد کما فی الھندیۃ عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد [2] ومثلہ فی کتب کثیرۃ ذکرناھا فی جد الممتار فلا استدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القھستانی الا تری ان العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایۃ ما فی القھستانی

بنایا جائے نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔

(۵) جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ایسا ہی نظم میں ہے لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فناء مسجد مسجد کے حکم میں ہے ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں جیسا کہ قہستانی نے سمجھا حضرت امام طحطاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

---

[1] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[2] فتاوی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۲

عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علما منہ بان الاستدراك مستدرك لایبتغی نقلا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولولم یکن ھذا لکان ذکر جامع الرموز بمقابلہ تلك المعتمدات العظیمۃ بل ما تفرد بہ الجلابی بازاء ما اتفق علیہ اولئك الاکابر الا جلۃ مما ینبغی ان یستحی منہ فانہ لو فرض لکان خلافا لا اختلافا وقد تقرر ان الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔ **نفحہ ۱۰**: اذلم یقدروا علی شیئ تعلق بعض الوھابیۃ بما فی	چھوڑ دیا اور اگر نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتوی حکم جہل اور خرق اجماع ہے اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔ **نفحہ ۱۰**: جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ عـــہ اور

عـــہ: خانیہ کی عبارت یوں ہے: ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد [1] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوئی تو گر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے اور دوسرا جملہ (لایوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی۔

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الصلوۃ مسائل الاذان نولکشور لکھنو ۱/ ۳۷

نص الخانیة والخلاصة من لفظ "ینبغی" یرید به ان الامر سهل لا یعتنی به انت تری عامة النصوص عریة عنها ثم لم یدخل علی "لا یؤذن فی المسجد" الا تری ان البحر نقله عن الخلاصة هکذا ولم یلتفت الی "ینبغی" فی الجملة الاولی۔

خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اولا دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لایؤذن فی المسجد پر داخل نہیں خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولی میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

ثم استعماله فی الندب اصطلاح المتاخرین وهو فی کلام المشائخ اعظم کما فی ردالمحتار وغیرها قال هو فی القران کثیر: ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء۔۔۔ قال فی المصباح ینبغی ان یکون کذا معناه یجب او یندب بحسب ما فیه من الطلب[1] ثم ندبه یقابل الوجوب ویعم الاستنان، وامر السنة لیس بهینین بل ربما جاء "ینبغی للوجوب

ثانیا لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں) مصباح المنیر میں ہے ینبغی کے معنی وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں۔
ثالثًا: اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسااوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد لفظ "ینبغی" یستعمل فی المندوب الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۲۴

"کقول الهدایة والکنز وغیرهما"من حلف علی معصیة ینبغی ان یحنث[1]"فان الحنث واجب قطعاو قول الهدایة و کثیرین"ینبغی للمسلمین ان لا یغدرواولا یغلو ولا یمثلوا[2]"اھ مع ان ترك الغدر والغلول فریضة فانهما حرام و کذا المثلة قال فی الفتح قوله و ینبغی للمسلمین ای یحرم علیهم ان یغدروا او یغلواویمثلوا اھ[3]وقول القدوری والهدایة وغیرهما ینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان[4]قال المحقق فی الفتح ای یجب علیهم وهو واجب علی الکفایة[5]اھ قال فی الجوهرة النیرة ای یجب[6]الخ وقال فی القنیة فاستحسان القاضی الصدر الشهید	ہدایہ و کنز وغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے"۔ یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں، مال غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں"۔ یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں"۔ اسی طرح امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے"۔ اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے قاضی صدر الشہید کے استحسان

[1] الهدایه کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۴۶۲، کنز الدقائق کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵

[2] الهدایة کتاب السیر باب کیفیة القتال المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۵۴۱و ۵۴۲

[3] فتح القدیر کتاب السیر باب کیفیة القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۱

[4] المختصر للقدروی کتاب الصوم ص۵۶ والهدایة کتاب الصوم المکتبة العربیه کراچی ۱/ ۱۹۳

[5] فتح القدیر کتاب الصوم فصل رویة الهلال المکتبة النوریة الرضویة بسکھر ۲/ ۲۴۲

[6] الجوهرة النیرة کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶۷

ینبغی للاخ من الرضاع ان لا یخلوا باختہ من الرضاع لان الغالب ھناك الوقوع فی الجماع [1] افاد العلامۃ البیری ان "ینبغی" معناہ الوجوب ھنا [2] (الشامی) وکم لہ من نظیر۔	میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلاہونا غالب ہے اھ۔علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔
ثم ان کان ھو ظاھرا فعارضہ فی نفس الکلام ظاھر اخر وھو النھی بصیغۃ الاخبار فانہ غالبا فی کلامھم لایجاب الفعل والترك الا ان یصرف صارف قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ صفۃ الصلوۃ مسئلۃ القراءۃ فی الاخریین ظاھر قول المصنف 'لا یزید علیھما شیئا' یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھما [3] اھ وفی عید الغنیۃ الا یری الی قولہ لا یترك واحد منھما فانہ اخبر بعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب [4]	**رابعًا** پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموماً وجوب فعل یا وجوب ترک کے لیے ہوتی ہے امام ابن الامیر الحاج نے "باب صفۃ الصلوۃ" مسئلہ قراءت میں فرمایا مسئلہ قراءت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لا یزید علیھما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قراءت مباح نہیں اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لا یترك واحد منھما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے، اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔"

[1] القنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراہیۃ والاستحسان باب فی الخلوۃ باجنبیۃ مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۶

[2] رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ العید سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامة البحر الرائق: قولہ فان فعلن تقف الامام وسطھن افاد بالتعبیر بقولہ تقف انہ واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح بہ فی فتح القدیر [1] وفی حاشیة العلامة الخیرالرملی علی البحر ثم منحة الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی (اذا جیئی بجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بھا ثم بسنة المغرب [2] اھ) الظاھر ان ذلك علی سبیل الوجوب لتعلیلھم بان المغرب فرض عین والجنازة فرض کفایة ولان الغالب فی کلامھم فی مثلہ ارادة الوجوب تامل [3] اھ وقال العلامة السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر: و فیھا (ای فی النھایة) ولا یفعل (ای الدھن) لتطویل اللحیة اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدھن لھذا القصد یکرہ تحریما لانہ یفضی الی المکروہ تحریما ولا کان مکروھا تنزیھیا	بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت کریں توامام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے توامام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے" حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول "جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں" پر تشریح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ داڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو تو زیادہ بڑھانے کے لیے تیل نہیں لگانا چاہیے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہ تحریمی کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا تو اس کو لفظ **لا یفعل**

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[3] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۳

لما عبر بقوله ولا يفعل[1] فظاهر نا هذا غير معارض من نصوص الاسبيجابي والمجتبى والبناية والاتقاني وفتح القدير۔	سے منع نہ کرتے" اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)
ثم ثمه ظاهر اخر غير معارض هناك وهو اطلاق الكراهة في النظم وشرح النقاية وحاشية مراقي الفلاح وغاية البيان وفتح المحقق حيث اطلق فانها كما عرف في محله اذا اطلقت كانت ظاهرة في التحريم الابصار وقال سيدي العارف بالله العلامة عبد الغني في الحديقة الندية من آفات اليد ما نصه۔ والكراهة عند الشافعية اذا اطلقت تنصرف الى التنزيهية لا التحريمية بخلاف مذهبنا[2]۔اھ	**خامسًا:** یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔"
ثم فيه اساءة ادب بالحضرة الالهية كما ياتي في الشمامة الثالثة بعون الله تعالٰی فيجب التحرز عنه۔	**سادسًا:** مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔
ثم المعروف من عادته صلى الله تعالٰی عليه وسلم ترك الفضيلة احيانا بيانا للجواز ولم يوثر قط اذانا في زمنه صلى الله تعالٰی	**سابعًا:** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کر دیتے تھے جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں تو یہ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الانصاف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکرہ تحریمًا وان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دار بین کراهتین مکروہ قطعًا و یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروہ منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة واللّٰه سبحنه ولی الهدایة۔	سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ و کراہت تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقًا مکروہ ہے اور اہل عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

الشمامۃ الثالثۃ من مسک القران العظیم

(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ۱: اخرناھا الی ھنا لیکون "خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ؕ" [1] ۔قال اللہ عزوجل: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ"

نفحہ۱: ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اسے لیے مؤخر کیا کہ اس کا اختتام مشک قران سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے اے ایمان والو نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶و۲۷

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۳ "[1] ارشدنا القران الکریم الی ادب حضرۃ الرسالۃ وانہ لا یجوز رفع الصوت فیہا و اوعد علیہ الوعید الشدید ان فیہ لخشیۃ حبط الاعمال والعیاذ باللہ تعالٰی و ندب الی غض الصوت عندہ ووعد علیہ الوعد الجمیل مغفرۃ من اللہ واجر عظیم۔

ولا شك ان لیس ذلك الا لهیبة المقام واجلال صاحبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالحضرۃ الالهیۃ احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل یقول "وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۱۰۸ "[2] وما المصلی الا حضرۃ العلی الاعلی عزوعلا وتبارك وتعالٰی فلعمری لو یتذکر الناس حین حضورهم المساجد قیامهم بین یدی ربهم عزوجل یوم القیامۃ واستحضر واعظمۃ المقام وتفطنوا این هم و بین یدی من هم لخشعت الاصوات للرحمن فلا یکاد یخرج صوت الامن اذن له الرحمن وقال صوابا کالقاری و

ان لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالٰی نے دربار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لیے ہے (صلی اللہ تعالٰی وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں سہمی ہوں گی اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے۔" مسجد اللہ تبارک وتعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے

[1] القران الکریم ۴۹/ ۲و۳

[2] القران الکریم ۲۰/ ۱۰۸

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد به الاذان ان لاتسمع الاھمسا ولذا اتت الاحادیث ؎ تنھی عن رفع الصوت فیھا:	اسی لیے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔

؎: وللبیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکرہ العطسة الشدیدۃ فی المسجد[1]، وفی البحر الرائق وغیرہ: قالوا ولا یجوز ان تعمل فیه الصنائع لانه مخلص للہ تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادۃ غیر انھم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه مصلحته من دفع الصبیان وصیانۃ المسجد لاباس به للضرورۃ ولا یدق الثوب عند طیه دقا عنیفا[2] انتھی وماذا عسی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیه عندطیه یستوی وقد نھوا عنه۔ وکذلك من یعرف الادب ولا دین لمن لا ادب له نسال اللہ حسن التوفیق منه عفی عنه۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہٰذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جوانھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد میں مصلحت کے لیے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لیے تو اس ضرورت کے تحت اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں اور وہ کپڑوں کو تہہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی اور بسا اوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے اواز پیدا ہو جاتی ہے جس سے انہیں منع کیا گیا ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں (ت)

---

[1] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت بالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۳۲

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرض من بیان الکراہیۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱)ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم[1]	ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو"
(۲)وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیہقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم[2]	ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انہوں نے واثلہ سے اور ابوالدردا اور ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"
(۳)عبد الرزاق فی مصنفه قال حدثنا محمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبد اللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم و شرائکم واقامة حدودکم وخصومتکم[3]	(۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبد ربہ ابن عبد اللہ مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

[1] سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب یکرہ فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[2] کنز العمال بحوالہ عدوطب وق وکر عن مکحول عن واثلہ وابی الدرداوابی امامہ حدیث ۲۰۸۳۴ /۷ ۶۷۰، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ العلاء بن کثیر ۵۵۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/ ۱۵۴، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۵۶/۸

[3] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبة الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۲ - ۴۴۱

(۴) والامام ابن المبارك عن عبيد الله بن ابی حفص يرفعه الى النبی صلى الله تعالٰى عليه وسلم قال: من اجاب داعی الله واحسن عمارة مساجد الله كانت تحفته بذلك من الله الجنة قيل يارسول الله ما احسن عمارة مساجد الله قال لا يرفع فيها صوت ولا يتكلم فيها بالرفث [1]	(۴) امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"
(۵) امام مالك والبيهقی عن سالم بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه بنی الى جانب المسجد رحبة فسماها البطيحاء فكان يقول من اراد ان يلغط و ينشد شعرا او يرفع صوتا فليخرج الى هذا الرحبة [2]	(۵) امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"
(۶) والامام ابن المبارك وابراهيم بن سعد فی نسخته عن سعيد بن ابراهيم عن ابيه قال سمع عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰى عنه صوت رجل فی المسجد فقال اتدری این انت	(۶) امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو

[1] کنز العمال بحوالہ ابن مبارک عن عبید اللہ حدیث ۲۰۸۴۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۷۱

[2] مؤطا لامام مالك كتاب قصر الصلوة فی السفر باب جامع الصلوة میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۲

اتدری این انت کرہ الصوت [1] وقد تقبلہا ائمہ الامۃ بالقبول حتی ان فقھائھا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقھۃ کما فی الدر المختار [2] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنك بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الھدایۃ فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیئ غیرہ قلت ھولیس بذکر خالص علی ما لا یخفی انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر [3] اھ وفی البحرالرائق عن المحیط تحت قول الکنز" یستقبل بھما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالواحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی	کہاں ہے آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔" اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے توجب ذکرالٰہی کا یہ حال ہے تواذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا"اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے توجواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں اسی کا لحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔" کنز کے قول"کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں"کی تشریح میں بحرالرائق نے محیط سے نقل کیا"اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

[1] الزہد لابن المبارك باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] البنایہ شرح الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۵۵۷

الصلوۃ واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین"اھ۔[1]	تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو"۔
وفی صلوۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: ان فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس ومادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذا بلغ المناداۃ یحول وجھہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی الدعاء الی الصلوۃ مناداۃ و باقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاھر الروایۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی اخرہ دعاء الی الصلوۃ ثم قال ظاہر الروایۃ ان الموذن اذا قال حی علی الصلوۃ، یقول المستمع لا حول ولاقوۃ الا باللہ فاذا قال حی علی الفلاح ویقول المستمع"ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن"قال شیخ الاسلام برھان الدین رحمہ اللہ تعالٰی ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان فاذا جاء نداء الخلق یعود فاذاقیل"لا حول ولاقوۃ الا باللہ	صلوۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی مناجات اللہ تعالٰی کا ذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور جب بلاوہ پر پہنچتا ہے تو اپنا چہرہ گھماتا ہے پھر شیخ ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینا منادات ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اول سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے پھر فرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب"حی علی الصلوۃ"کہے تو سننے والا"لاحول ولاقوۃ الا باللہ"کہے اور جب موذن"حی علی الفلاح"کہے تو سننے والا کہے"ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن"شیخ الاسلام برھان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو ندا کرتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے پھر جب کہا جاتا ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۸

ما شاالله کان "یفر [1] انتهی ملتقطامترجما۔ واذاکان ذلك کذلك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النهی وهو المقصود۔ **نفحه۲:** نسمع ربنا تبارك و تعالٰی یعا تب قو ما اذیقول عز من قائل " اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً " [2]۔وقال عزوجل "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ " [3] ولقد علم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قو م خارج الحضرة وامر الملك بدعائهم لم یکن للحجاب ان ینادوهم فی الحضرة بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء لا ساؤا الا دب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب ومن لم یر الملوك فینظر قضاة بلادنا کفارهم ومسلمو هم اذا امر وابنداء الخصوم اوالشهو دلم تقدر الاعوان ان	ماشاء اللہ کان" تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے انتہی التقاط مترجماً۔ پس جب صورت حال یہ ہے اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تواذان مسجد ممنوع ہوگی ہمارا یہی کہنا ہے۔ **نفحہ ۲:** اللہ تبارک وتعالٰی ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے، "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔" اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالٰی سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو دربان دربار کے اندر سے ہی اسے پکارنے نہیں لگتے بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

[1] صلوۃ المسعودی باب بست ویکم در بیان بانگ نماز در مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰

[2] القران الکریم ۴/ ۷۷

[3] القران الکریم ۹/ ۱۳

ينا دوهم فى دارالقضاء بل يخرجون خروجا فيدعون وهذامشهود كل يوم ومن انكر كونه اساءة ادب فليجرب على نفسه وليقم بين يدى حاكمهم المسمى عندهم جج۔ ويرفع صوته بيافلان يافلان لناس خارج المكان فسيرى ما يبدل البيان با لعيان وماذلك الالادب المقام وخشية الحكام "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" [1] كيف ان امثال الامور البنية على الاجلال۔ المبنئة من الادب انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص، و الشاهد ههنا ماذكرنا فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما فى حضرة المصلى اسائة ادب بالحضرة الاعلى وقلة خشية من الله تعالى۔ اماماقلنامن الاحالة على الشاهد فشيئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواهده كثيرة فى كلام الاجلة الاكابر من ذلك قول الامام المحقق على الاطلاق فى فتح القدير: الثابت هو وضع	مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انہیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آکر پکارتے ہیں یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے تو ہمارا بیان اس کے لیے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے پس اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور اس قسم کے امور تعظیم واظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیے اور غائب مصلیوں کو مصلی کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیے۔" ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظریں مل سکتی ہیں چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے"

[1] القران الکریم ۹/ ۱۳

الیمنی علی الیسری و کونه تحت السرة اوالصدر کماقال الشافعی لم یثبت فیه حدیث یوجب العمل فیحال علی المعهود من وضعها حال قصد التعظیم فی القیام والمعهود فی الشاهد منه تحت السرة[1] ومن ذلك قوله ایضاواستحسنه تلمیذه المحقق ابن امیرالحاج الحلبی جدامانصه لا اری تحریر النغم فی الدعاء کمایفعله القراء فی هذا الزمان یصدرممن فهم معنی الدعاء والسوال وماذلك الانوع لعب فانه لو قدر فی الشاهد سائل حاجة من ملك ادی سواله بتحریر النغم فیه من الرفع والخفض و التغریب والرجوع کا لتغنی نسب البتة الی قصد السخریة واللعب اذمقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی[2] اھ۔	(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کامذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو تو اس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم و مشہور ہو وہی اختیار کیا جائے اور یہ زیر ناف ہے۔ انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کی شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیسا کہ آج کل کے قاری کرتے ہیں اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کر آواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور آواز کی آرائش کے ساتھ مانگے تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح وزاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۹

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۲۲

قال فی الحلیۃ وقد اجاد رحمہ اللہ تعالٰی فیما اوضح و افاد[1]۔اھ ومن ذلك اشیاء فیہ وفی الحلیۃ والغنیۃ وغیرھاقلت ارشد الیہ حدیث"استحیی اللہ استحیاءك من رجلین من صالح عشیرتك رواہ ابن عدی[2]عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔" وحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اللہ احق ان یستحی منہ من الناس۔"رواہ احمد[3]وابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن معاویۃ بن حیدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایاگیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح وافادہ فرمایا۔ اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو"اس حدیث کوابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے "اللہ تعالٰی کو اس کازیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔"اس حدیث کواحمد وابو داؤد اورترمذی نے روایت کیااور نسائی اورابن ماجہ اورحاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن الزبیر الشامی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[3] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱،سنن ابن ماجۃ کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۹،سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

وحدیث"اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان الله احق من یزین له"رواہ الطبرانی[1] فی الاوسط والبیهقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقد اوضحه ابن عمر اذ کسانا فعا ثوبین وهو غلام فدخل المسجد فوجده یصلی متوشحابه فی ثوب فقال ألیس لك ثوبان تلبسهما؟ ارایت لوانی ارسلتك الی وراء الدار لکنت لابسهما؟قال نعم قال فالله احق ان تتزین له ام الناس فقال بل الله رواہ عبدالرزاق[2] عن نافع۔

اور یہ حدیث: " نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لیے زینت وارائش کا سب سے زیادہ حق ہے"اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انہوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انہیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لیے پورا جوڑا نہیں ہے اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام لے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر؟ حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لیے زینت کی جائے حضرت نافع کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالٰی۔ اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔

نفحہ ۳: قال المولی تبارك وتعالٰی

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَاؕ"

نفحہ ۳: اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰، السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ باب مایستحب للرجل ان یصلی فیه من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیه دکن ۲/ ۲۳۶

[2] المصنف لعبد الرزاق کتاب الصلوۃ باب مایکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ "[1] نھی اللہ سبحنہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیراذنہ (تسانسواعــہ تستأذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد	یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا "روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

عــــہ: فی الایۃ امران الاستیذان والسلام، فالاستیذان فی المساجد کما نبین، اما السلام فاقیم مقامہ السلام علی حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا او یخرج منہ ان یقول بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ[2] الی اخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شھیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ۔

آیت کریمہ میں دو[2] امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے اس لیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے "بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ (ت)

---

[1] القران الکریم ۲۴/ ۲۸، ۲۷

[2] الکتاب المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[1] (رواہ ابو بکر بن شیبۃ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ)	کی تکریم فرمائے گا۔"ابو بکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔
وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]	اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابوقرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لیے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے جنت میں گھر بنادیا۔"
وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کما یکون برفع المقید کذلك برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا (رواہ احمد ومسلم[3] وابو داؤد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ	اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا اسی نکتہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں" امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد،

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کراھیۃ انشاد الضالۃ فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ) ھم جمیعا عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاوجدتہ لاوجدتہ لاوجدتہ انما بنیت ھذہ المساجد لما بنیت لہ [1] ولعبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایھا الناشد غیرک الواجد لیس لھذا بنیت المساجد [2]۔ والاحادیث فی الباب کثیرۃ وھو بعمومہ یشمل من ینشد مصحفا لیتلوہ بل ومن ینشد امانۃ ضلت عنہ مع ان انشادھا واجب علیہ"اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ	ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔ مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس الفاظ میں روایت کیا: "تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں، وہ تو جس کے لیے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔ عبدالرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہیں۔" اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النھی عن انشاد الضالہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[2] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۲ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۰

اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ"[1]۔ فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب، مقدمة الواجب واجب، وكذلك عمم الفقهاء فقالوا كره انشاد ضالة، ولم يستثنوا منه فصلا وذلك ان اتيان الواجب ان كان من اعمال الاخرة فما لكل عمل الاخرة بنيت المساجد انما بنيت لمابنيت له احمدو مسلم عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من القذر والبول والخلاء وانما هی لقراٰئة القران و ذكر الله والصلوة[2]" وللبخاری وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انمابنی لذكر الله والصلوة[3] ولاحمد فی الزهد عن ابی ضمرة عن ابی بكر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انمابنیت للذكر[4]۔	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو" تلاش پانے کا مقدمہ ہے اور پانا دینے کا ذریعہ، اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا اور کسی خاص گمشدہ کا استثنا نہیں کیا اس کا رمزیہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے پر سبھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں یہ تو صرف تلاوت قران ذکر الٰہی اور نماز کے لیے ہیں۔" بخاری وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکر الٰہی کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔" امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

[1] القران الکریم ۴/ ۵۸

[2] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالك المكتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱، صحیح مسلم كتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[3] كنز العمال بحواله خ عن ابی هریرہ حدیث ۲۰۷۹۵ مؤسسة الرسالة بیروت ۷/ ۲۶۲

[4] كتاب الزہد (امام احمد بن حنبل) زہد ابی بكر حدیث ۵۸۹ دار الكتاب العربی بیروت ۳/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا القران و ذکر اللہ تعالٰی و مسالۃ عن الخیر او اعطاؤہ[1]۔

مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ، ذکر الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔"

وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ و کیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لا یفعل فیہ قط علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم فیقال فیہ ایضا ان المساجد لم تبن لھذا کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ والحضرۃ لا تبنی لنداء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اخرہ من قبیل المتابعات والشواھد ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف ھیھات لما یقنع المکابر و یقمع الاعتساف

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں اگر مسجد اس کے لیے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا، نہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لیے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے اس ضعیف بندے پر کلام مجید حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا باتیں سب کی سب ظاہر ہیں اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کے لیے کافی ہے

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۵۸

و نسال اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ، والحمدللہ رب العلمین و صلی اللہ تعالٰی و بارك وسلم علی سیدنا محمد والہ و ابنہ وحزبہ اجمعین۔	میں اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت رحمت کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود وسلام ہو۔

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود و عنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لیعلم سادتنا واخوتنا اهل الحق والهدی حفظنا الله تعالٰی وایاهم عن الردی ان الوهابیة العنود ومن تبعهم من طلبة الهنود بذلوا جهدهم لیخرجوا حدیثا صحیحا او نصا فی الفقه صریحا یفید ان السنة فی هذا الاذان کونه فی جوف المسجد متصلا بالمنبر کما تعودوہ ههنا فلم یقدروا وما کان الله لیرفع باطل راسا فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فخمسة اتفقوا علی الاحتجاج

حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو حق و ہدایت والے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیسا کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکے اور اللہ تعالٰی باطل کو سر بلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بھا: (۱) نصوصھم ان ھذا الاذان بین یدی الخطیب۔ (۲) وتعبیر بعضھم فی مسئلة ان ایجاب السعی بالاذان الاول او الثانی ھذا الاذان بالذی عند المنبر۔ (۳) وبعضھم بالذی علی المنبر۔ (۴) وزعموا ان کونه داخل المسجد ملاصق المنبر ھو التوارث فمن احترس لنفسه یجمل و یقول من القدیم والذی تجرأ یقول من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و خلفائه الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ (۵) وزعموا ان علیه التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیه جمیع اھل الاسلام وتفرد بعضھم من بعض بشبھات اخری ذات عجر و بجر والعبد الضعیف بتوفیق الملك اللطیف عزجلاله یرید ان یمر علیھا طرداطرداویبین عوارھافردافردافلنبتدی بالاول ثم نتبعھا الباقی الاذل وماتوفیقی الا باللہ علیه	بحثیں بھی کی ہیں یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اس کارد کردے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔ (۱) اذان جمعہ کے لیے تمام فقہاء نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔ (۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لیے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔ (۳) اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔ (۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلاآیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے اور جو جرات بے جا کرتا وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت والیہ انیب۔

نفحہا : قد بینا بالحدیث و الفقہ ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر و لکن لیس فی الفظۃ بین یدیہ ما یقرّ عینھم ولا ما یمیل الیہ انما مفادھا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد و خارجہ الی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاھدۃ لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا غیر ان الفقہ دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منہ بحیث لا یعد ابلنداء ثمہ نداء الی ھذا المسجد بل فی حدودہ وفنائہ وارشدنا الحدیث فتعین ھذا محلا لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھذا اللفظ۔

فاقول : و باللہ التوفیق ۔اللفظ مرکب و معناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشیئ فی

(۵) ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

نفحہ ا : ہم احادیث وفقہ سے یہ ثابت کرآئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

الفضاء المحصور بین ہذین العضوین من المضاف سواء کان امامہ او خلفہ اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا فانك اذا ارسلت یدیك فلیس بینھما الا جنباك و فخذاك و او ان بسطتھما قبالۃ وجھك او وراء ظھرك فکل ما وقع فی الفضاء المحصور بھما فھو بین یدیك وھو امامك فی الاول وخلفك فی الثانی ولیس امامك ولا خلفلك فی صورۃ الارسال۔	کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے توان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور نہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضااور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضاء "بین دی یہ" ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔
وانت تعلم ان ہذا المعنی لامساغ لہ ھنا بل الامر ان المرکب ربما لایلاحظ الی معانی اجزائہ التفصیلیۃ ویصیر باجمالہ دالا علی معنی اخر لغۃ او عرفا فھو وان کان مجازا لہ بالنظر الی مفصلہ یکون حقیقتا لغویۃ او عرفیۃفیہ باعتبار اجمالہ و ذلك فی لفظنا ہذا معنی الامام والقدام اما مطلقا من دون تخصیص بالقرب او مع لحاظہ وحینئذ یفسر بالحاضر المشاھد لان شرط الرؤیۃ العادیۃ القرب و المقابلۃ فکل مرئی حین ھو مرئی محاذ	لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قریب۔
وھذا منتھی مفاد اللفظ فی نفسه و اختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصیات المقام لانه امر اضافی مشکك متفاوت غایة التفاوت فیلاحظ لکل مقام ما یستدعی وھی دلالة عقلیة من الخارج لا من اللفظ ثم توسع فیه علی الوجھین و استعیر ظرف المکان للزمان فارید به الماضی اما مطلقا او قریب لان جھة المضی جھة الظھور کالامام او المستقبل کذلك لان کل آت قریب وانت منوجه الی القابل فکانه لك مقابل وعلی ھذین الوجھین و رد فی القران العظیم و المحاورات وبھما فسرته ائمة اللغة و التفسیر الاثبات ووجدت اللفظة فی القران الکریم فی ثمان و ثلثین موضعا فی عشرین منھا لادلالة علی القرب وفی واحد جاء علی حقیقة اجزائه الترکیبیة و فی سبعة عشر فید القرب علی تفاوت عظیم فیه من الاتصال الحقیقی الی فصل مسیرة خمسمائة سنة جعلنا ما لادلالة فیه علی القرب فریقا والبواقی فریقا:

بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔
لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے مستعمل ہونے لگا یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے قران عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اسکی تفسیر کی میں تتبع اور تلاش سے قران پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے :

فمن الاول (۱) قول ربنا عزوجل فی سورۃ البقرۃ[1] (۲) فی طٰہٰ[2] (۳) فی الانبیاء[3] (۴) فی الحج" "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ" "[4] (۵) فی مریم "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ" "[5]۔ فعلم الله تعالٰی وملکه لا یمکن اختصاصه بقریب او بعید سواء اخذا الظرف مکانیا او زمانیا او لوحظ معنی عام کما هو الانسب بالمقام الافخم (۶) فی سورۃ البقرۃ "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" [6] (۷) فی آل عمران: "نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" [7]۔ (۸) فی سورۃ الانعام: "وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ"[8]۔

قسم اول: (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورہ طہ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج، ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ" "ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔ (۵) سورہ مریم شریف کی آیت "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ" ۔ اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے ہمارے پس و پیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔ (۶) سورہ بقرۃ میں "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" پاک نے قران عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔
(۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقالما بین یدیہ آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔
(۸) سورہ انعام میں: "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

---
[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵
[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰
[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۸
[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۶
[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴
[6] القرآن الکریم ۲/ ۹۷
[7] القرآن الکریم ۳/ ۳
[8] القرآن الکریم ۶/ ۹۲

(۹) فی یونس: "وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ "[1]۔	(۹) سورہ یونس میں "یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۰) فی یوسف: "مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ "[2]۔	(۱۰) سورہ یوسف میں "یہ بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیئ کی تفصیل ہے"
(۱۱) فی سبأ "وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ "[3]۔	(۱۱) سورہ سبا میں کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گزشتہ ہے"۔
(۱۲) فی الملٰئکة "وَالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ "[4]۔	(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۳) فی حم السجدة "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ "[5]۔	(۱۳) سورہ حم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔"
(۱۴) فی الحقاف "قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ "[6]۔	(۱۴) سورہ احقاف میں سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔" (ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱
[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳۱
[4] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲
[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۰

فالقرآن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبا او بعیدا ولا یخالفہ عـــہ۱ شیئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ عـــہ۲ بشیئ لا یومنون۔

(۱۵)ومن ذلك فی ال عمران عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام "وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[1]

(۱۶)فی المائدۃ "وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[2]

(۱۷)فی الصف "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"[3]

فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی االقرآن العزیز

اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵)آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"

(۱۶)سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسٰی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی"

(۱۷)اور سورہ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا،اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے،"

ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کہ حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی

عـــہ۱:ناظر الی الایۃ الثالثۃ عشر ۱۲منہ علیہ الرحمۃ۔

عـــہ۲:ناظر الی الایۃ الحادیۃ عشر ۱۲منہ۔

عـــہ۱: تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے

عـــہ۲: گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم و ان امکن حملہ ھھنا علی الحضور۔	تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا"[1] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاخرین (بیضاوی[2])	(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)
(۱۹) وفی حم السجدۃ "اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ"[3] عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاخرۃ اھ (نسفی[4]) او من قبلھم ومن بعدھم اذقد بلغتھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[5])	(۱۹) اور حم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہنچی اور ہود اور صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔
(۲۰) فی الاحقاف "اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ"[6] قبل ھود (ومن خلفه) من بعدہ الی اقوامھم (ان لا تعبدو	(۲۰) سورہ احقاف میں حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۶

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[5] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۴۱/ ۱۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰

[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

الا اللہ)(جلال[1])"۔ ومن الثانی(۲۱)فی الاعراف"وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ"[2]۔ (۲۲)وفی الفرقان"وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ"[3] (۲۳)فی النمل"اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ"[4] (فانها تدل علی قرب المطر)۔ (۲۴)فی الاعراف"لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ"[5] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔	قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو(جلالین) قسم ثانی(۲۱)سورہ اعراف میں"اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔" (۲۲)سورہ فرقان میں"اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔" (۲۳)سورہ نمل میں"یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی"(ان آیات میں بین یدیہ قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)۔ (۲۴)اعراف میں"ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں بائیں"اس آیت میں شیطانوں کو وسوسہ کا بیان ہے جس کے لیے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں بے اس سے خدا کی پناہ)

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۴۶/۲۱ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[2] القرآن الکریم ۵۷/۷

[3] القرآن الکریم ۴۸/۲۵

[4] القرآن الکریم ۶۳/۲۷

[5] القرآن الکریم ۱۷/۷

(۲۵) فی الرعد "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ"[1] فان شان الحافظ القرب۔	**(۲۵)** سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں۔" اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔
(۲۶) فی سبا "اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِؕ"[2] یرید سماء الدنیا المرئیة لنا الا قرب الینا۔	**(۲۶)** سورہ سبا میں "تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان وزمین۔" اس آیت سے سماء سے مراد آسمان دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔
(۲۷) فیہا "وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖؕ" (الی قولہ عزوجل) یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍؕ"[3]۔ فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرای منه علی وفق مایشاء۔	**(۲۷)** اس میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں۔" اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔
(۲۸) فیہا "مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۝۴۶"[4] دل علی قرب القیامة۔	**(۲۸)** اسی میں "تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔" اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲و۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

(۲۹)فی یٰسٓ "وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا"[1] ۔ھذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی والعیاذ باللہ تعالٰی۔	(۲۹) سورۃ یٰس میں "ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔" یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لیے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو" (پناہ بخدا)
(۳۰)وفیھا،(وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ من عذاب الدنیا کغیرکم (وَ مَا خَلْفَكُمْ[2])من عذاب الاخرۃ(جلال[3])	(۳۰)اسی میں ہے "جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔" یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب سے بچو۔یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو(جلالین)
(۳۱)فی حم سجدہ(وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ من امر الدنیا و اتباع الشھوات(وَ مَا خَلْفَهُمْ[4]) من امر الاخرۃ)(جلال[5])	(۳۱) حم سجدہ میں "اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے انہوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے "مابین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت(جلالین)
(۳۲)فی الحجرات:"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ"[6] فان المفاد النھی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ وتصویر	(۲۳)سورہ حجرات میں "اے ایمان والو!اللہ ورسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے اور اسکی شناعت

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵

[3] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵

[5] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸

[6] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

شناعۃ ھذا المحسوس وھو تقدم العبد علی مولاہ فی المسیر وانما یستھجن من قرب ما۔	کو محسوس کے ساتھ ممثل کرکے دکھایا گیا اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلنے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔
(۳۳) فی الحدید "یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ"[1] کلمۃ "یسعی" تدل علی ارادۃ ماینورلھم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقۃ۔	**(۳۳)** سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھوگے کہ مومن کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ "یہاں کلمہ **"یسعی"** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لیے روشن کی گئ ہے تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے "اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔
(۳۴) فی المجادلۃ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً"[2]۔	**(۳۴)** سورۂ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"
(۳۵) فیھا "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ"[3] فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولایظھر الا بالقرب۔	**(۳۵)** اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو "ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔
(۳۶) فی الممتحنۃ (وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ[4]) ای بولد ملقوط ینسبہ الی الزوج	**(۳۶)** سورۃ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھو اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو۔" وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

[1] القرآن الکریم ۵۷ /۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸ /۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۸ /۱۳

[4] القرآن الکریم ۶۰ /۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامر اذا وضعته سقط بین یدیہا ورجلیہا اھ(جلال[1])فھذا علی الحقیقۃ الترکیبیۃ۔	عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔"
(۳۷)فی التحریم، "نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ"[2]	(۳۷) سورۃ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔"
(۳۸)فی الجن("عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۙ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ يَسۡلُكُ"[3])یجعل ویسیر (من بین یدیہ)ای الرسول(ومن خلفھم رصدا) ملئکۃ یحفظونہ حتی یبلغہ فی جملۃ الوحی(جلال[4])ھذہ و اضحات۔	(۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالٰی علم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں۔" یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ سب آیات واضح ہیں۔
ومنہا، "فَجَعَلۡنٰهَا نَـكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا"[5] علی الاظہر الاشہر ای الامم التی فی زمانہا و	اسی سے ہے: "ہم نے (اس بستی) کا یہ وقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ مابین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ امتیں

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۶۰ /۱۲ اصح المطابع دہلی ص ۴۵۸

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۸

[3] القرآن الکریم ۷۲ /۲۶و۲۷

[4] تفسیر جلالین تحت الایہ ۷۲ /۲۶و۲۷ اصح المطابع دہلی ص ۴۷۷

[5] القرآن الکریم ۲ /۶۶

بعدھا(جلال[1])اولما بحضرتھا من القری وماتباعد عنھا او لاھل تلك القریۃ وما حوالیھا (بیضاوی[2])وکذا" اِذْجَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ"[3]علی معنی اتوھم من کل جانب وعملوا فیھم کل حیلۃ اھ(مدارك[4])"۔

ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی) ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالٰی کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے اس "آیت کے معنی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)۔

واما تفسیر ائمۃ اللغۃ والتفسیر ففی الصحاح، والقاموس ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعۃ"ای قدامھا[5] وفی الصراح"بین یدی پیش روئے[6]او،وفی التاج"یقال بین یدیك بکل شیئ امامك[7]اھ،وفی معالم التنزیل من الھجرات "معنی بین الیدین الامام والقدام[8]"۔و

ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے: ۱صحاح، ۲قاموس، ۳مختار الصحاح، ۴تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے اور ۵صراح میں آگے جانے والے اور ۶تاج العروس میں ہے کہ بین یدیك ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمھارے آگے ہو۔ ۷معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔اور

---

[1] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲ /۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱

[2] انوار التنزیل(تفسیر بیضاوی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دار الفکر بیروت ۱ /۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱ /۱۴

[4] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دالکتب العربی بیروت ۴ /۹۰

[5] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیا(یدی)احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[6] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸

[7] تاج العروس فضل الیاء من باب الواو والیاء"یدی"احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[8] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیۃ ۴۹/۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۱۸۸

الخازن من آل عمران ما بین یدیه فهو امامه [1] وفی ابی السعود و الفتوحات الالٰهیته من یونس علیه الصلوٰة والسلام "بین یدیه ای امامه [2] وفی الجلال من الرعد بین یدیه قدامه [3] وفیه من مریم مابین ایدینا ای امامنا [4] وفیه وفی غیره من البقرة وغیرها مصدقا لما بین یدیه قبله من الکتب [5] ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریم السادسة والعشرین" مابین یدی الانسان هو کل شیئ یقع نظره علیه من غیر ان یهول وجهه الیه [6] وفی الکرخی ثم الفتوحات الالهیة ایضا تحتها من المعلوم ان مابین یدی الانسان هو کل ما یقع نظره علیه من غیر ان یحول وجهه الیه [7] وفی تکملة مجمع البهار فعلته بین یدیك ای بحضرتك [8]"۔	^۸^ خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ ^۹^ تفسیر ابو سعود اور فتوحات الٰہیہ میں سورۃ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے" اور ^۱۰^ جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"۔اسی ^۱۱^ میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی کے ہمارے آگے۔اسی ^۱۲^ میں اور ^۱۳^ دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقالما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے، ^۱۴^ انموذج جلیل میں ۲۷ویں آیت کے تحت ہے: مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔ ^۱۵^ کرخی اور ^۱۶^ فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے: انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ ^۱۷^ تکملہ مجمع البحار میں ہے: فعلته بین یدیك کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔

[1] لباب التاویل(تفسیر الخازن)تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۲۴

[2] الفتوحات الالهیة(تفسیر الجمل)تحت الآیہ ۱۰/ ۳۷ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۷۳

[3] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۳/ ۱۱ اصح المطابع دہلی ص ۲۰۱

[4] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۹/ ۶۴ اصح المطابع دہلی ص ۲۵۸

[5] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲/ ۹۷ اصح المطابع دہلی ص ۱۵

[6] الانموذج الجلیل

[7] الفتوحات الالهیه(تفسیر للجمل)تحت الایۃ ۳۴/ ۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۳/ ۴۶۱

[8] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/ ۳۱۷

وفی عنایۃ القاضی من ایۃ الکرسی اطلاق ما بین اید یھم علی امور الدنیا الانھا حاضرۃ والحاضر یعبر عنہ بذلک۔ وامور الاخرۃ مستترۃ کما یستتر عنك ما خلفك [1] وفی الجمل منھا ما بین اید یھم ای ما ھو حاضر مشاھدلھم [2] وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ [3] الخ" یاتی تمامہ۔	اور [۱۸] عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمھارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز تمھارے پیچھے ہو۔ اور جمل [۱۹] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں [۲۰] خطیب شربینی اور [۲۱] جمل میں بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی "ان دونوں کے حضور کئے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے، اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)
فاستبان لك بالقرآن العظیم والحدیث و نصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لا دلالۃ اصلا لقول الفقھاء یوذن بین یدی الخطیب علی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔	تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔
فاولًا: لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین	**اولًا:** لفظ بین یدیہ افادہ قرب میں متعین نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸۰

[2] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ المصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۲۰۷

[3] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ المصطفی البابی حلبی مصر ۴/ ۱۷۴، السراج المنیر (الشربنی) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

آیۃ تلونا اولا و مما ذکرنا من کتب اللغۃ والتفسیر سابقا فانما غرضھم افادہ ان السنۃ فی ھذا الاذان مضاذاۃ الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر)ای فی حذائہ [1]اھ فھذا ھو المقصود بالافادۃ ھھنا اما ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنہ بل فی حدودہ وفنائہ فمسألۃ اخری معلومۃ فی محلھا وبھا تتعین محل ھذا المحاذاۃ کما قدمنا۔

آیتوں سے ظاہر ہوا اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے جیسا کہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جوف مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود و اطراف میں ہو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔

وثانیًا:سلمنا القرب فھو امر اضافی وقرب کل شیئ بحسبہ الاتری۔

ثانیا:اور اگر بین یدیہ کے معنی قریب تسلیم بھی کرلیے جائیں تو قرب اسی کے حساب سے ہوگا

(۱)الی الایۃ الحادیۃ والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تھب الریاح فینزل بل کما قال عزوجل " حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ " [2]۔

(۱) دیکھو اکیسویں[۲۱] آیت میں بین یدیہ کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے: "ہوانے بادل کو اٹھا لیا تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا تو اس سے بارش ہوئی۔

(۲)فی السادسۃ والعشرین

(۲) ۲۲ویں آیت میں آسمان کو

---

[1] نافع شرح القدوری

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

| جعل السماء بین اید ینا و بیننا و بینها مسیرة خمسمائة سنة و هذا تر جما ن القرآن علا مة الکتا ب من افصح العرب واعلمها با للسا ن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما یقول فی تفسیر آیة الکرسی یعلم ما بین ایدیهم یرید من السماء الی الارض وما خلفهم یرید فی السموات(رواه الطبرانی[1] فی کتاب السنة) | ہمارے قریب (بین ید یہ) بتایا اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے حضرت ترجمان القرآن علامۃ الکتاب افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیۃ الکرسی کے یعلم ما بین ایدیھم کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے اور ما خلفھم کے معنی آسمان متعین فرمائے طبرانی نے سے کتاب السنہ میں روایت کیا |
| (۳)وفی السا بعة والعشر ین ذکر عمل الجن بین ید ی سید نا سلیمن وهو لا ء الجن هم الشیا طین کما قال تعالیٰ "وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ"[2] "وما کا ن لهم ان ید خلو الحضر ة السلیما نیة لیعملو اثمه محا ریب و ما ثیل و جفا نا کالجو اب وقد ورٍ رّسیٰت تکفی واحد ه منها الف رجل۔ وروی ابن ابی حتم فی تفسیر ہ عن سیدنا سعید بن جبیر قا ل کا ن یو ضع لسلیما ن علیه السلا م علیه الصلو ة و السلا م ثلثما ئة الف کر سی فیجلس مو منو الانس مما یلیه و مو منو الجن من ورائهم[3] اه | (۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین ید یہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عرض لگن بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں بنا ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے تو شیطان تو ان |

[1] الدر المنثور بحواله الطبرانی فی السنة تحت الایة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الایة ۲۷/ ۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکه المکرمه ۹/ ۲۸۵۵

فماکانت الشیاطین الاوراء کل ذلك (۴)وفی الثامنة والعشرین ارشد الی ان بعثة نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقرب القیامة کما قال صلی اللہ تعالٰی وعلیہ وسلم بعثت انا والساعة کھاتین(رواہ احمد والشیخان[1] عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما)وقد امھل اللہ الامة المرحومة الی وقتنا ھذا الفاو ثلثمائة وخمسا اربعین سنة وسنزید والحمد للہ الحمید ولم ینافِ ذلك الایة ولا قولہ صلی اللہ تعالٰی وسلم بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد اللہ تعالٰی وحدہ لا شریك لہ(رواہ احمد[2] وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ وعلقہ البخاری)۔ (۵)الانجیل بین یدی القرآن و بینھما فی النزول اکثر من ستمائة	سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔ (۴)اٹھائیویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم نے بھی ارشاد فرمایا میں اور قیامت ان دوانگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے(احمد و شیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے اس کو روایت کیا)اور اللہ تو اللہ تعالٰی نے آج ۱۳۴۵ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں(احمد وابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔ (۵)انجیل "بین یدی القرآن" ہے اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سوسال

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۶۳، صحیح مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۴۰۶، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك ۳ /۱۲۴، ۱۳۰، ۱۹۳، ۱۳۱، ۷ /۲۳ و ۲۷۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۵۰ و ۹۲

سنة، والتوراة بين يدى الانجيل وبين عيسى وموسى على ما فى الجمل الف وتسعمائة وخمس وسبعون سنة وكذا هى بين يدى والفرقان وبين نزوليهما نحو من ثلثة الاف سنة۔	سے زائد کا فاصلہ ہے ۱۳اور توریت انجیل کے ما بین یدیہ ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچھتّر ۱۹۷۵سال کا فاصلہ ہے۔اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی بین یدیہ ہے تو توریت وقرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا"۔
(۶)لا یرتاب احد ان المواجه المغرب حين تدلت الشمس للغروب ان يقول ان الشمس بين يدى وبالفارسية"آفتاب پیش روئے من است"او بالهندية"سورج میرے منہ کے سامنے ہے"مع ان بينهما مسيرة ثلثة الاف سنة وكذا يقول للثريا اذا واجهها وبينهما مسيرة ثمانية الاف سنة۔	(۶) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے والا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بين يدى"،اور فارسی میں کہتا ہے: "آفتاب پیش روئے است"،اور"ہندی میں کہتا ہے۔""سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔"حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔
(۷)فى الكريمة التاسعة والعشرين اريد الاتصال الحقيقى لان العمى لا يحصل الا بذاك فظهر ان القلب المدلول بلفظ بين يديه له عرض عريض منبسط من الاتصال الحقيقى الى مسيرة ثمانية الاف سنة۔انما اصله الحاضر المشهود والاختلاف لاختلاف المحل والمقصود فمثلا	(۷)انتیسویں آیت میں لفظ"بین یدیہ"سے مراد اتصال حقیقی ہے اس لیے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہوکر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کی اصل حاضر ومشہود کے لیے ہے اور محل ومقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱)الثریا تری من مسیرة کذا(۲)الشمس من کذا (۳) السمائة من میسرة خمسمائة سنة فکان هی القرب فیها(۴)وفی العملة من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا(۵)المصلی مامور بقصر بظره علی موضع سجوده فهذا هو موضع شهوده فلن یکن المرور بین یدیه الا اذا مر بحیث لو صلی صلوة الخاشعین یقع علیه نظره وهو المراد بموضع سجوده کما افاده المحققون(۶)فی قولك جلست بین یدیه یحتاج الی قرب اکثر ممایفید مجرد الابصار فانه یکون للمکالمة والسمع اقصر مدی من البصر والیه اشاروا فی الکشاف و المدارك والشر بینی وغیرها بقولهم" حقیقة قولهم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجهتین المسامتتین لیمینه وشمالی قریب منه فسمیت الجهتان یدین لکونهما علی سمت الیدین مع القرب منهما توسعا کمایسمی الشیئ باسم غیره اذا

(۱) ثریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہوسکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے اور مصلی کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لیے ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا دائرہ بصرہ کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے چنانچہ کشاف، مدارک اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان" کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں ابھیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں اور یہ مجازا ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاورہ[1] ھ وھذا ھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود قلت: **تنبیہ:** وفی قولھم اولا حقیقۃ وقولھم واخرا توسعا اشارۃ الی ماقدمت من انہ مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔ (۷) یرید رجل قراءۃ القرآن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب محیث یمکنہ القراءۃ منہ ویختلف باختلاف نظرہ حدیدا اوکلیلا واختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلا۔ وھذا ماقالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وھو لایحمل ولایقلب انما یقرأ منہ بالنظر فیہ لاتفسد فی الصلٰوۃ عندھما، وعندہ تفسد کما فی الھندیۃ[2] وغیرھا۔	دے دیا جاتا ہے اھ" (خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔) **تنبیہ:** اس عبارت مین اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔ ایک شخص قران کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود بے وضو ہے تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قران عظیم لے کر بیٹھ جاؤ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔ اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اس دیکھتا ہے اور قرات کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہوجائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

[1] تفسیر الکشاف تحت الایۃ ۴۹/۱ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۰-۳۴۹، مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۹/۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، السراج المنیر (تفسیر الشربینی) تحت الایۃ ۴۹/۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۱

(۸) تضع شیئا بین یدی أحد لاکله فهذا علی ما تصل یدہ الیه کحدیث البخاری عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما۔ جئت بقلیل رطب فوضعته بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاکل [1]۔	تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لیے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہو گا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لایا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔"
(۹) مقابلان علی صحفة یاکلان منها فیأخذ احد منهما شیئا منها ویضع بین یدی صاحبه فهذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحبه کحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2]۔	(۹) دو شخص آمنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھا رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شے لے کر اپنے ساتھی کے قریب جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔
(۱۰) "جَعَلْنَامِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا" [3] علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔	(۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تو نے جانا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الاطعمہ باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۸

[2] صحیح البخاری کتاب الاطعمہ باب الثرید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

وبالجملة کل ھذہ الاختلافات انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولادلالة علی شیئ منھا للفظ بین یدیه واذا کان الامر علی ماوصفنا بطل الاستدلال به علی الاتصال او القرب الاخص حتی یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلاعن کونه لصیق المنبر وھم المستدلون فلیأتوا ببرھان ان کانوا صادقین وانی لھم ذلك واذ قد عجزوا ولله الحمد فیسالونا ان نتبرع ونفید ھم ان القدر المدلول ھو ان یکون ظاھرا مشاھدا لایحتاج معه فی رؤیته الی تحویل الوجه کما قدمنا التنصیص به عن الائمة ھذا ھو القدر المشترك والزیادة تستفاد من خصوص المقام کما علمت وھی ھھنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائه فتم الامر وحصل النصر فظھر امر الله وھم کارھون	خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انہیں ہی علیحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہیے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین دیدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعاً انہیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و مساہد جسے دیکھنے کے لیے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہوگیا اللہ تعالٰی کا

والحمدلله رب العلمین۔

ثالثا: نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم الحکم العدل وما کان عهده فهو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان هذا الاذان کان یکون بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی باب المسجد فعلم ان هذا القدر من القرب هو المراد ههنا فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنة المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومن نقص منه فجعل هذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثة فقد ظلم ومن جعله داخل المسجد بالمعینین الاخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فهو الذی بالحق حکم وحکم الله ورسوله اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

نفحه ۲: ظهر مما زهر ولله الحمد سفاهة من تشبث ههنا یقول الراغب فی مفرداته یقول: یقال

فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔

ثالثًا: یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم العدل ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کر دیا تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کر دیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا، اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم واللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ ۲: الحمدللہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

هذا الشیئ بین یدیك ای قریبا منك[1] اھ وبکلام الکشاف والمدارك: حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان[2] الخ

فاولا: لاننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیه القرب ولکن قد علمت ان للقرب عرضا بعیدا۔

وثانیا: لم یدر ان الزیادة فی جلست بین یدیه مستفاد من خصوص الجلوس کما بینا وله ایضا عرض عریض فالوزیر الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس، کلاھما یقول جلست بین یدی الملك ولکن شتان ما قرب الوزیر وقرب من فی صف النعال اولعله لم یجلس الاعلی عتبة الباب فینقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب کونه بین یدی من فی صدر

اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھاتے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ"۔

اولًا: ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے۔

ثانیًا: انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، تفسیر الکشاف تحت الآیة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۳۴۹/۴

المجلس والمحراب۔ **ثالثًا:** حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء ایھا لراغب الی قول الراغب ھل تظنه مخالفا للنصوص التی قدمنا عن ائمه اللغة وجھا بذة التفسیر ام لا؟ فعلی الاول ما الذی راغبك عنھم الی من شذوھم الجم الغفیر وعلی الثانی الم یکفك ماللحاضر المشاھد من القرب فان الرؤیة العادیة مشروط لھا لقرب ام زعمت ان القرب حد معین لا تشکیك فیه فاذن لا یحاورك ال مثلك سفیه وھذا ربنا تبارك و تعالٰی قائلا وقوله الحق "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝" [1] بل قال عزوجل "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝" [2] والحساب بعد قیام الساعة بنصف الیوم ،والیوم کان مقدارہ خمسین الف سنة۔	والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔ **ثالثًا:** راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنٰی بتائے وہ ان آئمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی، اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں، حالانکہ رویئت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے، یا تم قرب کے ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالٰی اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا"۔ بلکہ اسی قدوس و پروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آپہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔" حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا، اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

ورابعًا: ذکر الامام القدوری فی الکتاب الحرز علی ضربین منهما حرزبا لحافظ[1] فقال فی الجوهرة النیرة "هذا اذکان الحافظ قریبا منه بحیث لا یراه فلیس بحافظ[2]." اه "فانظر جعل مایری قریبا ومانای بحیث لایری بعیدا فهذا هو معنی القرب فی کلام الراغب موفق لمانص علیه الائمة الاطائب۔

خامسًا: یقول لك الراغب اراغب انت عن بقیة کلامی یا غفول فان کلامه هکذا "یقال هذا الشیئ قریب منك وعلی هذا قوله: له مابین ایدینا ومصدقالما بین یدی من التوراة الخ وقوله قال الذین کفروالن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذی بین یدیه ای متقدما له

رابعًا: اما مقدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہین (ا) نگران کے ذریعہ حفاظت جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے اور اگر اتنا دور ہو یا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئ تو یہ حفاظت نہیں ہے امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب وبعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر ومشاہد ہونا چاہیے جیساکہ دیگر ائمہ لغت وتفسیر کی تحقیق ہے۔

خامسًا: اس متدل سے خود امام راغب کو شکایت ہو گی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے: "محاروہ ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالٰی کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی زبانی سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لیے ہے (اور قرآن کے لیے خود فرمایا) اپنے سے آگے عالے کتاب توراۃ

[1] المختصر للقدوری کتاب السرقة مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۰

[2] الجوهرة النیرة کتاب السرقة مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۶۱

من الانجیل ونحوہ[1] اھ (باختصار)" فانظر علی ما حمل القرب وقد جعل مفرعا الیہ "لہ ما بین ایدینا" اتراہ یقول ان مراد لاملئکۃ تخصیص ملك اللہ تعالٰی بما یلیھم۔ **وسادسًا:** فرع علیہ " مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ "[2] وبینھما الفاسنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر و حرف المسجد و ربما لا یبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔ **وسابعًا:** ثم قال الراغب انزل علیہ الذکر من بیننا ای من جملتنا وقولہ لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ ای	کی تائید کرتا ہے اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر" اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتا کر اس کا مصداق لہ مابین ایدینا کو قرار دیا، تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنی متصل اشیاء مراد لی، کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟ **سادسًا:** اسی معنی قریب کی فرع مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دوہزار سال کا فاصلہ ہے تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ **سابعًا:** اگر امام راغب کے قول " قولہ وقال الذی کفروا کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

متقدماله من الانجیل ونحوه[1] انتهى فهذا تفسير اخر لبين يديه "تقييد بالقرب فقد افاد كلا الوجهين واقتصرت على الاول بالشين والمين۔" **وثامنًا:** سلمنا لك ان مراد الراغب ما تريد ولكن هذا صاحب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم السائب بن يزيد العربي صاحب اللسان يقول كان يؤذن بين يديه رسول الله صلى الله تعالٰى وسلم على باب المسجد[2] هو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة احديث في جبهة حجاجكم كية لاتمحى فلله الحمد۔ **تاسعًا:** اعترف هذا المستدل بان بين يديه في بعض المواضع بحسب المقام تكون خاليًا تكون خاليا عن	قرار دیا جائے تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنٰی کا بیان ہوتا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے، معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟" **ثامنًا:** چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے مگر اس کو کیا کیجئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔ **تاسعًا:** مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے اور صرف سامنے اور

[1] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

معنی القرب دالا علی مجرد المحاذاۃ قال کما صار واقعا فی بعض الایات القرینیۃ ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلۃ الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القرآن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب یامسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعک عدم التصریح انہ انما کان علیک ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بمسالک الاحتجاج یاتی بالعجائب۔	مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیات قرانی میں بھی واقع ہوا ہے مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لیے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قران عظیم میں ایسا وارد ہے اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہوگیا کہ "اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے سبحان اللہ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ثم قولہ لما لا یریدہ ولا یرضاہ کما صار واقعا فی بعض اٰیات القرآن ایضا یلمح الی شیئ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال	اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیسا کہ قران کی بعض آیات میں واقع ہوا یہ بتانے کے لیے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہو اوخطاءً

لما وقع سھوا او خطاءً علی خلاف الجادۃ نسال اللہ العفو والعافیۃ۔	واقع ہوا کیا قرانی آیات کے لیے یہ اسلوب بیان صحیح ہے اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں
عاشرًا: اذ قد ثبت فی القران العظیم فلم انت راغب عنہ الی قول الراغب وتزعم ان المفاد ھو الذی قالہ لا ما وقع فی القرآن الکریم فان زعمت ان ما انت فیہ لیس محلہ کان علیك ابداء ما ھو محلہ وانہ فی القرآن لا ھھنا واثبات کل ذلك بالبینۃ والا فلم تقر بانہ فی القرآن المجید ثم انت عنہ تحید ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العزیز الحمید۔	**عاشرًا**: جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لیے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کے راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لیے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔
نفحہ ۳: نص ائمتنا فی الاصول ان "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصولہ والامام صدر الشریعۃ فی التنقیح والتوضیح، واقرہ العلامۃ سعد التفتازانی فی التلویح (عند للحضرۃ[1]) وفی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحہ التقریر لتلمیذہ المحقق الحلبی (عند للحضرۃ) الحسیۃ	**نفحہ ۳**: ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لیے ہے چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ "عند حضور کے لیے ہے" محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لیے ہے جیسے آیۃ کریمہ فلمارأہ مستقرا عندہ،

[1] اصول البزدوی باب حروف البحر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب[1] اھ وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولی خسرو فی مراۃ الاصول وشرحۃ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقۃ او الحکمیۃ اھ.[2]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البھاری وشرحہ فواتح الرحموت للملک العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان[3] اھ۔ ومعلوم ان کلا حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فما دعند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلا عن ان یزید ضیقا علیہ وقد فرقوا بین لدی	اور حضور معنوی کے لیے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں مولا خسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لیے آتا ہے مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لیے ہے جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے)۔ اور معنوی کے لیے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش اور نہ عند کے لیے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

[1] التقریر و التحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دار الفکر بیروت ۲ /۱۰۱

[2] مرقاۃ الاصول شرح مرآۃ الاصول، فصول البدائع فی اصول الشرائع

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱ /۲۵

وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔ قال الرضی فی شرح الکافیة عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما هو فی حرزك ان کان بعیداً بخلاف لدی فانه لا یستعمل فی البعید[1] اھ، والقرب کما علمت ذو وسع بعید و لنو ضح ھھنا ایضا بآیات الکلام الحمید۔	عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب و بعید دونوں کے لیے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں:
(ا) قال اللہ عزوجل: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ"[2] (الآیة)۔ "ومرت فی النفحة الاولی القرآنیه امر کل من فی مشهده صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فسواء فیه من لدیه ومن علی الباب کلهم عند رسول اللہ بلا ارتیاب	(ا) اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔" نفحہ اولی قرآنیہ میں واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لیے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے سب کے لیے یہی حکم ہے محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے سبھی

[1] الرضی فی شرح الکافیہ "الظروف" لدی ولدن وقحط عوض دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۴۹ /۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح و یصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولو کان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔

(۲) قال جل وعلا: "ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ[1]۔"

وھذا وسع من ذاک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الان فی حضرتہ۔

کے لیے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو یا صرف اس کے لیے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے: "یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرچ نہ کرو تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔"

یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاتو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۷

(۳)قال تبارك وتعالٰی: "یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ"[1]۔ هذا فی المنافقین وما کانو یلونه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المجلس انما کان ذلك لابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما ثم لا یختص بمن کان اقرب منهم بالنسبة الی الاخر یشمل هو جمیعا۔ (۴)قال المولی سبحانه وتعالٰی "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۙ﴿۵۴﴾ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۠﴿۵۵﴾ "[2]۔ عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء و العلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابة والصحابة من الانبیاء	(۳) اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشاد گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں): "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے۔" یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے قریب کی جگہ تو ابو بکر و عمر، عثمان و علی و دیگر مخلصین صحابہ کے لیے تھی منافقین تو ادھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔ "بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوں گے۔" یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت اولیاء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۱
[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۴، ۵۵

والانبیاء من سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرق لایقدر ولایقدر بشر ان یتصور اعظم بالوف الآف مرات مابین الفلك الاعلی وماتحت الثری وقد شملت کلھم عند۔	کسی ولی کادرجہ اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثری سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔
(۵)مثلہ قولہ عزوجل" اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۳۴ "[1]	(۵) اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے "بے شک متقین کے لیے رب کے پاس جنت نعیم فرمایا ہے۔"
(۶)فی اٰیۃ اخری وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی " اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ "۔[2]	(۶) دوسری آیت میں اللہ تبارو تعالٰی نے فرمایا: "اس نے دعا مانگی یا اللہ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔"
ومعلوم ان اللہ تعالٰی قداتجاب لھا وقد فرج لھا ففی الدنیا ون بیتھا کما فی حدیث سلمان [3] وحدیث ابی ہریرہ بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنہما وماکانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیھم وعلیھا الصلوۃ والسلام ،بل قربا یلیق بھا وان لم یساوی مالخدیجۃ وفاطمۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھن	(مذکورہ بالا آیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی تو کیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ وفاطمہ وعائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو چہ جائیکہ

[1] القرآن الکریم ۶۸ /۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۱۱

[3] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت الایۃ ۲۲ /۱۱دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۸ /۱۹۲، الدر المنثور تحت الایۃ ۲۲ /۱۱دار احیاء التراث العربی بیروت ۸ /۲۱۳

فضلا عن الانبیاء الکرام علیہم الصلوۃ السلام۔ (۷) وقال عزوجلا فی الشھداء "بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ"[1] این رجل من احاد الشھداء من سیدھم حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بل من نبی اللہ یحیی وغیرہ ممن استشھد من الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔ (۸) قال جل ذکرہ فی الملئکۃ "فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ"[2] تفاوتھم فیما بینھم معلوم غیر مفھوم "وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۱۶۴﴾"[3] (۹) قال عز من قائل "وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ"[4] وماکان لمکر الکفار ان یکون	انبیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔ (۷) اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا "شہداء اللہ تعالٰی پاس زندہ ہیں۔" تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔ (۸) اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں ان فرشتوں میں باہم درفت کا کتنا تفاوت ہے ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقینا معلوم ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے۔" (۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کافروں نے خدا سے مکر کیا ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔" کافروں کے مکر کے لیے اللہ تعالٰی سے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹
[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸
[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۶۴
[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

له قرب من العزيز الجبار لا مكانا لاستحالته ولا مكانة لاستهانته وانما هو للحضور اى حاضر بين يديه لايخفى عليه فيرجع الى معنى العلم۔	کوئی قرب نہیں نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے لامحالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں تو حضور علمی ہوا۔
(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۠ (۳۳)" [1] يعنى البدن قال فى المعالم اى عند البيت العتيق يريد ارض الحرام كلها قال فلا يقربوا المسجد الحرام كله [2] .اھ جعل جميع اجزاء الحرم اذ كلها منحر عند البيت ومعلوم ان كثيرا منها على فصل فراسخ من البيت الكريم۔	(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔
(۱۱) ترى التابعين يقولون فى احاديثهم كنا عند عائشة رضى الله تعالٰى عنها فلا ادرى على اى قرب يحمله المطلون۔	(۱۱) احادیث کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تھے پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔
(۱۲) يقول الحاجب جئت من عند الملك وما كان الا على	(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں حالانکہ وہ دروازہ سے

[1] القرآن الکریم ۲۲ /۳۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲۲ /۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۴۲

الباب۔	آگے بڑھ نہیں سکتا۔
(۱۳)یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینھا اکثر من مائتی ذراع۔	(۱۳)مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونو فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا۔
(۱۴)یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کوامل وان لم یکن قیامہ الا فی مسجدہ وجلوسہ الا فی اخریات مجلسہ۔	(۱۴)شاگرد استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔
(۱۵)اتوخذ لفظۃ عند من کلام بعض الفقھاء ولایوخذ ما ابانوا من معنی عند قال فی الکتاب الھدایۃ والکنز والتنویر وغیرھا واللفظ للکنز من سرق من المسجد متاعا وبہ عندہ قطع[1] فقال علیہ فی شروحھا المجتبی وفتح القدیر وبحرالرائق والدرالمختار وغیرھا والنظم للدر: "عندہ ای بحیث یراہ"[2]۔	(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے فقہار کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کی جائے ہدایہ، کنز، تنویر وغیرھا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ان کی شرح مجتبی، فتح القدیر، بحرالرائق اور در مختار میں فرمایا الفاظ در مختار کے ہیں"سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

[1] کنز الدقائق کتاب السرقۃ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷۹

[2] الدرالمختار کتاب السرقۃ فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳۴

فظهر ان معنی عند لا یشید علی ما بینا من مفاد بین یدیه ولا دلا لة لشیئ منهما ان لا ا ذا ن دا خل المسجد فضلا عن کو نه لصیق المنبر ولکن اذا رسخ فی القلب و هم فکلما یسمع یتو همه بمعنا ه کما قیل لسغبان واحد مع واحد کم یصیر قال خبزان۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی وہمی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو ہی چیز اس کے خیال میں جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے دو۲ روٹی۔

نفحه۴: استبا ن مما با ن و لله الحمد جها لة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة یستعمل فی المکان وتارة فی الاعتقاد نحو ان یقال عندی کذا وتارة فی الزلفی والمنزلة [1] وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب [2]"

نفحہ ۴: الحمد للہ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لیے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کے لیے ہوتا ہے یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں عند قرب بیان کرنے کے لیے ہے۔"

وبان ترجمته بالفارسیة نزدو بالهندیة

عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[2] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالة باب الکفالة بالنفس دار الکتب العلمیه بیروت ۱۹ /۲۲۴

پاس وقد افدناك من موارد القرب ما یغنی عن اعادته و جمیع الایات التی تلونا انما ترجم اعنع فیها باللسانین بلفظة"نزد پاس"مع ما فیها من العرض العریض کما بینا۔	میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لیے آیات کے اعادہ کی ضرورت اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔
وکذلك فی "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ"[1] "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ"[2] وغیر ذلك مما لا یخفی علی الصبیان، وقد سئلنا هم مرارا عن مسئلة فقهیة فلم یجب احد منهم الی الان وکیف یجیبوا وما لهم به ید ان واذا بزغ الحق کلا اللسان۔	جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور آیت اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور وہ کیسے جواب دیتے وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔
صورتها زید صنع منبرا تبلغ قیمته دینارا اعشرة دراهم او اکثر وهو خفیف بحیث یذهب به رجل واحد لا ینوء ابه ولا یؤدة شیئ من	صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھالے جائے اذان منبر

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

حمله واذهابه فاذا اناء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیره من مابب لکه ثم اذافرغ یرده الیه و ذات یوم قضیت الصلوة اونتشروا فی الارض والمنبر بعد فی مکانه و مالکه قام بحذائه علی باب اخر مسترقا و حانت التفاتة من زید فاخذ المنبر و اشرد فحل یقطع هذا الواهابی السارق شرعا ام لا فان قالو الا فقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا من سرق من المسجد متاعا وربه عنده بحیث یراه قطع[1] وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عنده لیکون محرزا بالحافظ اذا المسجد لیس بمحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدوده او فنائه حذاء	کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے بعد نماز لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا اس اثنا میں ایک وھابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا جیسے ہی مہلت پائی مبنرع لے کر نکل بھاگا سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرا یا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے کیونکہ مسجد حود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسجد کے دروازے

[1] بحر الرائق کتاب السرقه فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۵۹، الدر المختار کتاب السرقه فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فبثت ان الاذان عند المنبر و ذلك ما اردناه ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مبارکا فيه كما يحبه ويرضاه۔

نفحه ۵:لئن ننزلنا الی مثل مدارکهم فلا شك ان عند ظرف زمان ومکان قال تعالٰی:

"خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"[1] ای ثيابكم وقت كل صلوة والوقت يضاف الی الامكنة والاجسام ايضا اذا كان له اختصاص بها قال تعالٰی:

"یَوْمَ حُنَیْنٍۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"[2] انما حنين اسم مكان وكذا يوم بدر يوم احد يوم الدار ليلة عقبة ليلة المعراج ليلة الغار فی الصحيحين: "من لها يوم السبع"[3] سبع بسكون الباء مكان المحشر

کے پاس اس کے فناء میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے یہ تو ہمارا دعوی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہوا اور جسے پسند کرے۔

نفحہ ۵:اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرف زمان اور مکان دونوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو ارشاد الٰہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے" حنین ایک جگہ کا نام ہے یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لها يوم السبع" سبع کا لفظ با کے سکون کے سات بھی مروی ہے

[1] القرآن الکریم ۷ /۳۱
[2] القرآن الکریم ۹ /۲۵
[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۹۴

او بضمتها الحيون المفترس و عليه الاكثر و لا شك ان لهذا الوقت اختصاصا بالمنبر وقته وحينه۔

نفحه۶: احتجوا بقول بعضهم على المنبر فمن هؤلاء من يفسره بعند وقد علمت ان ليس فی عند ما يقرأ اعينهم واجهلهم يقول "على" ههنا بمعنى الباء يريد ان الباء اللالصاق فكان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء ليس قطعا بمعنى الاتصال الحقيقی تقول مررت بزيد اذا امررت بحيث تراه و ان كان بينكما اكثر مما بين المنبر و الباب قال تعالٰى: "وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝۱۰۵" [1] ههنا لفظة على نفسها وانت لا يبلغ الاسباب اسباب

تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہوگا اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنی اذان وقت منبر ہو کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔

نفحہ ۶: اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لے آتا ہے تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا باء کے معنی میں ہوا خود محل نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں عربی کے اس قول مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دوازہ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا اللہ تبارک و تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۱۲/۱۰۵

السموات حتی تلتصق بآیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتی بعلی تاکیدا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔

فاولًا: قد اجمع العقلاء ان اللفظ متی احتمل الحقیقة لامجاز عنها الی المجاز ومعلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذلك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری:"اما علی فللزام باعتبار اصل الوضع[1]۔اھ"

ارشاد فرماتا ہے: "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لیے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان کی وزمین کی دوری تھی اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہا کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لیے ہے مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

اولًا: تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ آول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں: "علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔"

[1] کشف الاسرار عن اصول البزادوی بحث حروف البحر کلمة علی دار الکتاب الالعربی بیروت ۲ /۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الھمام وتقریر الامام ابن امیر الحاج:"وھو ای اللزوم ھو بمعنی الحقیقی[1] اھ وفی الرضی الکافیۃ منہ سر علی اسم اللہ تعالٰی ای ملتزما[2]"	تحریم امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے: "لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں"۔اور رضی شرح کافیہ میں ہے اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اس کو لازم پکڑو۔"
قال ربنا عزوجل "فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ٘" [3] ای ملازمۃ للحیاء۔	قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ارشاد الٰہی ہے: "ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی" یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھی۔
ولا شك ان ھذا الاذان اینما کان لازم ملازم للمنبر فانی توفکون۔	اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کو کدھر پلٹ رہے ہیں۔
ثانیًا: الیست "علی" للمصاحبۃ قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان علی حرف جر لھا معان (الی ان قال) ثانیھا للمصاحبۃ کمع نحو "واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ، وان ربك لذو مغفرۃ الناس علی ظلمھم[4]"	**ثانیًا:** علی مصاحبت کے لیے ہے امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں "علی" حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)"

[1] التقریر والتجیر مسئلۃ علی الاستعلاء حسا دار الفکر بیروت ۲/۷۶

[2] الرضی فی شرح الکافیۃ حروف الجر حرف "علی" دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۴۲

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۵

[4] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۹۸

وفی الحدیث"زکاۃ الفطر علی کل حر و عبد [1]"قال فی النھایۃ"قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرۃ و انما تجب علی سیدہ [2].اھ"وفی القاموس: "والمصاحبۃ کمع""واتی المال علی حبہ[3]"وفی الفتوحات الالھیۃ تحت قولہ تعالٰی "تمشی علی استحیاء "علی بمعنی مع ای مع استحیاء [4]"ولا شك ان ھذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذا انتم المستدلون۔ **ثالثًا:**قال ربنا عزوجل:"وَ	اور حدیث شریف میں ہے زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے"نہایہ میں فرمایا علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہو تو مالک پر ہے(تو مطلب یہ ہو کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے) قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے: "مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کے لیے آتا ہے جیسے اتی المال علی حبہ "اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا: علی مع کے معنی میں ہے یعنی شرماتے ہوئے اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں آپ کے مراد لیے ہوئے معانی مجازی ہوئے اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا اور احتمال استدلال کے لیے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ **ثالثًا:** اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور

[1] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۸۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲ /۲۷۷

[2] النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبہ اسلامیہ ۳ /۲۹۶

[3] القاموس المحیط فصل العین باب الواؤ والیاء مصطفی البابی مصر ۴ /۳۶۸

[4] الفتوحات الالیھۃ الشھیر بالجمل تحت الایۃ ۲۸ /۲۵ مصطفی البابی مصر ۳ /۳۴۴

اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ [1]" قال فی الاتقان والفتوحات الالهیة(ای فی زمن ملکه[2])، و فی مدارك الامام النسفی:"ای علی عهد ملکه وفی زمانه[3]"اھ۔ ولا شك ان هذاالاذان علی عهدالمنبر وفی زمانه، فرجعت الی معنی عندالزمانیة۔	انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں مدارک امام نسفی میں ہے یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہوگیا۔
رابعًا: اصل الکلام انهم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل هل هو الاذان الاول کما هو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه ام اذان الخطبة لانه لم یکن عند نزول الکریمة وغیرہ وبه قال الامام الطحاوی رحمه الله تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایة کلامه هکذا قال الطحاوی: انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما[4] اھ	**رابعًا:** اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لیے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیّہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں شمنی نے نقل کیا) امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ پہلی اذان عہد رسالت اور ابوبکر و عمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] الفتوحات الالهیة الشهیر بالجمل تحت الایة ۲/ ۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

[3] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایة ۲/ ۱۰۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۶۵

[4] مرقاۃ المفاتیح بحواله الطحاوی باب الخطبه والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

وفی مر قا ۃ علی القا ری:"قا ل الطحا وی انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان و الامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عھدہ علیہ الصلو ۃ والسلام و زمن الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما [1]۔	ملا علی قا ر ی رحمۃ اللہ علیہ کی مر قات میں بھی روا یت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جا نے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔"
وھکذا اکما تر ی لا مثا رلو ھمھم فیہ وکا ن بعض المتا خر ین اختصر وا مقا لہ ولیر ا جع اصل لفظہ رحمہ اللہ تعالٰی عنہ فا نی ارجو ا ان لا یکون فیہ ما او قعھم فی الو ھم و کیف ما کا ن فا نما استدل با نہ الذی کا ن علی عھد رسو ل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وھکذا ذکر فی دلیلہ من عبر ہ با لا ذا ن علی المنبر عند المنبر کالکا فی و الکفایۃ والمبسوط وغیرھا و معلو م قطعا انہ لم یکن علی عھد رسو ل اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوق المنبر ولذا احتاج ھؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند او الباء او	ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہو نے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے اصل عبارت کو دیکھا جا ئے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی وا جب ہو تی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی بھی بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المبنر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے عہد مبارک میں ہوتی تھی،اور سب کو معلوم ہی کہ اذان خُطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لیے تو ان علماء نے بھی علی کو عند

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب الخطبۃ والصلٰوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳ /۴۹۸

المبا لغة فا ذن يجب حمله ما كا ن عليه فی زمنه الكريم وكما لم يثبت كو نه فی عهد ه صلی الله تعالٰی عليه وسلم فو ق المنبر، كذلك لم يثبت كونه ملاصق المنبر، او عندالمنبر بالمعنی الذی يزعمو ن وانما ثبت كو نه علی باب المسجد فيجب ان لا يحمل الا علی ما يو افقه عند كا ن او علی ولكن الانصاف قد عز فی الاخلاف۔	کے معنی میں لیا۔اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لیے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہو۔
نفحه۷:لئن تنزلنا لهم عن جميع هذه التحقيقات التی ذكرنا بتوفيق ربنا علی الاعلی فی "عند وعلی"۔	**نفحہ۷**:اگر ہم عن اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔
فاولًا:ما قو لهم "المعتبر الاذان علی المنارة او الاذان علی المنبر او عند المنبر" الا حكاية حال للتعريف و يعر ف كل احد حتی الصبيا ن انه ليس بحكم و قو لهم "لا يؤذن فی المسجد،ويكر ه الاذان فی المسجد حكم والعبرة بالحكم الا بالحكاية۔	**اولًا**:ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیے)،بخلاف ان اقوال کے جب میں مسجد میں اذان ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے اور اعتبار حکم کا ہے تعارف وحکایت کا نہیں۔
وثانيًا:الاذان الذی كذا	**ثانیًا**:یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

بیان علامۃ لہ فلا یدل علی جوازہ فضلا عن استنانہ قال الامام الاجل ابو زکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامۃ المحدث طاہر فی مجمع بحار الانوار: "ان العلامۃ تکون بحرام و مباح"[1] اھ. ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان و الامراء الناس فمن لا یعرف السلطان سال علاما من فیھم الملك الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف فال الذی علی راسہ تاج الذھب ھل یکون ذلك حکما منہ بجواز لبس الذھب للرجال کلاّ علماؤنا قد ارشد والی الحکم ان لا یؤون فی المسجد و مع ذلك لا شك ان لو فعل فیہ کما یفعل ھٰؤلاء لکان موجبا للسعی و ترك البیع علی قول الامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ بہ بیانا لحکم السعی کان ماذا۔

جگہ ہوتی ہے) علامت ہے اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا" کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے"، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ امراء اور عوام سبھی جمع ہیں ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہنچوایا گیا تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے؟ تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہوگی ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے ازخود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲

ثا لثًا:الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی، والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمینیا الم تسمع الی ما قالہ العلماء فی حدیث علیہ السلام تحیۃ الموتٰی[1]۔	**ثالثًا**: قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے ایک موضوع کے وصف کا صدق پ ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعا معتبر نہیں۔اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نا معتبر اور ناجائز بتایا۔حدیث شریف میں ہے: "علیک السلام مردوں کا سلام ہے"۔
رابعًا:بعد التیاو التی ان کان فمن باب"الا شارۃ"وقولھم لا یوذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ"وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم و الفتیا بالمرجوح جھل وخرق الاجماع کما فی تصحیح القدوری والدر المختار[2]۔	**رابعًا**: تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر اسے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃالنص ثبوت ہوگا اور فقہاء کے قول "لا یؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃالنص راجح اور اشارۃالنص مرجوح ہے اور در مختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

[1] المصنف العبد الرزاق باب کیف السلام و الرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۸۴

[2] الدر مختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

وخامسًا: فی معا نه انو اع الا حتما ل والنصا ن صریحان والمحتمل لا یعارض الصریح و اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔ **وسادسًا:** مع قطع النظر عن کل ما مر غایته تعارض حاظر و مبیح فیترجح الحظر بل الامر اذا تردد بین السنة والکراهة کان سبیله الترک کما نص علیه فی رد المحتار [1] والبحر وغیرهما لان درء المفاسد اهم من جلب المصالح [2] وفی معراج الدرایة للامام القوام الکاکی ثم منحة الخالق غض البصر مکروه والجماعة سنة فترك السنة اولی من ارتکاب المکروه [3] اھ، فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرة الا علیهم ولله الحمد فهذا عشرة أجوبة عن "عند" و عشرة عن "علی" ولله الحمد العلی	**وخامسًا:** اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہو سکتا اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔ **سادسًا:** جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی غایت حظر و اباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہو گی بلکہ امر جب سنت و کراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترک سنت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، معراج الدرایہ اور منحتہ الخالق میں ہے غض بصر مکروہ اور جماعت سنت ہے چنانچہ ترک سنت اولی ہے ارتکاب مکروہ سے بہر حال نصرت ہمارے لیے اور وبال ان پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں اور علی سے متعلق بھی دس جواب ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوٰۃ ۱/۴۳۱ و البحر الرائق باب العیدین ۲/ ۱۶۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

[3] منحة الخالق حاشیة البحر الرائق باب الامامة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۳۲

الاعلی۔

وانت خبیر ان کل ماذکرنا فی ھذہ النفحۃ الاخیرۃ فانما ھو علی غایتہ التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقھاء الکرام بما لا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال وا ما المکابر فداءہ عضال نسال اللہ العفو والعافیۃ۔

نفحہ ۸: اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیہ فی اذان الخطبۃ ایضا ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدیۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل: "ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ، ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك، ثم لما تولی ھشام بن عبد الملك اخذ الاذان

اعلی کے لیے ہیں۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کرکے، اور بطور مناظرہ۔ ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی گنجائش ہی نہیں بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے رہ گیا مکابرانہ کلام تو ئی ایک گمر ہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ ۸: ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہ ہے امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابوبکر وعمر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا، اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا (یعنی جب خطیب مبنر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن عبد الملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذان اول کو مقام زوارء سے منارہ کی طرف

الذی فعله عثمان رضی الله تعالٰی عنه بالزوراء و جعله علی النار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر و عمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله تعالٰی عنهم بین یدیه قال علماؤنا رحمهم الله تعالٰی علیهم و سنة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اولی ان تتبع[1] اھ"(باختصار)۔

منتقل کیا اور اذان عہد رسالت و صاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی اس کو امام کے سامنے دلانے لگا ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

وحواشی الجواهر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروه کما نص علیه البرزنی وقد نهی عنه مالك فعله علی المنار والامام جالس هو المشروع[2] اھسکندری۔

حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عملدرآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزنی نے مکروہ لکھا ہے امام مالک نے اس سے منع فرمایا امام کے مبنر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔

وفی المواهب اللدنیة للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد

مواہب الدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰی

---

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۲۱۲

[2] حواشی الجوہر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمہما اللہ تعالٰی قال الشیخ خلیل ابن اسحق فی التوضیح اسم شرحہ علی ابن الحاجب: "اختلف النقل ھل کان یؤذن بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحبنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم [1] الخ۔" وسیاتی تمامہ بعونہ تعالٰی۔ فھذہ نصوص الامام مالک واصحابہ علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعۃ من راسہ فضلا عن کونہ فی المسجد وانما السنۃ فیہ ایضاکاذان سائر الصلوات کونہ علی المنار فظھر ان ادعائھم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریۃ منھم وای اجماعۃ یقوم مع خلاف امام دار الھجرۃ وجماھیر اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم وکذاکذب من	نے فرمایا: "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جو ابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ "اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کی ابن عبد البر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو تو مخالفین کا یہ فتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لیے کافی ہے جبکہ اس

[1] المواہب اللدنیہ المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۲-۱۶۱، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷ /۸۱ - ۳۸۰

ادعی اجماع المذاهب الاربعة ولعل مالکا لیس عنده من الاربعة هذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیة بکراهة الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ولانعلم خلافا فیه عن غیرهم فلا یبعد ان الاجماع علی خلاف ماهم علیه وباللّٰه التوفیق۔

مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحه۹: وبه ظهر بطلان زعمهم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع هذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر ألم تسمع السکندری ثم السفطی "ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان"[1] ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیة مبنیة فیها دکک لهذا الاذان بعیدة عن المنبر وعلیها یفعل الی الان وقدمنا انه اذان خارج المسجد لکن العوام لا یعلمون ظاهرا من الحال وعن الحقیقة هم غافلون و اذلم یهتدوا لها ظنوه اذانا فی المسجد فعن هذا نشأ وافشا فیهم هذا ثم قاسوا علیه اذان سائر الصلوات اذلا فارق

نفحہ ۹: مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں اور یہی ان میں شائع وذائع ہے اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

[1] حواشی الجواهر الزکیه شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلوة یقوم احدهم اینما شاء من بیت الله فیرفع عقیرته بالاذان و اذا قیل له اتق الله قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنه عندهم منسیا وتصریحات الفقه شیئا فریا احدثوا تعاملا فیما بینهم علی خلاف الشریعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذریعة والی الله المشتکی وهو المستعان۔"	قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں اور جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے اور حکم شرع کے ابطال کے لیے اسی کو دلیل بنالیا ہے تواللہ تعالٰی سے اس کے لیے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔
ولم یعلموا ان مثل هذا التعامل لا حجة فیه والا لکان الکذب والغیبة والتمیمة اجدر بالجواز فانها اکثر تعاملا وافشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخیر قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم یفشوا الکذب[1]۔	اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں ورنہ جھوٹ غیبت، چغلی خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"
قال فی فتاوی الغیاثیة اوخر کتاب الاجارة عن السید الامام الشهید رحمه الله تعالٰی انما یدل علی	صاحب فتاوی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا: "وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے جو

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

الجواز ما یکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذلك لایکون فعلھم حجة الا اذا کان ذلك من الناس کافة فی البلدان کلھا الاترٰی انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لایفتی بالحل[1] اھ۔

وفی جمعة رد المحتار "التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذکان عامامن عھد الصحابة والمجتھدین کما صرحوا به[2]"

وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر مانصه: "ھذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیتا عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیھا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة[3]۔"

وفی المکتوب الرابع والخمسین

صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہوتا اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ ان اگر سب جگہ کے سب لگ شراب پینے لگیں سودی کاوبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔"

ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ ومجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔"

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے یہ اجماع اکثری ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیاجائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

---

[1] فتاوی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النسامکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

من الجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد العمری السرھندی الشھیر بمجدد الف ثانی ما ترجمته: "غمرت الدنیا فی بحر البدعات و اطمأنت بظلمات المحدثات من یشتطیع دعوی رفع البدعة التکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماة البدع و محاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازھا بل استحسانھا ویدلون الناس علی اتیانھا یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل ھذا التعامل بشیئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرة بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال ولا شك ان العلم بتعامل الناس کافة و عمل جمیع القری والبلدان خارج عن وسع البشر [1]اھ"۔ واکثر المخالفین لنافی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانھم من غلمان ھذا الشیخ وقد قری علیھم قوله ھذا مرارا افلا یسمعون	کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب نمبر ۵۴ میں ہے: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں اور بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہین اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اھ" مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے

[1]مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ و چہارم نولکشور لکھنو ۲ /۱۰۳

ولا ینتھون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم، فھم بفتوی الھوی یعملون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔	وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انہوں اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت طلب کرتے ہیں۔
قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار من الاجارات وفی رسالتہ "تحریر العبارۃ" وفی کتابہ "العقود الدریۃ" کلھا عن العلامۃ قنالی زادہ(عہ) "ان المسئلۃ النباء والغرس علی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان واذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم وھم ظالمون وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھذا تحریك فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان	علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ رسالہ تحری العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں اور بعض صدر واکابر ان کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدر آمد ہوتے رہنا چاہیے کہ

عــــہ: ھکذا فی ردالمحتار طبع فی قسطنطنیۃ وفی تحریر العبارۃ قنلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدرۃ منلی زادہ بالمیم ۱۲ منہ

عــــہ: یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور تحریر العبارۃ" میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقودالدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲ منہ (ت)

شر الامور محدثاتها ولا يعلمون ان الشر فی اغضاء العين عن الشرع وان احياء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب[1] اھ. وفی تحریر العبارة فعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم[2] اھ۔ وفی ردالمحتار: "اذا تکلم احد بين الناس بذلك يعدون كلامه منكرا من القول وزورا وهذه بلية قديمة[3] اھ" وفيه وفی العقود الدرية: "وهذا علم فی ورق۔"[4] وهذه لعمرك حال الناس فی تهالكهم على هذا المحدث و	ہر بات سے بری نئی بات پیدا کرنا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کہ شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ اور اسی (ردالمحتار میں ہے) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔" واللہ! اس اذان ممنوع ومحدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، تحریر العبادۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[2] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، العقود الدریہ کتاب الاجارۃ مسئلہ استبقاء البناوالغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۲۵

هذه هی اعذار هم فی ایقاعه والقاء السنة والله المستعان ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بار دہ تراش رکھے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نفحہ ۱۰: اذقد ظهران لا تعامل الی الآن فما ظنك بالتوارث الذی به یلهجون واذا اخذوا بالحدیث والفقه فهم یتلجلجون۔

نفحہ ۱۰: جب یہ ظاہر ہوگیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں اور جب حدیث و فقہ ت ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔

ویاسبحان الله انما التوارث التعامل فی جمیع القرون فاذا لم یتحقق الی الان کیف یثبت من سالف الزمان اذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذی فی عهد الرسالة والخلافة الراشدة کان علی خلاف ما یزعمون فانی یصح التوارث والی من یسندون وعمن یرثون قال المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر مسالة الجهر فی الاولیین والاخفاء فی الاخریین قوله هذا هو المتوارث یعنی انا اخذنا عمن یلینا الصلوة هکذا فعلا وهم عن یلیهم کذلك وهکذا الی الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یحتاج الی ان ینقل فیه نص معین[1]۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہو سکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا کس سے اس کی نسبت ثابت کرینگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار یں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولین میں قراءت جہری اور اخریین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا اور انہوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم تک، اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں،

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فهذا معنى التوارث المحتج به شرعا مطلقا المستغنى عن ابداء اسناد خاص وانى لهم بذلك وكيف يصح فيما قد علمنا وعن صاحب الوحى صلى الله تعالٰى عليه وسلم و عن خلفائه الراشدين رضى الله تعالٰى عنهم خلافه۔	یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعاً دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔"
اقول: وتحقيق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصيلاً اى مع العلم بانه حدث فى الوقت الفلانى (۴) والعلم به اجمالا ان علمنا انه حادث ولا نعلم متى احدث ومن احدث فالشيئ اذا كان ناشيا متعاملا به فى عامة المسلمين وعلمنا انه هو الذى كان على عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فهو القسم الاول وهو المتوارث الاعلى واذا لم يعلم كيف كان الامر على عهد النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولا علم حادث بعده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فيحمل على ان كلا قرن اخذه عن سابقه و يجعل متوارثا تحكيمًا للحال	**اقول:** (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نوایجاد ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔ جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع وذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا یہ قسم اول ہے اور اسی کو متوارث اعلی بھی کہتے ہیں اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا،

حملا علی الظاھر والاصل اذ الاصل فی الامور الشرعیۃ ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والعمل بالسنۃ ھو الظاھر من حال عامۃ المسلمین وھذا ھو القسم الثانی"وھذا ما یقال فیہ انہ لا یحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثہ فلا یمکن جعلہ متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سواء علمنا وقت حدوثہ اولا،لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعًا انہ حادث ولانعلم متی حدث کاھرام مصر بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولھا من قنادیل الذھب والفضۃ ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصۃ الوفاء:ولم اقف علی بتداء حدوثھا[1] الخ و حینئذ ینظر ھل یخالف	توایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں یہ متوارث کی قسم ثانی ہے،اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ۔کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں،یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا:"ہمیں ان کے ابتداء حدوث کا وقت نہیں معلوم توایسے نوپیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب

[1] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۴

هذا سنة ثابتة فی خصوص الامر اولا۔ علی الثانی یحال الامر علی حال الشیئ فی نفسه فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علی تفاوته من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیه القواعد الشرعیة، وقد یطلق علیه "المتوارث" اذتقادم عهده کذکر العمین الکریمین فی الخطبة، وهذا ادنی اقسامه ولا اطلاق له علی ما دونه الا لغة، کتوارث التقیة فی الرافضة والکذب فی الوهابیة وان کان قبیحا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوته من الکراهة الی التحریم اولا ولا فلا ولا بل مباح عــه والخروج عن العادة شهرة و مکروه کما نصوا علیه [1]۔ وورد	قواعد شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں۔ تو یہ توارث کا سب سے ادنٰی درجہ ہے اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا ہاں توارث لغوی ہو سکتا ہے جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے اور جھوٹ وہابیہ میں ابًا عن جدٍ رائج ہے اور اگر ایسی نوپید چیز ہو جو بعد عہد رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے، نہ قبیح ہے، نہ مستحب، ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ

عــه : بیاض فی الاصل۔

[1] الحدیقة الندیة من آفات السحر فهو حرام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقهم[1] وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم "بشروا ولاتنفروا[2]۔ وعلی الاول یردو لایقبل وان فشا ما فشا وقد اجار الله الامة عن الاجتماع علی مثله الا ان یکون شیئ تغیر فیه الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقة لیس مخالفا للسنة الثابتة بل موافق لھا وان وان خالف الواقع فی عھدہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان الواقع لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لو کان فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکان فھذا ھو التحقیق و معلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی	علماء عــــه نے فرمایا کہ لوگوں ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو اور حدیث شریف میں ہے "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ" سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا جماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہوگیا جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ پُرنور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے ایسا نوزائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہوگئی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

عــــه: حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامة القیامة ص ۲۰ رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[3] ۱۲ نظام الدین۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیه دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲ و ۳۵۴

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم یتخولھم بالموعظة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحواله حاکم کتاب السماع والوجد دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث ان لم نعلم متی حدث۔ و نعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذلك ولیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان و مع هذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه، بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه و دلت الادلة علی قبحه و شناعته کما تقدمه کل ذلك فثبت انه یستحیل جعله متوارثا بل هو من المحدثات المرودة قطعا، والحمد لله، وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبداء یؤخره جدا، لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات، وزعم انه	ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے (کما قالت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے، اور ئی ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ساری تفصیل گزر چکی، تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے اور یہ قطعاً یقینا بدعات مردودہ میں سے ہے اس سے یہ امر بھی روشن ہو گیا یہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی بتداء نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فریۃ بلا مریۃ واحتجاج التانوی الوھابی لہ بانہ لما قال فی الھدایۃ اذا صعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی الامام بذلك جری التوارث[1] اھ قال علیہ امام العینی فی البنایۃ ای فی زمن عثمان[2] اھ ولا یمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلابد ان یرادبہ کونہ لدی المنبر متصلا بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لا قبلہ اھ۔وما زعم الوھابی المفتری و ھذہ فریۃ فوق فریۃ،ولقد صدق رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:"اذا لم تستحی فاصنع ما شئت"[3]۔ فان عبارۃ البنایۃ ھکذا "م بذلك ش ای بالا اذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی

کہ اکا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شبہہ ایک افتراء ہے۔اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان رضی اللہ رتعالٰی عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے اذان ہونا کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے۔اور اسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل،ہدایہ او عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہوگئے ہو تو جو چاہو کرو" پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہوگیا کہ منارہ

---

[1] الہدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

[2] البنایۃ فی شرح الہدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ جلد ۱ جزء الثانی ص ۱۱۴

[3] امعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و۶۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷ و۲۳۸

المنارة مربه جرى التوارث من زمن عثمان بن عفان الی یومنا هذا" اھ[1] فالاشارة الی التاذین بعد التاذین۔ لا الی التاذین بین یدیه۔ ولکن الوهابیة قوم یفترون۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	پر پہلی اذان ہو اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے" حضرت مام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشاء الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔ اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افتراپرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
وکذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالکیة فی التاذین بین یدی الامام لقولهم انه محدث وانما کان هذا الاذان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم علی المنار ایضا کما تقدم وقد رده محققوهم وبینوا ان هشام لم یتغیر هذا الاذان شیئا انما غیرا لاذان الاول الذی احدثه عثمان رضی الله تعالٰی عنه کان یفعل بالزوراء	(یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لصیق المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا" زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مرکوہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی، ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

[1] البنایہ فی شرح الهدایة کتاب الصلوٰة باب صلوٰة الجمعة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة المجلد الاول، الجزء الثانی ص ۱۰۱۴

فنقله هشام الى المسجد على المنارة۔	بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی، وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان ومابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔)
قال العلامة الزرقانى المالكى رحمة الله تعالٰى عليه فى شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالكية يحرم الاشتغال عن السعى عند اذان الخطبة وهو معهود) فى زمانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم. (فلما كان عثمان وكثروا امر بالاذان قبله على الزوراء اھ ثم نقله هشام الى المسجد وجعل الاٰخر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ما كان يفعل بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار[1] اھ باختصار۔	چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح مٰن فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود ومعروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ آیا اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئ تو حضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا (پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو سامنے لایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جو اذان مقام زوراء پر دلوانی شروع

[1] شرح الزرقانى على المواهب اللدنية المقصد التاسع الباب الثانى دار المعرفة بيروت ۷ /۳۷۹

ولئن فرضنا ان ھشامًاھوالذی غیر السنة فمن ھشام وما ھشام حتی یعتبر بتغییرہ ویوخذ بفعلہ و تترك سنة محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفاءہ الراشدین لاجلہ لایرضی بہٖ احدمن اھ الدین۔ و نسبة الوھابی ایاہ الی ائمة الھدٰی مالك وابی حنیفة و غیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم ،انھم اتبعوا ھشامًا فیہ وترکوا السنة الجلہ افتراء منہ علیھم وسبة غلیظة فی حقھم حاشاھم عن ذٰلك، ولکن اذقدّ الخبیث اذ قدسب محمدا وسب رب محمد جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وطبعہ واشاعہ فمن بقی نعوذباللہ من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ۱۱: واذقدطولبوامرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا، اھ بالاختصار۔

اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنت رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑدی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک وابو حنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افتراء پردازی ہے، اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے، ان کا دامن اسی آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کردیا اور اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دیا اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا، ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ۱۱: ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس اب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

علیہ وسلم فھل نص علیہ احد، او عندکم علیہ من دلیل، ام انتم شاھد تم زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ام کل ماترونہ فی زمنکم فھو مستمر من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جاءھم عـــہ اضطرار الغریق الی التشبث بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الھدایۃ والھندیۃ: اذن المؤذنون بین یدی المنبر وبذٰلك جری التوارث[1]۔" وھذا کماتری نزغۃ من جھھم بمنعی بین یدیہ کما عرفت مفصلاً۔ فقول الھدایۃ حق وھدایۃ، وفھمھم منہ ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جھل وغوایۃ۔ واما المعقول فھو انہ لم یکذر فی شیئ من التواریخ ان ھذا الاذان سری الیہ التغیر بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعلم انہ کمایفعل الاٰن کان ھٰکذا یفعل	نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کر رہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لیے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ " موذن نے منبر کے سامنے اذان دی، اور اسی پر توارث ہوا۔" ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انہوں نے سامنے کے معنٰی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے، تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے، ان کی جہالت ہے۔ اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا ولعلہ الجاء۔

[1] الہدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۵۱، الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۴

علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وهذا قول من لیس له من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ماوجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود، ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل هذا فاذقد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خلاف ماشاع فی هٰؤلاء فالتغیر ثابت لامرد له افتردون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعر لبیان التغیر، ولکن الجهل اذا تملك لم یخش الفضوح والتغییر، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئی کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔ اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم کرلیا جائے، تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھا آج اس کے خلاف کیا جارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول میں تغیر ہوا، تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خموشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحه ۱۲: لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقه، الاتری ان اجل توارث واعظمه واهیبه وافخمه توارث اهل الحرمین المحترمین زادهما الله تعالٰی عزا وتعظیما واهلهما فضلاً وتکریمًا

نفحہ ۱۲: اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم وبزرگ اور پرہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیمًا کا توارث ہے، وہ بھی قرون اولٰی کا مگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الأولی ومع ذٰلك لم یسلمه اما منا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة: "لایوذن لصلٰوۃ قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابو یوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هٰکذا ومدیدہ عرضًا[1] اھ" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة: "قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الأخذ والماخوذ منه[2] اھ" فاذا کان هذا فی توارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فماظنك

اور تمام اہل فتاوٰی اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔ "حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا امام شافعی، قاضی ابو یوسف اور اہل حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔" تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھر ان مدعیوں کے

[1] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب الاذان المکتبة العربیة کراچی ۱/۴۷ تا ۷۶

[2] العنایة علی هامش فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۱

بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلًا عن ان یکون حجة علی الشرع والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه۱۳: ظهر بهذا ولله الحمد وهن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین اشریفین فمع ان هذا الاذان فی مکة زادها الله شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلٰوة و السلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط علی القاری وغیره فاذن محل الاذان الاٰن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔وفی المدینة المنورة صلی الله تعالٰی علی من نورها وبارك وسلم علٰی دکة بازاء المنبر فامر قدمت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثها کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔بس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتاہے۔

نفحہ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف مں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے،تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے ماقابل ہے۔تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔تو ان سے

تقدم فیکیف یحتج بہ، واللہ الھادی۔

اذعلمت ان امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجمیع ائمۃ الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین وتبعھم من اھل الحرمین الشریفین لمخالفۃ الحدیث فما ظنك بفعل مؤذن الزمان وھل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجھر بکلام لسمتمع الخطبۃ ولو کان صلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوترضیا للصحابۃ اودعاء للسلطان اعزاللہ نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ اللہ تعالٰی۔ الیس قد اجمع ائمتنا علٰی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا و فوق ذٰلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قد اقام علیہ النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلٰوۃ من یفعلہ ای وکذا صلٰوۃ من یصلی بتکبیرہ و تبعہ علیہ فی الحلیۃ والنھر والدرر وغیرھا وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامۃ اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ تلیمذ

اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے۔

جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتوٰی نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ تو آج کل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے، کیا کسی حنفی کو یہ اجزت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے، اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعاء خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟ اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبّر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔ "یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبّر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبان حلیہ ودرر ونہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی سید عالمہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامة شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر معاصر المدقق العلامة محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمہم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا مایفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔	شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر کے شاگرد ہیں۔اور صاحب در مختار کے ہمعصر ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے،انہوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔
وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھٰؤلاء الوھابیة الملاحدة الزنادقة السابة ﷲ ولرسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعة قد برأھم اللہ تعالٰی عنھا۔والوھابیة قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقة فضلًا عن اعمالھم الحسنة کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالٰی	خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود ومشہور ہیں، اوران کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو،نہ علماء کازیر فرمان ہو۔لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اورحرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اوران کے حق فتووں کی اقتداء نہیں کرتی،توان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کریں گی!ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انہیں سادات حرمین کا فتوی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوٰی نہیں ہے؟تواگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟اوراقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں توان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو تو انکار کنے کا حق ہے۔(ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طالب ہیں، اوراس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے،

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ ۱۴: قدمنا من الخطبۃ ثم فی الاجمال فی بحث الوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فراجعہ فانہ مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم، ومن الدلیل علی ماذکرت ان العالم الدلیل علی امذکرت ان العالم ینکر فلا یسمع ماقدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنۃ[1]، وعلٰی ماذکرت ان العالم یسکت حینئذ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قد مرجت عھودھم وخفت اماٰنتھم وکانوا ھٰکذا وشبك بین انا ملہ فالزم بیتك واملك علیك لسانك وخذ ماتعرف ودع ماتنکر وعلیك بخاصۃ امر نفسك ودع

نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ)

نفحہ ۱۴: توارث باطل ومظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق" کا الزام زائل کیا۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے، حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آپڑے گا۔ ہمارے اس دعوی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب ردالمحتار کا مذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اور اس امر کی دلیل کہ "بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر خاموش رہتا ہے" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہود ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں، اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرماکر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة۔"رواہ الحاکم[1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ واقرہ الترمذی۔ وابن ماجۃ عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعًا وھوی متبعًا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رأی برایہ ورأیت امرا لایدان لك بہ فعلیك خویصۃ نفسك ودع امر العوام[2]۔(الحدیث) ونظیر ماذکرت من شیوع امر من قبل السلطنۃ مافی الھدایۃ فی تکبیرات العیدین:"ظھر عمل العامۃ الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما لامر بینہ الخلفاء فاما المذھب فالقول الاول[3] اھ"	رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑ دو۔"اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔ ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تاآنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں۔ ہر رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔" اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ: "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہو رہا ہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی، (یعنی چھ زائد تکبیریں)۔"

[1] المستدرك للحاکم کتاب الادب دار الفکر بیروت ۴ /۲۸۲و۲۸۳

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۹۹

[3] الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب العیدین المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۵۱

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلا تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ابن بعضهم قدانکرعلٰی امیر المؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه وسقفه بالساج مکان الجرید۔قال الامام العینی فی العمدة:"اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی اواخرعصر الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکارذٰلك خوفًامن الفتنةاھ[1]۔"

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں، اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی، اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انہیں میں سے بعض امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انہوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا، صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے، بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔"

ولا بن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم:"اذا رأیتم امرًالا تستطیعون تغییره فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیره[2]۔"

ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۰۴

[2] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ ۷/ ۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/ ۲۰۱۷

والدلیل علی ماذکرت من اشتباہ الامر فی ذٰلك علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ماقررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبر فان لم یرض به المخالفون فھم الذین یقضون علی اساتذتھم ومشائخھم اما بالجھل اوبالسکوت عن الحق وقد کانت لھم مندوحة الم یعلموا ان الخلیفة الراشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنه کم من سنن احیاھا وظلمات بدع اجلاھا فکان له الاجر الجزیل والذکر الجمیل والفخر الجلیل ولم یکن عتب قط علٰی من قبله من الصحابة الکرام واکابرائمة التابعین الاعلام رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم جھلوا الحق اوسکتوا عنه ولاقیل لامیر المومنین انك تقحمت ما اجتنبوہ او انکرت ما اقروہ افانت اعلم منھم بالسنة اواتقی منھم للفتنة وعلٰی ھذا درج امر کل مجدد فانه لایبعث الا لتجدید ماخلق وتشئید ما وھی وربما کان من قبله اعلم منه واتقی۔ وکذٰلك غیر المجددین	اوراس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا، حد یہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑ گئے۔ شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کرچکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہو تو خود اپنے ہی شیوخ اوراساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے، اور بجاطور پر باعث فخر ومباہات ہے لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابرائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یا آپ نے ان امور کا انکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اوران سے زیادہ ذکی وعلیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة اواخماد بدعة فاہ یحمد ویوجر ولا یذم من مضٰی قبلہ ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر وھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہ الاکرم وعیہ وعلٰی اصولہ وفروعہ ومشائخہ ومریدیہ وکل من انتمٰی الیہ، روٰی عنہ الائمة الکبار باسانید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انہ قیل لہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ماسبب تسمیتك محی الدین؟ قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا، فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،

معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہورہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزرچکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت واماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزرگئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول وفروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ یں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبدالقادر، فرددت علیه السلام، فقال ادن منی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسدہ وحسنت صورۃ وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا، قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی الله تعالٰی بك وانت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلاً وقال یا سیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوۃ اھرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین، وما دعیت به من قبل[1] اھ کلامه الشریف۔"

قلت هذا وان بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة رضی الله تعالٰی عنه فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عهدہ رضی الله تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاہ وعلامه سمی محی الدین وان کان بلغ الی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء

اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہوگیا سورت نکھر آئی اور ارنگ چمک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔"

میں کہتا ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۰۹

علماء والیاء کانواقبله اهم کانوا عنه غافلین اوترکوانصره حتی بلغ الی ذٰلك الضعف المبین۔ام تزعمون ان لارض کانت خلت عن ولی الله وعالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذهب الیه عاقل ذودین۔

وانما الامرماوصفنا ان لمن احیالاحقااجره ولمن سکت سابقاعذره،والاشیاء مقسومة بید التقدیر القدیم "اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ" [1]۔

وبالجملة انماهم الشریعة یردون وباب احیاء السنة یسدون اذ کلماقام عبدالله یحی سنة اویمیت بدعة یقال له الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاهلین،ام غافلین،ام انت اعلم منهم اجمعین، وما هو الا تصدیق قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب [2]۔"وحدیث یکون المعروف

اولیاء فخام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے یا انہوں نے حق کی حمایت چھوڑدی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء واولیاء سے خالی ہوگئی تھی حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔

توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے،اورجو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے۔اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔اوراللہ تعالٰی اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتاہے فضیلت عطافرماتاہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیروت مسجد شریعت کورد کرتے ہیں،اوراحیاء سنت کاراستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاء سنت واماتت بدعت کیلئے اٹھے اسے یہ کہہ کر روکا جاسکتاہے،کیاآپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں؟تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گااور جھوٹے کو شاباش ملے گی، معروف ومشروع باتیں ناپسند

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۳۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۹۳

منکرًا والمنکر معروفا[1]۔ کما قدمنا فھذا مایریدون والذین یکیدون وما یکیدون الا انفسھم ولکن لایشعرون۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واذقد فرغنا بحمداللہ تعالٰی عن ابطال ما توافقوا علیه فلنأت علٰی ما انفرد به بعضھم عن بعض وباللہ التوفیق۔ **نفحہ۱۵:** ذکر بعضھم اثرا جعله من روایۃ جویبر فی تفسیرہ عن الضحاك عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه: ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه امر مؤذنین ان یؤذنا للناس الجمعۃ خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یؤذن بین یدیه کما کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر رضی اللہ عنه ثم قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین[2]۔ فدل بمفھومه ان الاذان بین یدیه لم یکن خارج المسجد ودل بقول کما کان انه فی عھد النبی	ہوں گی اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔" یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے اور دین سے مکر کرتے ہیں اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔ یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہوچکے ہیں اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیق خیر تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ **نفحہ ۱۵:** بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا کہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔" اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کے لئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ کان یجلس علی الارض دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/۲۶۲

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضًاداخل المسجد۔

اور زمانہ صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔

اقول اولًا :قداعطیناك فی النفحۃ التاسعۃ الفقھیۃ من معانی المسجد ما یغنیك ویعینك علی کل ما یاتیك من امثال ھذا التشکیك فامر مؤذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کام فعلہ امیر المومنین ذو النورین رضی اللہ تعالٰی ی عنھم اذ زاد اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین ویشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ "حتّٰی یسمع الناس" وقولہ "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین" [1] فلایدل ان دل الاعلٰی کون الاذان بین یدیہ داخل المسجد باحد ھٰذین المعنین وھو عین مرادنا "فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔"

اقول: (میں کہتا ہوں) اولًا ہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کر آئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں، اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں کہ حدود مسجد کے اندر ہو، مگر موضع صلٰوۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفا ہے۔

وثانیًا: انظروا الٰی ظلم ھٰؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامۃ ائمۃ الحدیث والفقہ علی توثیقہ، و

وثانیًا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث صحیح کو تورد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

یحستجون باثر جویبر وما جویبر من ابن اسحٰق الا کالعتمة من الاصبح۔رجل لم یذکر فی تھذیب الکمال ولاتذھیب التھذیب ولا تھذیب التھذیب ولا میزان الاعتدال ولا اللالی المصنوعة ولا العلل المتناھیة ولا خلاصة التھذیب مع الزیادات توثیقا له عن احدمن ائمة التعدیل انام ذکروا عنھم جرحه۔قال النسائی وعلی بن جنید والدار قطنی" متروك"[1] قال ابن معین "لیس بشیئ ضعیف۔"[2] قال ابن المدینی"ضعیف جدا[3]۔"وذکرہ یعقوب ابن سفٰین"فی باب من یرغب عن الروایة عنھم[4]۔" وقال ابوداؤد"ھو علٰی ضعفه[5]۔"وقال ابن عدی"الضعف علی حدیثه ورو ایاته بین[6]۔"وقال الحاکم ابو احمد"ذاھب الحدیث"[7]قال الحاکم ابوعبد الله "انا ابرأ الی الله من عھدته[8] "وقال ابن حبان"یروی عن الضحاك اشیاء مقلوبة[9]۔"وقال فی اللاٰلی ھالك تالف متروك جدا[10]۔ونقل فی ذیلھا عن لسان المیزان	اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے، نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تذھیب التنذیب میں، نہ تہذیب التنذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی المصنوعہ، نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التنذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔ چنانچہ نسائی و علی بن جنید اور دار قطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔ حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔ حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے، برباد کرنیوالے، سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

[1] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰

[2] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰

[3] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰

[4] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰

[5] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰

[6] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[7] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[8] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[9] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[10] اللاٰلی المصنوعة

"متروك الحديث عن المحدثين [1]۔" وقال فی التقریب "ضعیف جدا[2]" وقال احمد بن سیار "حاله حسن فی التفسیر وھو لین فی الروایة[3]" وعده یحیٰی ابن سعید "ھٰؤلاء لایحمل حدیثھم ویکتب التفسیر عنھم [4]۔ " وقال فی الاتقان بعد ذکران الضحاك عن ابن عباس مقطع"وان کان من روایة جویبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جویبرا شدید الضعف متروك اھ[5]۔" ولکن اذالم تستحی فاصنع ماشئت[6]۔ **وثالثًا** من ظلمھم الدندنة علٰی حدیث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الاحتمال الانقطاع ثم عادوایتمسکون بھٰذا الاثر وفیه مکحول عن معاذ	منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب یں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسانہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے، اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے، اور یہ متروک ہیں۔تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے، اور محمد بن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑدی جائے۔ **ثالثًا** ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

---

[1] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۴

[2] تقریب التھذیب ترجمہ۹۸۹ جویبربن سعید دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸

[3] تھذیب التھذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[4] تھذیب التھذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[5] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دارالکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۷

[6] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸و۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳۸،۲۳۷/ ۱۷

منقطع قطعا۔ ورابعًا من خیانتھم ان اثرواھٰذا الاثر عن فتح الباری وترکواقولہ"ھذامنقطع بین مکحول ومعاذ[1]۔" خامسًا ترکواقولہ"ولایثبت لان معاذًاکان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ماغزواالشام واستمرالیٰ ان مات بالشام فی طاعون عمواس[2]۔" وسادسًا ترکواقولہ"وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھو الذی زادہ فھو المعتمد[3] اھ" فقد افادان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفتہ لاحادیث صحیح البخاری وغیرہ الکثیرۃ المشھورۃ فترکواکل ذٰلك خائنین۔	معاذروایت ہے جو یقینًا منقطع ہے۔ رابعًا ان حجرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اوراس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔ خامسًا صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کردی "یہ روایت ثابت نہیں" کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیاجب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے،مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ سادسًا ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑدی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنیوالے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ ابن حجر کی تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے،اوران حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[3] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

وسابعًا ان کان فیہ شیئ فلیس الا مفہوم وردہ عند ائمتنا معلوم، الاسیما مفہوم اللقب الذی ھو اضعف المفاھیم لم یقل بہ الاشرذمۃ قلیلۃ من الحنابلۃ ودقاق الشافعی وانداد المالکی۔	**سابعًا** اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بچور عارۃ النص نہیں بلکہ بطور مفہوم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور انداد مالکی کا قول ہے۔
وثامنًا جاء الملك ثلثۃ سفراء ووصل احدھم الی باب تجاہ الملك واثنان متاخران، سأل عنھم الملك فقال الھاجب احدھم بین یدی الملك واثنان کارج الحضرۃ فھل یفھم منہ ان الذی بین یدیہ قد دخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الھل یاتی بالعجب العجاب۔	**ثامنًا** بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا، وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گُل کھلاتی ہے۔
نفحہ۱۶: ظھر لك الجواب وللہ الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنا مکانھا واتخذناھا مسجدًا فنادینا فیہ بالاذان[1]۔	**نفحہ۱۶:** مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیا جو امام نسائی نے نقل کیا: "ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھادیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دی۔"

[1] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدًا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ [1] (الحدیث)	اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہو چکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔"
اثر اٰخر عن ابی الشعثاء قال خرج رجل من المسجد بعدما اذن فیہ بالعصر وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ما ھٰذا فقد عصٰی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	ایک اور اثر جو ابو شعثاء سے مروی ہے کہ اذان عصر کے عد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نا فرمانی کی ہے۔"
فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتدوا لہ وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان من سنن الھدٰی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ [3]۔"	یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔"
کما قدمنا فی النفحۃ التاسعۃ	یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کر آئے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الخروج من المسجد بعد الاذان امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان فى فتح القدير وغاية البيان اذقال فى المسجد اى فى حدوده لكراهة الاذان فى داخله[1]۔	مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا: "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"
والعجب ان المحتج باثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها على صلٰوة المسعودى لا اثرلها فيها ولم يرفى صلٰوة المسعودى انه ذكر هذا الاثر هٰكذا ان عبدالله بن عمر رضى الله تعالٰى عنهما دخل مسجدًا ليصلى فخرج المؤذن فنادٰى بالصلٰوة[2] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسى وصلٰوة الامام ابى بكر خواهرزاده رحمهما الله تعالٰى، ومثله فى الضعف بل اضعف والتمسك بحديث مرفوع لم يهتدواله ايضا وانما دللنا هم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کر دیا اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلى فخرج المؤذن فنادٰى بالصلٰوة (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی، ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

[1] فتح القدير كتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

[2] صلٰوة المسعود باب بیست ویکم در بیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/۹۵

عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لایرید الرجعۃ فھو منافق[1]۔"	تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی: "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔"
فان المسجد ظرف الادراک دون الاذان الا تری الی المناوی فی التیسیر اذیقول فی شرحہ(من ادرکہ الاذان)وھو(فی المسجد[2])	استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)
بل کفی الحدیث شرحًا للحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی[3]۔"	بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔"
لکن السفیہ کل السفیہ والبلید کل البلید من تمسک بحدیث	اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرک الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۳۷

ابی داؤد رأیت رجلا کان علیه ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[1] (وروایة ابی الشیخ فی هذا الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادٰی[2]، ورأی ذٰلك عبدالله بن زید فی المنام۔	کیا جائے: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دوہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی۔ (اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علٰی سطح المسجد، (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اور اذان دی (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)"۔
وحدیث ابن سعد فی طبقاته عن نوار امّ زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنهما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان یوذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیئ فوق ظهره[3]۔	اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کردیا، تو اسی پر اذان دینے لگے۔"
فان فی هٰذه تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجهول لایمیز بین المنافع والمضار وقد اسلفنا عدة روایات لهذا محتجین بها والسفه یبحث عن حتفه بظلفه۔	ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا، اور بیوقوف اپنے کھُر سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسة الرساله بیروت ۸/۳۳۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمه النوار بنت مالك دار صادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحه۱۷: تعلق سفیهان منهم بروایة ابن ماجة عن عبدالله بن زید رضی الله تعالٰی عنه فیها، قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان صاحبکم قدرأی رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه اندٰی صوتا منك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها[1] و هذا کما تری اشبه بالهذیان۔

فاولًا: این الخروج الی المسجد عن الدخول فی المسجد،

ثانیًا: لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجلس غیر مسجده الکریم ولا بین المسجد و الحجرات الشریفة شیئ انما کانت علی حافة المسجد الشرقیة و اتیان عبدالله بن زید الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان من اٰخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع به

نفحہ ۱۷: دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔ "یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولًا: مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں۔)

ثانیًا: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو درازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

[1] سنن ابن ماجه ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

بین روایۃ ابی داؤد "فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔" وروایۃ ابن ماجۃ "فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلا[2]۔" ولم یکن ھذا ایان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذذاك الا فی المسجد الشریف اوالحجرۃ المنیفۃ۔ وعلٰی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھرولو لم یکن ظاھرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجداذاقیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد،و انما یرادبہ اخرج الٰی منتھٰی حد المسجدوحینئذٍ تکون

اپنی روایت میں کی ہے۔اورابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی،الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داود)۔ "رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ)
اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا،نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا،تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتومسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں،تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کردیتاہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤاس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤبلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے مسجد میں نہیں،نہ مسجد سے دور۔ جیساکہ آسمان

[1] سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأالاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمة فی التعبیر بأی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجدلافیه لابعیدًامنه،کما اراه النازل من السماء علیه الصلٰوة والسلام فکان الحدیث دلیلًا لنا علیهم والجهلة یعکسون ومما یشهد له ان النازل من السماء اراه الاذان خارج المسجد اذقام علی حصة الجدار فوق السطح وماکان امر عـــه النازل الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الٰی حدوده ولله الحمد۔

وثالثًا:لو تنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجداحدالمعنیین الاخیرین،ولله الحمد۔

سے اترنے والے فرشتے نے انہیں دکھایا تھا۔پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے،اوروہ اس کو الٹ رہے ہیں۔اوراس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انہیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑاہوا تھااوروہ تعلیم کے لئے ہی آیاتھااس لئے آپ نے حکم دیاکہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ،فالحمدلله۔

ثالثًا:اوران سب سے قطع نظرکیا جائے توہم ایک تام اورعام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرےاور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

عـــه:واذاضم الٰی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد)لمخالفة صفة الملك النازل [1] لکان حدیث الملك علٰی کثرة روایاته التی قدمنا کثیرًا منها دلیلابراسه علی کراهة الاذان داخل المسجد فافهم منه حفظه ربه۱۲۔

اورجب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قول شرنبلالی کوملایا جائے،یعنی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے،توفرشتے والی حدیث باوجودان روایات کثیرہ کے جن کو ہم بیان کرچکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔پس اس کو سمجھ۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی کتاب الصلٰوة باب الاذان دارالکتب العلمیة بیروت ص ۲۰۰

نفحہ۱۸: حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل باٰیات القراٰن العظیم وحاشا القراٰن ان یکون لباطل ظھیرًا قال قال عزوجل: "وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ"[1] واخرج سعید بن منصوراٰخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام فناد‌ٰی بصوت اسمع من بین المشرق والمغرب، یایھاالناس اجیبوا ربکم[2]۔ واخرج ابن المنذروابن ابی حاتم عن مجاھدقال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل فی الارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[3]۔ واخرج ابن جریر عن مجاھد	**نفحہ۱۸:** بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم!) لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔" اور سعید بن منصوراور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا توآپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق ومغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔" ابن المنذروابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انہیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا، آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا جو سات سمندروں کی تہہ سے بھی سنا گیا۔ ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[2] الدرالمنثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳، تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[3] تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فناذٰی "یا ایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال وارحام النساء[1]۔"	اورانہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔
قال قال ونحن ندی ان ھٰذا الحجر کان حین ناذٰی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر "و الذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت، قال ابن جماعۃ ھو الصحیح وروی الازرقی ان موضع المقام ھو الذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ وعھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکروعمر رضی اللہ تعالٰی عنہمااھ۔ والاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ الحکمۃ ھنالك تقتضی ذٰلك اھ[2]۔"	مستدلین کا دعوی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا: بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جامعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکا یا گیا۔
وذالك لان ابراھیم صلوات اللہ علیہ بنی الکعبۃ قائماعلیہ فاستمر	حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/ ۱۶۹

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

مذذاك متصل الكعبة كما فى تاريخ القطبى وسائر كتب السير"وكان ابراهيم عليه الصلوات والسلام يبنى واسمٰعيل عليه الصلوٰة والسلام ينقل له الحجارة على عاتقه فلما ارفع البنيان قرب له المقام فكان يقوم عليه ويبنى [1] اھ"	اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے،جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔"
فثبت انه كان حين اذن عليه للحج متصل جدار الكعبة واستمر كذٰلك الى زمانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثم انتقل عنه بوجه قال ولئن سلمنا ان محله منذ القديم حيث هو الاٰن فالمدعٰى ثابت ايضالانه الاٰن ايضًا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهيم داخل فيه۔فثبت ان التاذين فى المسجد جائز مطلقا ولا كراهة فيه اصلا وليس بدعة بل هو سنة ابراهيم عليه الصلواة والتسليم (انتهٰى)(كلامه الردى السقيم مترجمًا)	اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا،بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے تب بھی ہمارا دعوی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے،اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے،اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقًا ناجائز ہے،اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے،یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔
اقول: انعم به من برهان تزرى بالهذيان ويغبط به المجانين والبله والصبيان۔	**اقول:** جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں،بیوقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد الرابعه ۱/۱۵۵ والكامل فى التاريخ ۱/۱۰۶ وتاريخ مكة المشرفة ۴/ ۴۳ و ۴۴

فاولًا کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الجاھلیۃ کونہ کذٰلک علی عھد ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاھر والظاھر حجۃ فی الدفع لاللاستحقاق وانت مستدل لادافع۔	**اولًا** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔
وثانیًا مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحۃ فیہ لما ادعاہ من انہ استمر مذاذاک متصل الکعبۃ فالاستناد بہ جھل۔	**ثانیًا** تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔
وثالثًا بل فیہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فدل علی ان محلہ کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجۃ والعادۃ ان الشیئ اذا نقل لحاجۃ یرد الی محلہ الاول بعد قضائھا کما ھو مشاھد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبۃ یوم دخول العام۔	**وثالثًا** قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں، پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹادیا جاتا ہے۔
ورابعًا ان فرض کونہ	**رابعًا** اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عهد خلیل علیه الصلٰوة والسلام بالتبجیل کان ایضازعم انه کان کذٰلك حین اذن علیه للحج رجما بالغیب بلادلیل غایه انه لم ینقل انه نقل حینئذوعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیرداف للمستدل عند الاصحاب۔	کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا، تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیاہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتاہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔تو ہم بتاچکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔
وخامسًا بل قدوردما یدل علی انه کان فی غیرھٰذا المحل حین اذن علیه وکفٰی به قاطعا لشقشقته اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال "سألت عبدالله بن سلام عن الاثر الذی فی المقام، فقال لما امرابراهیم علیه الصلوة والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام، فلما فرغ امر بالمقام فوضعه قبله، فکان یصلی الیه مستقبل الباب[1]۔"(الحدیث)	**خامسًا** اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہوجاتاہے۔ازرقی نے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السالم کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر اعلان فرمایا۔اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیجا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔"
وسادسًا ان شئت قطعت	**سادسًا** اس شبہ کو جڑ بنیاد سے

[1] الدرالمنثور بحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۔۱۶۵

راس الشبهة من راسها وذٰلك لان رواية قيامه عليه الصلٰوة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما کان یاخذ عنهم کما هنا، وروٰی ابن ابی حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن جال من علماء اهل الكتاب ان موسٰی دعا ربه[1] (الحديث) فی قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلٰوة والسلام واقرها واخرج ابن ابی شيبة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهٰی، قال سدرة ينتهی اليها علم الملئكة وسئلته عن جنة الماوٰی فقال جنة فيها طير خضر ترتقی فيها ارواح الشهداء[2]۔

واخرج ابن جریر عن شمر

اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیساکہ اس مبحوثہ روایت میں انہوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پوچھا توانہوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔"

ان جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۷۱تا۸۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۷۹

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۵۳/۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۷۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول الله "سدرة المنتھٰی "[1] (الحدیث) وقد صح عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجھه انه اذن علٰی ثبیر ، روٰی عبدالرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه لما فرغ ابراھیم من بنائه ، بعث الله جبریل فحج به حتی اذا رأی عرفة قال قد عرفت وکان اتاھا قبل ذٰلك مرة ، فلذٰلك سمیت عرفة حتی اذا کان یوم النحر عرض له الشیطان فقال احصب فحصبه بسبع حصبات ۔ثم الیوم الثانی فالثالث ، فلذٰلك کان رمی الجمار قال اعل علٰی ثبیر فعلاہ فنادٰی یا عباد الله اجیبوا الله یا عباد الله اطیعوا الله فسمع	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا۔(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے) ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اورانہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا،آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیاایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اوراسی وجہ سے اس کانام "عرفہ "پڑا۔یوم نحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیاتو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی،اورآپ نے ابلیس کو سنگسار کیا،پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔اسی لئے حج میں رمی جمار مشروع ہوئی۔حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پرچڑھو۔حضرت خلیل علیہ السلام نے

[1] جامع البیان تحت الآیۃ ۱۴/۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/۶۳

دعوته من بين الابحر السبع[1]۔(الحديث)
وهذا كما ترى سند صحيح علٰی اصولنا فهذا انص عن رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم حكما لان الامر لادخل فيه للرأى وما كان امير المؤمنين علی ليأخذ عن اهل الكتاب فلم يكن الا سماعًا عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم۔فثبت ان الاذان كان علٰی جبلٍ بمزدلفة وسقط انه كان داخل المسجد علی المقام ولك ان تقول لاخلف فان ثبيرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه "ان مقام ابراهيم الحرم كله[2]" اخرجه عنه عبد بن حميد وابن ابی هاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهيم الحج كله[3]۔"

وسابعًا اضطربت الرواية عن

ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا: اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔"
یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔
سابعًا اعلان حج کے مقام میں حضرت

[1] الدر المنثور بحواله عبد الرزاق تحت الآية ۲۶ /۲۲ دار احياء التراث العربی بيروت ۶/۳۱

[2] الدر المنثور بحواله عبد بن حميد وبن ابی حاتم تحت الآية ۲/ ۱۲۵، ۱/ ۲۶۴ وتفسير ابن ابی حاتم تحت الآية ۹۷/۱۱۷، ۳/۳

[3] تفسير القرآن العظيم تحت الآية ۳/ ۹۷ حديث ۳۸۴۷ و۳۸۴۸ مكتبه نزار مصطفٰی البازمكه المكرمة ۳/۷۱۱

ابن عباس ففی بعضھا "اذن علی المقام" وفی بعضھا علی ابی قبیس رواہ عنہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد اباقبیس فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ثم نادٰی، ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبو ربکم[1] الحدیث، وفی اخری لہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صعدابراھیم اباقبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھاالناس اجیبوا ربکم[2]۔ وفی بعضھاعلی الصفارواہ عبدبن حمید عن مجاھد قال"امر ابراھیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعہ مابین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم[3]۔"	ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابوقبیس پر اعلان حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھدان لاالہ الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔" اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق ومغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے: اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۴ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۸،۲۴۸۷،
الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۴

[3] الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳

وروی ھو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراھیم علی الصفا فقال یاایھا الناس اجیبوا ربکم[1]۔"

ومعلوم ان الروایة عن مجاھد روایة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشك فی التثنیة فکان من ھذا الوجه ایضاً حدیث امیر المومنین احق بالاخذ ولذا مشٰی علیه القطبی فی تاریخه ولم یلتفت لما سواہ فاندحضت الشبهة عن رأس والحمدللہ رب الناس۔

ثامنًا بعد اللتیا والتی ان کان فشریعة من قبلنا فلا تکون حجة الا اذا قصھا اللہ تعالٰی ورسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من دون انکار کما نص علیه فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیة و الشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالٰی او رسوله من غیر انکار اذ لاعبرة بما ثبت بقول اھل الکتاب،

ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اور اولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامنًا ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلاانکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

[1] الدر المنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳

ولا بما ثبت بکتابھم لانھم حرفوا الکتب ولا بما ثبت بقول من اسلم منھم لانہ تلقن ذٰلك من کتابھم او سمع من جماعتھم [1] اھ ومثلہ فی کشف الاسرار للامام البخاری۔	نہیں اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محروف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔
وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ لایحتمل کذبہ قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجودہ فھو لم یتعلم الا المحرف [2] اھ بالالتقاط۔	بحر العلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت مین فرمایا، خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ و بلا شبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف و ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔
وھذا شیئ لم یقصہ ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذلم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج بہ راسا مدفوع۔ ھذا علی التسلیم والا فقد علمت ان الذی	اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوی

[1] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۷۳، کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب فی شرائع من قبلنا دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۳

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفٰے المختار الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

یدعیه هذا الوهابی من انه اذن علیه فی جوف المسجد لم یقصه مسلم ولا کتابی ولا کافر سواه فاحتجاجه به لیس الا احتجاجا بهواه۔	جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے ورنہ تفصیل گزر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوٰی میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔
وتاسعًا ان تعجب فعجب قوله ان المقام الاٰن ایضًا داخل المطاف وهذا شیئ یردہ العیان ویشهد بکذبه کل من رزق حج البیت الحرام۔	**تاسعًا** قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔
وعاشرًا اعجب من الاحتجاج علیه بانه مفروش بالرخام وکان فی باله ان کل مافرش فیه الرخام صار المطاف الذی کان قدر المسجد الحرام علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلیدخل ماحول زمزم ایضًا فیه ولو کان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشریف ورواقاته بالرخام لحکم هذا الجاهل بان المسجد کان الی الرواقات علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واذا بلغ الجهل الٰی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرة الرخام حول البیت الحرام وعلٰی حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنهاو	**عاشرًا** اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہد رسالت مین مسجد تھی، تو زمزم شریف کا ارد گرد ہی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسلات کی مسجد حرام ہو گئی حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گردا گرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے، اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماکان اهل مکة سفهاء کهٰذا لیبنواقبة فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اهل الطواف نعوذبالله من الجهل والاعتساف۔

نفحه۱۹: ثم تمسك بقوله تعالٰی: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[1]۔ وقوله تعالٰی: "وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا"[2]۔ وقوله تعالٰی: "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[3]۔ وفی حدیث الصحیحین عـــه ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من هذا البول والقذر وانما هی لذکر الله والصلٰوة وقراءة القرآن[4]۔

اقول: اولا قضینا الوتر عن کشف هذه الشبهة فی النفحة الاولی القراٰنیة، وبینا ان الاذان لیس ذکرًا خالصًا[5]۔

نفحہ ۱۹: مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا"

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں، یہ تو ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔"

اقول: (میں کہتا ہوں) **اولا** ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کرچکے ہیں کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

عـــه: تبع فیه صاحب المشکوٰة وانما عزاه المخرجون لمسلم وحده اه منه۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۶

[4] صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[5] مشکوٰة المصابیح بحواله صحیحین کتاب الطهارة باب تطهیر النجاسات الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۲

وثانیًا منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیه ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ایها الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبنا ولکن تدعون سمیعًا بصیرا[1]۔" وماکان لینهاهم عن ذکر الله تعالٰی وقد قدمنا عن الدرروالاشباه وغیرهما کراهة رفع الصوت بالذکر فی المسجد[2] وفی المسلك المتقسط لعلی القاری: "قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر[3] اهـ" وصرح فی الکافی الامام الحاکم شهید الذی جمع فیه کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب وردالمحتار وغیرها بکراهة رفع	**ثانیًا** مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے: "اے لوگو! اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو، تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔" بھلا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے، ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں "کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔ "ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔" کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے: "طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔" تو پناہ بخدا یہ کہا

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علا عقبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۴۴، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام امسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۳

[3] المسلك المتقسط مع ارشاد الساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقراٰن فی الطواف[1] فھل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھٰذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلک بل انت فی ضلال بعید۔	جائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذاللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔
وثالثًا انما یعود ھٰذا التشنیع الشنیع الی الائمۃ الاجلاء الذین نھوا عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھۃ فیہ وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھٰذا ومن شنع علیھم فعلیہ دائرۃ السوء وھو الملوم والمدحور۔	**ثالثًا** یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنہوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی، وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالٰی کے دامن میں محفوظ ہیں، ہاں جو ان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔
رابعًا ھٰؤلاء الوھابیۃ ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعۃ باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلٰوۃ فی کل حلقۃ رجل یقول کبروا مائۃ، ھللوا مائۃ، سبحوا مائۃ فیفعلون، فقال والذی نفسی بیدہٖ انکم لعلٰی ملۃ ھی اھدٰی من ملۃ محمدٍ؟ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	**رابعًا** یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کای جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے، ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو سو بار لاالٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

[1] ردالمحتار کتاب الحج باب الاحرام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸، فتح القدیر کتاب الحج باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۹۰، بحرالرائق کتاب الحج باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲۹

اومفتحوا باب الضلالۃ؟ قالوواللہ یا ابا عبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیرات یصیبہ[1]۔ (الحدیث) وقد اجبنا عنہ فی المجلد الحادی عشر من فتاوٰی نا باجوبۃ شافیۃ،لکن این ذھب ھذا منھم ھھنا ام یدخلون عبداللہ بن مسعود ایضًافی وعید من اظلم نعم لاغروفقد سبوا اللہ وسبوا رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠(۲۲۷)"[2]۔	ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن!اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہنچتے ہیں۔ ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی،یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اوران سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں تو قیامت میں انہیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔
نفحہ۲۰: قدمنا فی النفحۃ الثامنۃ العودیۃ ان امام دارالھجرۃ عالم المدینۃ سیدنا مالکا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجماھیراصحابہ ذھبوا الٰی ان جعل ھٰذاالاذان بین یدی الامام بدعۃ مکروھۃ،وانما السنۃ فیہ ایضا المنارۃ وھذا مابلغھم ولکن نطق حدیث ابی داؤدالصحیح ان فعلہ بین یدی	**نفحہ۲۰:** ہم شامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کرآئے ہیں کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے،اوراپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں،مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

[1] سنن الدارمی مقدمۃ الکتاب باب فی کراہیۃ اخذ الرائ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۶۰و۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام هو السنة من لدن سید الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والسلام۔فبعض محققی اصحابه رحمهم الله تعالٰی ومنهم الحافظ ابو عمر بن عبد البرخالف فی ذٰلك ووجه الکلام الی بعض الاصحاب مع ذکرهٖ فی الکافی الفقهی عن صاحب المذحب رضی الله تعالٰی عنه وکانه وجد عنه روایة اخری اوسها و الانسان للنسیان،فقال فی الاستذکار مانقله الشیخ خلیل فی التوضیح وعنه فی المواهب وهذا نصهامع شرحهاللعلامةالزرقانی المالکی[1]۔	اور یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں،اس کی مخالفت کی اوراذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمہ اللہ علیہ کا قول بتایا،تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ انکو سہو لاحق ہوا ہو،اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔
فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر ان هذا اشتبه علٰی بعض اصحابنا فانکران یکون الاذان یوم الجمعة بین یدی الامام کان فی زمنه علیه الصلٰوة والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلك حدث من زمن هشام۔وهذا قول من قل عمله بالاحادیث وکانه یعنی الداؤدی ثم	استذکار (یہ موطاء کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیاہے) میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی،تو ان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہےاور اس سے صاحب استذکار

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۱

استشھد فی الاستذکار بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال "وقد رفع الاشکال فی ذٰلك روایة ابن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید۔ قال کان یوذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر[1] اھ"	کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی، اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا اھ۔
فانظر ان السادات المالکیة صاروا فرقتین جمھورھم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعة وانما سنته علی المنارة۔ ونازعھم بعضھم بالحدیث فاستشھد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذلاذکر لبین یدیه الافی حدیثه فحدیث ابن اسحٰق ھو السند بھؤلاء وبه ردوا علٰی جمھورھم لاانھم ردوا علیه ایضا کما ردوا علی قول جمھورھم ولکن اشتبه الرد بالمردود علی العلامة علی فقال "اما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم	تو دیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہوگئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے، سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے، اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی، اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں "بین یدیہ" کالفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کیا ہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح

[1] الاستذکار باب الجمعۃ باب ماجاء فی الانصات یوم الجمعۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۷

عن مالك انه فی زمنه علیه الصلٰوة والتسلیم لم یکن بین یدیه بل علی المنارة۔ونقل ابن عبدالبر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکره محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیره فی هذاالحدیث ان بلالًاکان یوذن علی باب المسجدفقد نازعه کثیرون ومنهم جماعة من المالکیة بان الاذان انما کان بین یدیه علیه الصلٰوة والسلام کمااقتضته روایة البخاری هٰذه[1] اھ ولیس فی روایة البخاری مایقتضی من ذٰلك شیئا[2]۔ **اقول**:قدصدق ان روایة البخاری لایقتضی شیئامن کونه بین یدیه اوعلی لنارةولکن الاستشهادکان بروایة ابن اسحٰق وانما	حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کرتے ہیں)اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ایسا ہی ابن عبداللہ نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔اور محمد بن اسحٰق کی حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے،اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے یں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی(دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بلاتفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان توخطیب کے سامنے ہوتی جیساکہ روایت بخاری کامقتضا ہے"کارد کرتے ہوئے فرمایا بخاری کی روایت میں نہ بین یدہ کاذکر ہے نہ باب مسجد کا۔ **اقول**:ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجاہے لیکن منازعین کااستدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے(جس میں لفظ بین یدہ

[1] مرقاة المفاتیح باب الخطبة والصلوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاة المفاتیح باب الخطبة والصلوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

ذکر اسم البخاری ایذانًا بان اصل الحدیث عندہ و اوصحته روایة ابن اسحٰق کما ھو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن اسحٰق بان الاذان انما کان بین یدیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مع ان حدیث ابن اسحاق ھو المصرح بھٰذا.افیرد علی الشیئ بنفس الشیئ ولکن الامر انه کتب ھذا المحل معتمدا علی ما فی الصدور ولو راجع کلام المناز عین لعلم انھم لایقولون ان حدیث البخاری یقضی بالرد علی جمهورھم والرأی انهم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق بل بله یستشهدون وبه علی جمهورھم یردون ولابعد ان کونه بین یدیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مصرح به فی حدیث ابن اسحٰق نفسه بل لانعلم التصریح به الافیه فکیف یرد علیه بمفادنفسه ولکن نسیٔ ولم یتفق له مراجعة الحدیث ولامراجعة کلام المنازعین	مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے، بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہو یدا ہے۔ (ایسی صورت میں) بھلاحدیث ابن اسحٰق پر اس بات سے کیسے رد ہوسکتی ہے کہ "اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو خود اسی سے رد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کرکے لکھا، اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے، وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے وہنے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث کلام منازعین کو بھی

واللہ یفعل مایرید ولما سبق الٰی خاطرہ ان القائلین بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینازعون حدیث ابن اسحاق ولا تمکن المنازعۃ الا اذا ارید بباب المسجد فی حدیثہ باب لیس وجاہ المنبر خطر ببالہ ان المراد باب الشرقی او الغربی وایدھٰذا الخطور انہ لم یکن فی زمنہ رحمہ اللہ تعالٰی بل منذ نحو مائۃ وخمسین سنۃ من قبلہ باب شمالی فی المسجد الکریم کان الناس بنوا ھنالک دورھم کما ذکرہ السید العلامۃ السمھودی رحمہ اللہ تعالٰی فحق لہ ان یدخل حدیث ابن اسحٰق فیما ینازعہ القائلون بکونہ بین یدیہ فکر علیھم بالرد بانہ لامستدلھم فی انکار علی الباب ولا یقتضی حدیث البخاری شیئا من ذٰلک نقوی الی ھنا امر جمھور المالکیۃ وتم الرد علی المنازعین لانعدام مایثبت کونہ بین یدیہ، لکن کان ھذا ھو مذھبہ	نہیں دیکھا، اور جو اللہ تعالٰی چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروزہ ہو جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث ابن اسحٰق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ انکے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہوگیا تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے، تو انہیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انہوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔ پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضٰی کیونکر ہوا، اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن خود احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں، اس لئے

ومذہب ائمتہ الکرام فحاول التوفیق بما یرحم الی ما ھو مذہبه بالتحقیق، فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقر بی اٰخر الامر ھو الذی کان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1] الخ، ای لم یکن الاذان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی اوالغربی(وھذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالك)ثم استقرالامر خیرًاعلٰی کونه بین یدیه(وھومراد المنازعین فیه)"	ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔
اقول: انت تعلیم انه مبنی علی ماشبه له وتوجیه کلام مالك بما ذکرتوجیه بمالایرضی به فقد اسلفنا عنه انه رضی الله تعالٰی عنه نھی عن الاذان بین ید الامام۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًااذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیاحاصل)
ثم حاول التطبیق بوجه اٰخر بعیدسحیق فقال و بان اذان بلال علی باب المسجدکان اعلامافیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن [2] اھ۔	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو، اور یہی حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل ہوا ھ۔

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

يشيرالى الاثرالمذكورعن تفسير جويبر وقد كان قدمه ورده وذكره ثمه توفيقا ينبغى نقله ليتضح به مرامه بهٰذاالتطبيق قال بعد ماذكران عثمان رضى الله تعالٰى عنه هو الذى احدث الاذان الاول مانصه، "ولا يعارض ان عثمٰن هو المحدث لذٰلك ماروى ان عمر هوالأمر بالاذان الاول خارج المسجد يسمع الناس ثم الاذان بين يده ثم قال نحن ابتدعنا ذٰلك لكثرة المسلين لانه منقطع ولا يثبت وانكر عطاء ان عثمٰن احدث اذانًا، وانماكان يامر بالاعلام ويمكن الجمع بان ماكان فى زمن عمر (رضى الله تعالٰى عنه) مجرد الاعلام واستمرفى زمن عثمٰن (رضى الله تعالٰى عنه) ثم رأى ان يجعله اذانًا علٰى مكان عال

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالااثر کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے زکر کرکے اس کارد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں،اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشاء بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا، پھر انہوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لكونه خلیفة مطاعا[1] اھ۔ **اقول**:ولا یذھب عنك ان ھذا قمع لاجمع اذقدال الامر الی انه جعله اذانًافقد احدث اذانًا وعطاء ینكره فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیرہ ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه ھو الذی احدثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامردلھا فلاحجة فی انكار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔ ولھذا الشیخ لما جمع بان عمر ضی اللہ تعالٰی عنه احدث اعلامًاواستمر	بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اوران کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرارکیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، توحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔توملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی!اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہاجائے (۱) مثبت روایت (یعنی ذو النورین کا موجداذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ توحضرت عطاء کے انکار کاکچھ فائدہ ہوگانہ تفسیر جو یبر کی روایت اثرانداز ہوگی۔ الختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃاللہ علیہ کے قول کے معنٰی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

الیٰ زمن عثمان رضی الله تعالیٰ عنه وجعله بعد اذا نا فالیٰ هذا یشیر بقوله "فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن "ولما کان یرد علیه ان علی تطبیقکم هذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین۔ حاول ان یرفو هذاالخرق فقال "ولعله ترك ایام الصدیق اواواخر زمنه علیه الصلٰوة والسلام ایضاً فلهذا اسماه عمر بدعة وتسمیة تجدید السنة بدعة علی منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعة هی [1] اھ" **اقول:** ولا یخفٰی علیك ان الشیخ انما یبدی هذه الاشیاء	علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علٰی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ در اصل اذان نہ تھی نماز جمعہ کا اعلان تھا۔اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان رواج عہد رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اعلان کراکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی! ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ "یہ اعلان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اوراس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی" **اقول:** (میں کہتاہوں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

بیمکن ولعل وما بیدہ سند علٰی شیئ من ھذا اولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مأل ترجباتہ واحتمالاتہ انہ کان علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علٰی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبرثم ترک الاعلام فی اواخر عھدہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ثم ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالك انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھذا الاعلام اما الاذان فما کان الابین یدیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔	"ہوسکتا ہے" اور "ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات و احتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ امسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں:)
اولًا: لایلائم قول مالك	**اولًا:** امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ینھی عن الاذان بین یدی امام لاعن اعلان اٰخر قبلہ ولا کان فی عھدہٖ رضی اللہ تعالٰی عنہ اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکرہ ویقول انہ محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔	امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔
وثانیًا لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانہ ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان ھو بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسہ ویقال ان ما علی الباب کان اعلامًا وما بین یدیہ کان اذانًا فان کان الاذان فی حدیثہٖ بمعناہ فالذی کان علی الباب کان اذانًا وان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیہ کان اعلامًا فکیف التفریق واین التطبیق۔	**ثانیًا:** یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بی تھی اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی؟
وثالثًا: اجمعت الامۃ ان الذی کان عند جلوسہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر کان ھذاالاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعھم انہ لم یکن فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ شیئ غیر ھذا ولا علٰی عھدالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ لم یکن علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی	**وثالثًا:** اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و

علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علٰی جعل قوله الصلٰوۃ خیر من النوم تثویبًا۔فلو کان ھذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علٰی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وھو خلاف الاجماع۔ **ورابعًا:** اذا ترك ھذا فی اواخر عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی الله تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لا اعلام ولا اذان وھذا خلاف الاجماع۔ **وخامسًا:** اذن لا یستقیم قول عمر "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین [1] لا احداثًا ولا تجدیدًا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام۔" **وسادسًا:** اذن کان اذان	عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا، ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلٰوۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **رابعًا:** اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **خامسًا:** اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطور احداث نہ بطور تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔ **سادسًا:** اس تقدیر پر اذان خطبہ

[1] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔	ہی تو نو ایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔
وسابعًا: كيف يكون هذا اصلا لاعلام عمر وعثمان فانه كان قبل جلوس الامام وهذا عند جلوسه على المنبر۔	**سابعًا:** یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا؟ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتارہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔
وبالجملة فيه مفاسد اظهر من ان تظهروا كثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰى كتب البحث مندون مراجعته عــــه للحديث ولا الكلام	الحختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام مناز عین، اور کلام امام مالک

عــــه: ولذا انسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤد وقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب على المؤلف المؤاخذه فی ترك الترمذی "ان الحديث اذا كان فی احد الستة لايعزی لغيرها كما قال مغلطائی [1]۔" انتهٰى منه حفظه ربه۔

اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجود یہ کہ یہ اس سے افضل سنن ابوداود میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہی منہ حفظ ربہ۔ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة

المنازعین، ولا لکلام مالك واصحابه الاکثرین والا لم تعرض تلك الاوهام ولم یستقم له تاویل حدیث ابن اسحٰق ولا ماینکر علیه مالك بالاعلام۔ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهٰذا البحث الذی لیس له روح لیعیش انما هوتشبث الغریق بالحشیش وتقدم بعض مایلیق به فی النفحة التاسعة الحدیثیة۔

اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض نہ ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کرچکے ہیں۔

ثم لیس فیه علی ماقررنا مایقر عینهم اذلیس فیه ان الاذان کان علی عهده صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی جوف المسجد وفیه الکلام واللہ المستعان وللہ الحمد۔

لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحه۲۱: قال القهستانی فی شرح النقایة عند قولها (اذن ثانیا بین یدیه) ای بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر والامام ویساره قریبامنه ووسطها بالسکون فیشمل ماذا اذن فی زاویة قائمة او حادة اومنفرجة حادثة من خطین خارجین من هاتین الجهتین ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ماذاکان

نفحہ۲۱: قہستانی نے شرح نقایہ میںمصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح میں کہا: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الٰی وجه ما یضاف الیه الیدان، فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذاکان ظهره الٰی ظهر المضاف الیه الااذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین [1] اھ۔	سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتاہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔اوراس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں اوراس کی بات سنیں۔اھ)
اقول: ھذا کلام تحیر ھٰؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشهدبه بعضهم بجهله ولیس فیه الامشتت لشمله ومسفه لعقله ثم هو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالٰی اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الٰی اجهل ھٰؤلاء فنطرحه ولنقدم لذٰلك مقدمات نوضحه۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیاہے اوراس عبارت کا حل کرنا انہیں مشکل پڑرہاہے اوراس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔اورفی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ اوران کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی۔اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں تو بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔
الاولٰی: المنبر فی قولهم	**مقدمہ اولٰی:** فقہاء کے قول

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۹۔۲۶۸

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب النقل والعقل المصیب اما لنقل فقول العلامة المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس، وفی القدوری بین یدی المنبر وهو مجاز اطلاقًا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوهاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب[1] اھ	بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازًا خطیب مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحر الرائق کا یہ قول ہے جو انہوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھا ہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازًا خطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔" ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ "منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔"
"واما العقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الامام علی احد طرفیه والمؤذن بحذاء طرفه الاخر فقد اخطأ السنة لانه لیس بین یدی المنبر مع انه بین یدی المنبر لاشك فعلم ان السنة هو کونه بین یدی الخطیب دون المنبر اذ العود غیر مقصود وقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجه الا الامام امام الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والسلام هذا ظاهر جدا۔	عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں، تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کر دی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں، اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔ مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو محالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

[1] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۱

الثانیۃ [۲] :فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین مابین طرفی الشیئ کمرکز الدائرۃ۔وبالسکون اسم بھم لداخل الدائرۃ مثلًا ولذٰلك کان ظرفًافالاول یجعل مبتدأ وفاعلاومفعولابہ وداخلاعلیہ حرف الجرولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔تقول وسطہ خیر من طرفہ وتسع وسطہ،وضربت وسطہ، و جلست فی وسط الدار ،وجلست وسطھا بالسکون لا غیر ،ویوصف بالاول مستویافیہ المذکر والمؤنث و الاثنان والجمع وقال اللہ تعالٰی "جلعنا لکم امۃ وسطًا"وللہ علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللہ ،او اعتق عبدین وسطا [1] اھ۔وفی الصحاح کل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالتسکین	**مقدمہ ثانیہ**: مُغرب میں ہے: الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا، جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔اورالوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے، تومثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہاجاتاہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔اوروسط بالتحریک مبتداء ، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتاہے، اوراس پر حرف جر بھی داخل ہوتاہے۔اوروسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔چنانچہ کہا جاتاہے "وسط خیر من طرفہٖ"اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہواہے۔"وتسع وسطہ"یہ وسط کے فاعل ہونے کے مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطہ"اس کے بیچ میں مارا۔یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔اور"جلست فی وسط الدار"توگھر کے وسط میں بیٹھا،یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتاہے، جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔یہاں متوسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

[1] البحرالرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱و۳۵۲

"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیه فهو بالتحریك "کجلست وسط الدار ،وربما سکن ولیس بالوجه اھ[1]۔	ایک علامت یہ بھی ہے کہ وسط بالتحریک مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "**جعلنا کم امة وسط**" ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "للّٰہ علی ان اھدی شاتین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے "**واعتق عبدین وسطًا**" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے "**جلست وسط القوم**" میں قوم کے درمیان بیٹھا۔اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہوتو وسط بالتحریک ہوگا جیسے "جلست وسط الدار" میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ بحر۔
الثالثة۳:کل زاویة جعل منتصف وترھا مرکزًا ورسمت علیه ببعدا حدطرفیه قوس الٰی جهة الزاویة حتی وصلت الی الطرف الاُخرفان الزاویة ان کانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء رأسها اوحادة فدونه وبالعکس ان مرت القوس برأسها فهی قائمة اووقعت وراءہ فمنفرجة اودونه فحادة۔	**مقدمہ ثالثہ**: جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے،اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زایہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔اسی کو اُلٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

[1] الصحاح تحت اللفظ "وسط" داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۹۷۵

وبعبارۃ اخری کل خط نصف ورسمت علٰی منتصفه ببعد احد طرفیه قوس وصلت لطرفه الاٰخر فاذا جعلت ھذاالخط قاعدۃ مثلث واقع الی جھۃ القوس فان وقع راسه علی نفس القوس فزاویۃ قائمۃ اووراء ھا فحادۃ اودونھا فمنفرجۃ وبالعکس ان کانت زاویۃ الراس قائمۃ تقع علی نفس القوس اوحادۃ فورائھا منفرجۃ فدونھا۔	اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگریوں بھی ہوسکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہوجائے جو جانب قوس واقع ہے۔تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر وقع ہوتو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس قوس سے باہر کی طرف واقع ہوتو زاویہ حادہ ہے۔اور قوس کے اندر واقع ہوتو زایہ منفرجہ ہوگا۔اور اسے الٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہوتو نفس قوس پر واقع ہوگا اور حادہ ہوتو قوس کے باہر۔اور منفرجہ ہوتو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

توضیح دعوی

ولیکن اب خطًا رسمًاعلٰی نصفه ح ببعد اقوس اح ب ثم جعلنا ہ قاعدۃ مثلثات ا ء ب.ا ر ب.اہ ب فزاویۃ الواقعۃ علی القوس قائمۃ والواقعۃ ورائھا	ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کردیا گیا ہے اور اسی ح کو مرکز مانکر اسے شروع کرکے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔اح ب، پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں اءب، ارب، اہ ب کا قاعدہ

حادة وه الواقعة دونها منفرجة۔وان كانت الزوية قائمة تقع على نفس القوس مثل ء،اوحادة تقع خارجها مثل ر،اومنفرجة فداخلها مثل ہ۔	قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے،اوزاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے،اورزاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگرزاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء،اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔جیسے زاویہ ر اوراندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوت دعوٰی کی تقریر

وذٰلك لان القوس نصف دائرة وقد وقعت فيها زاوية ء فهى قائمة بحكم ل من ثالثة الاصول فتكون رحادة والاجتمع فى مثلث ب ء ر قائمتان وهو محال بحكم لب من اولٰى الاصول۔وكذاب ه ء حادة لعين ذٰلك فب ه ا منفرجة بحكم بح من اولٰى ها۔ ثم لتكن ء قائمة فلا موقع لها الا على نفس	یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اوراسی پر زاویہ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے،اورچونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ع ر میں بیک وقت دوزاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولی کی شکل بتیس کی رو سے محال ہے،اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ع کا زاویہ ہ بھی حادہ ہے (چونکہ حادہ کے پہلو والا زاویہ منفرجہ ہوتا ہے) اس لئے مثلث ب اہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیسا کہ مقالہ اولٰی کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔ یایوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ ر کی

القوس اذلووقعت دونها مثل ہ او ورائها مثل ر وقد تبین ان ء ایضا قائمة لاتجتمع فی مثلث قائمتان، ولتکن ہ منفرجه فلا تقع الا داخل القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة اوورائها کانت حادة لما امر۔ ولتکن ر حادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة۔او داخلها کانت منفرجة لما سبق،و ذٰلك ما اردناہ وبه تبنیت العبارة الاولی اصلًا وعکسًا۔ **الرابعة**[۳]:کل زاویة غیر حادة نزل من راسها عمود علی قاعدتها فانه یکون نصف القاعدة ان کانت الزاویة قائمة متساویة الساقین والاقل من نصفها سواء کانت منفرجة مطلقًا اوقائمة مختلفة الساقین۔	طرح خارج قوس واقع ہو۔یا ہ کی طرح تحت قوس ہو،تو جس طرح زاویہٗ قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے۔اور ایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تو لامحالہ داخل قوس ہوگا کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا،یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔ یایوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہو جائے گا،یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔دلیل اوپر مذکور ہوئی۔اور یہی ہمارا دعوی تھا۔ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلًا وعکسًا ثابت ہوئی۔ ***مقدمہ رابعہ***:جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا(۲)خواہ زاویہ مطلقًا منفرجہ ہو۔(۳) یا قائمہ مختلفہ الساقین ہو۔

نمبرا کی توضیح اور ثبوت

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

فلتکن ا ح ب قائمۃ متساویۃ السقین فج أنصف ا ب بوجوہ کثیرۃ منھا ان زاویتی ج ا ب، ج ب ا متساویتان بخسمۃ الاولٰی لتساوی السقین وحیث ان ج قائمۃ فکلتاھما نصف قائمۃ بلب منھا وح ء ب قائمۃ بحکم العمود یۃ فرح ب نصف قائمۃ بلب فح ء، ء ب متساویان بسادسۃ الاولٰی، وکذا بعین البیان ح ء، ء ا فیکون ا ء، ء ب متساویین، فکل منھما نصف ا ب مساویالح ء۔	مان لیجئے کہ مثلث اح ب کازاویہ ح قائمہ متساویۃالساقین ہے تو عمود ح ا جواس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالاگیاہے وہ خط اب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے: ح اب اورح ب ا میں ا ء ب دونوں زاویے مقالہ اولے کی پانچویں شکل (شکل ماموني) کی رو سے برابر ہیں کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین اح اورح ب برابر ہیں، اورجب ح زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اورب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولٰی کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دو مثلث بن گئے ہیں اء ح اورح ء ب) اوراس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویۂ قائمہ ہے تو زاویہ ح نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولٰی کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے، اورزاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔

	پس اس مثلث کی دو ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ کی چھٹی شکل کی رو سے اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور اء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے اء اور ء ب مساوی ہوگئے۔ اور قاعدے اب کا نسف نصف ہوں گے اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

نمبر ۲ کی توضیح اور ثبوت
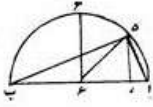
ثم لتکن ا ہ ب قائمۃ مختلفۃ الساقین فنقول ہ ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان ر لیس مرکزًا والا لکان فی مثلثی ا ر ہ، ہ ر ب ضلعا ا ر، ر ب متساویین و ر ہ مشترک وزاویتا ر قائمتان	ہم نے فرض کیا کہ مثلث اہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعوی یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں، ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائینگے، اور ہ ر دنوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب ہف فلکن المرکز ء وقلتنا ہ ء نصف القطر فلو کان ہ ر مساویاله تساوت بلاماًمونی زایتاًر ء فاجتمع فی مثلث قائمتان۔	دو قائمے) پس مقالہ اولیٰ کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ اہ او رہ ب دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں گے اور یہ خلاف مفرض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کرلیجئے۔ اس صورت میں ہر ر ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اور زاویہ ء دونوں برابر ہوں گے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں۔)
وان کان ہ ر اکبر من ہ ء کانت ء الموترۃ بالاکبر اکبر من ر القائمة الموترۃ بالاسغر بحکم بح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة فلاجرم ان ہ ر اصغر من اء۔	ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے و مقالہ اولیٰ کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زایہ ء جس کے وترہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زایویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے اوہ ر کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں، تو لامحالہ ہ ر، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

نمبر ۳ کی توضیح اور ثبوت

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطر ان مر بالمرکز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطر ح ء وان لم یمر به مثل ح ط۔	زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ا ی ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث ا ح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ا ی ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)

اخرجنا ح الی ء ك كان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم رط من الاولی وذلك ما اردناه۔ الخامسة: کل خط اقیم علی نصف عمود غیر محمد ودواخرج	تو ہم ح کو ء ک کی طرف لے چلیں گے (اور ء ک نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ک سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے جو ازاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولٰی کی شکل ۱۸ کی رو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے

من طرفیه خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت الزاویان فملتقی لا خطین علی نفس العمود والافخارجةً وعلی کل تحتمل زاویة ملتقاهما ان تکون قائمة اوحادة اومنفرجة۔	دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔اوراس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کازاویہ قائمہ یاحادہ یامنفرجہ ہو۔

(توضیح وثبوت)

| فلیکن ا ب خطًا نصف علٰی ح و اقیم علیه عمود ح ء غیر محدودفاخرج من جنبیه خطا اء۔ب ء محدثین زایتی ا ب مساویتین فانهما یلتقیان علی نقطة ء من العمود والا فیلتقیا خارجه مثلًا علی ہ وصلناہ ح ففی مثلثی اح ہ ب حہ نصف اا ح ب ح متساویان بالفرض وکذا ا ہ ب ہ لخامسة الاولٰی لتساوی زاویتی اب | مان لیجئے کہ اب ایساخط ہے جس کانصف نقطہ ح ہےاوراس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط اء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دوبرابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں،تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تولامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔مثلًا مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یاہں دو مثلث اح ہ اورب ح ہ پیداہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ح اورب ح بالفرض برابر ہیں،اور چونکہ زاویہ اور |

بالفرض وہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوی زاویتا ا ح ہ،ۃ ح ب بفحکم بح منها کانتا قائمتین وقد کانت اح ء قائمة فتساوی الکل والجزء ہف۔	زاویہ ب. برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولیٰ کی شکل خامس سے جس طرح اح اور ب ح برابر ہیں اسی طرح اہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اورہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تولامحالہ مقالہ اولیٰ کی شکل ثام کی وجہ سے زاویہ اح ہ اور زاویہ ہ ح ب. برابر ہونگے اور مقالہ اولے کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اح ء قائمہ ہے اور اح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا خبر ہے) اور اس صورت میں جزو کل مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔
ولیخرج عن جنبیه ا ہ ب ہ عن زایتین مختلفین فملتقٰی هما خارج العمود علٰی ہ والافیلتقیاعلٰی ء من العمودففی مثلثی ا ح ء،ء ح ب نصف ا ح،ح ب متساویان و ء ح متشرك و زایتاح قائمتان فبالرابع تتساوی زاویتا ا ب و قد فرضنا مختفین ہف فالحکم ثابت وذٰلك ما اردناہ۔	**دوسری صورت** کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط اہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارادعوی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف اح اور ح ب. برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ اب. برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوی کہ ناماننے سے لازم آیا، تو دعوی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوایا الثلث فی الملتقٰی علٰی کل تقدیر فظاھر لان الزایتین الحادثتین منھما فحادۃ سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذٰلك بلب من الاولی۔	**تیسری صورت** کہ دونوں قسم کے ملتقٰی پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقٰی زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے و ملتقٰی کا زاویہ منفرجہ ہوگا،اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقٰی کا زاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔یہ ساری باتیں مقالہ اولٰی کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔
اذا عرفت ھذا واعلمناك فی النفحۃ الاولی العودیۃ ان معنی بین یدیہ الترکیبی الفضاء المحقق المحصور بالجارحتین عند بسطھما اوالموھوم عند ارسالھما اعنی الخط النافذ علی الاستقامۃ من وسط احد کتفیك الی وسط الکتف الاخر ولایمکن ارادتہ ھنا وفی عامۃ استعمالات ھذا اللفظ بل ارید فیھا بالیدین الجھتان الواقعتان علی سمتھما ای تخرج من طرفی کتفیہ خطین	مذکورہ بلا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نفحہ اولی میں کر آئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے" اور "جب ہاتھ لٹکائیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودین علٰی ذالك الخط الواصل بین کتفیه فھٰذان الخطان ھما الجھتان المسامتان لیمین من اضیف الیه الیدان وشماله کما قدمنا ثمه عن الکشاف و المدارك وغیرھما فکل ماوقع بین ھٰذین الخطین بشرط القرب اللائق بالشیئ المتفاوت تفاوتاشد یدا بحسب المقام فھو بین یدیه۔	"سمجھا جاسکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علٰیحدہ علٰیحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی کو یوں سمجھئے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔) اس مضمون پر مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کرچکے ہیں قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا۔ "دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"
کما افدناك تحقیقه بمالامزید علی الی ھنا اتم معنی کلام القھستانی الٰی قوله قریبامنه۔	یہاں قہستانی کے لفظ قریبًامنہ کے یہ معنٰی نہیں کہ مؤذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ

ثم اذا نصفت الخط الواصل بین الکتفین ونسمیه الخط الکتفی واقمت وعلیه عمودًا ثالثا وایاہ نسمی العمودکان ھو ومایقع علیه وسط الجھتین المذکورتین بینھما بلاتحریك وماکان بینھما منحازاعن العمود فھو وسطھما بالسکون ووسطھما بالسکون فیشمل ماأذان اذن فی زاویة قائمة اوحادة منفرجة حادثة من خطین خارجین من ھاتین الجھتین[1]۔

ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقًا اذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کیں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہل لغت وسط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔ علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔

فالاٰن یرید الشیخ یفید ان لیس شرط کون الشیئ بین یدیك وقوعه علی العمود بل یکفی کونه بین خطی الجھة اینما کان فلاذا قال ووسطھما بالسکون وھو عطف علٰی قریبًا

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

[1] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۸

منه لانه قريب منه او علٰى بين الجهتين تفسيرًا له ثم فرع عليه جواز قيام المؤذن فى زاوية قائمة او حادة اومنفرجة وبيانه انه لايمكن جعل الخط الكتفى وتر زاوية قائمة او منفرجة يقوم فيها اى بين ساقيها المؤذن لان مابين كتفى الانسان نحو زراع فان جعل وتر زوية غير حادة كان مابينها وبين الكتفى شبرًا او اقل بحكم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اكثر من شبر ولذا تعبر اهل الهيئة و المساحة ثلثى ذراع بالقدم حيث يقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض كذا قدما ينحط الافق كذا دقيقة كما ذكرنا ضابطته وتفاريعها	کافی ہے، جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطھما بالسکون سے ظاہر ہے۔اب جی چاہے وسطھما کا عطف قریبًا منہ پر مانو کہ لفظ وسطھما اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں یا بین الجھتین پر عطف تفسیری مانو، ہر طرح معنی درست ہے۔اسی عمود وسط کے آزاد بازو اور خطین متوازیین کے درمیان کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے درمیان مؤذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلثوں کا وتر مانا جائے اور اس کے دونوں کناروں سے نکل کر جو دو ۲ خط عمود وسط پر ملتے ہیں انہیں کہ نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لمبا ہوگا۔اور اس کا نصف ایک بالشت ہوگا، تو زاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں، اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ اہل مساحت

النفیسة المحتاجة الیھا فی علم الاوقات فی تحریر اتنا التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویة مقام المؤذن بالتفائھما ونسیبھا خطی المقام عن یمین الامام وشمالہ بل عن موضع مامن امتداد خطی الھاتین وذٰلك قولہ خارجین من ھاتین الجھتین[1]۔	اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔توجب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں کل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہوا (جسکا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زاویوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"
وھما کما تری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیة المحل وھی ھنا کما یبنا بدلائل قاھرة ونصوص باھرة	دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ان کی تحدید تو محل ومقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جسے ہم دلائل قاہرہ ونصوص باہرہ سے ثابت کرآئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[1] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۷

کونہ خارج المسجد فی حدودہ وفنائہ فتعین ھو وتر الزاویۃ المقام بحکم فقہاء الکرام وسنۃ الشارع سید الانام علیہ واٰلہ افضل الصلٰوۃ والسلام فکان الشکل ھذا:	حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کا شکل اس طرح ہوگی:
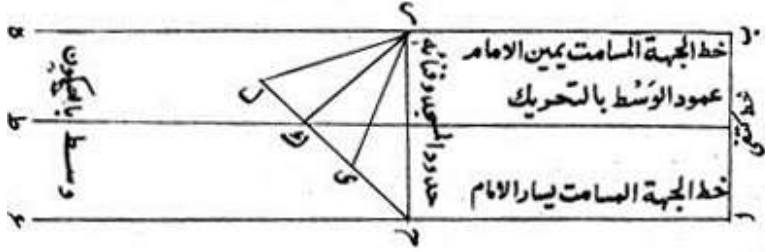
اب الخط الکتفی اء، ب ہ خطا الجہتین المسامتین ح ط العمود حر حد المسجد وفناؤہ۔ اخرج مرح ر خطا المقام ح ك رك فالتقیا علی العمود واحدثا قائمۃ ك اوخطاح ی ر ی فاحدثا ی المنفرجۃ او خطاح ل ر ل فاحدثا حادۃ ل ففی ایھا اذن المؤذن کان بین یدیہ والقیام فی ك غیر متعین علیہ۔	مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے اور اء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں اور ج ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت ھذا کمایشمل الزوایا یشمل مااذاکان ظھر المؤذن الٰی وجہ الامام۔

قلنا نعم ھوداخل فی مفھوم بین یدیہ ولکن لیس کل مایشملہ مفھوم اللفظ یکون مرادًافان الاطلاق غیرالعموم وقددلت القرائن ھٰھنا ان المرادالمواجھۃ بین الامام والموذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلۃ والمؤذن بین یدیہ وقدامر ان یستقبل القبلۃ فی الاذان فتعین ان یکون وجھہ الٰی وجہ الامام کما ان مفھوم بین یدیہ یشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لکن دلت الدلائل ان داخل المسجدغیر مقصود ولاالبعید بحیث الا یعداذانہ اذانالھذا المسجدفتعین کونہ فی حدود المسجدوفنائہ مرادًا والاعتراض علیہ بشمول مفھوم اللفظ جھل بعید کشمولہ لمستدبر القبلۃ۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰث کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشت امام کی طرف ہو۔

جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے،اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے، اور مؤذن کو اسکے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔تو متعین ہوگیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ داخل مسجد مراد نہیں،نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جاسکے تو متعین ہوگیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔تو جیسے اس پر مفہوم یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے،اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔

فان قلت قرینۃ امر

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ موذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لاتنفی ما اذا کان ظهر المؤذن لظهر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجهًا لکعبة وربما یترکون متسعا کبیرًا بین المنبر والقبلة کما هو مشاهد فی مکة المکرمة وذٰلك لان الجهتین المسامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامهما۔	روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کو نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو، اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑدیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسا ہی ہے ہ دو طرف متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہوسکتی تھی۔
قلنا نعم هذا مشکل الاان یقل باخراجه بقرینه قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم هذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وهذا بیان حال الخطبة والاذان قبلها ولذا مرضه بقوله الا اذا قیل[1] الخ۔ هذا شرح کلامه حسب مرامه۔ **اقول**: وفیه **اولًا** لا تفریع شمول الزوایا الثلٰث علیتسکین الوسط بل لوکان بتحریکه لشملها ایضًا کما علمت فی الخامسة۔	یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے، اور اس سب میں موذن بھی داخل ہے، اس لئے کہ اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوالکا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انہیں کے حسب منشا ہوئی مگر اس پر **پہلا شبہ** یہ ہے کہ زوایا ثلٰث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔ یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹

الا تری عند تساوی زاویتی ح ر تقع الکل علی العمود لما تقدم فی الخامسة مع ان ی منفرجة وك قاءمة ول ل حادة الاان یقال لیس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوایا الثلث کما تحدث علی العمود کذا خارجة فانما یشملها بالسکون۔	مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔زاویہ ی منفرجہ ہے اور ک قائمہ ہے اور ل حادہ ہے مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔افراد کا شمول بتانا ہے (یہ بتانا نہیں کہ تینوں زوایے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے۔
وثانیًا:الذی استشکله لیس بوارد اصلاًفانك ان اردت المعنی الترکیب فالکل خارج وان اردت الاجمالی فهو للامام والقدام کما	**دوسراشبہ** یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ" کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔تو

نصوا علیه وقدمناه ولا یقل سمت وجهك الا لجهة وجهك وان امکن مد الخط خلفاً وقداماً ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهام الا الخط الممتد الی هٰذه الجهة فالصواب اسقاط هذا الاشکال، و الاصواب ان یقول ووسطهما بالسکون فشمل ما اذا کانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب اومنحرفة عنهما الی احدی کیفیه ما لم یخرج عن الخطین کما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم یخرج عن الربع الذی الکعبة فی وسطه کما حققناه بتوفیق الله تعالٰی فی رسالتنا "هدایة المتعال فی حد الاستقبال "هذا مایتعلق بکلامه شرحًا وجرحًا۔

معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ توخطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا توبہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کردیا جائے، اور وسطھما کے بجائے او سطھام کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزوبازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دوخطوں سے باہر نہ ہو جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمداللہ ہماری کتاب "هدایة امتعال فی حد الاستقبال "میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔

اما هٰؤلاء فتعرض لهٰذه العبارة منهم وهابیان ضالان واٰخران جاهلان وخامسًا من الطلبة۔

اب ہم آذانیان ہند کی تگ ودو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں دو وہابی، دو جاہل،

اما احد الضالین واضلهما فجعله دلیلا علی انه لاحاجة ای المحاذاة عینا بین الخطیب المؤذن وجعله ردا علی کلام اهل الحق من هذه الجهة وهذا جهل منه شدید فان المحاذاة سنة لاشك، وان اراد بها مسامتة جهتی الموذن والامام فلا محاذاة مقصرة علیه ولا کلام اهل الحق یومی الیه لکن الجهلة لا یفهمون۔ والباقون استدلوا بها علی ان هذا الاذان داخل المسجد لضیق المنبر فان الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبا منه۔ قد علمت رده مرارا وفسر قوله الهتین لمسامتین الخ، بما بین جهتی الامام اما بیمینه او یساره۔ اتری مثل هؤلاء الجهلاء اهلا لمخاطبة۔ وامان الذی یعد من الطلبة فزاد فی الطنبور نغمة وفی الشطرنج	ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ مؤذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے، اور علمائے اہلسنت کے اس دعوی کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے۔ "مؤذن اور خطیب کا سامنا بلا شبہ سنت ہے۔" ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے، تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ ہم "سامنے" کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔ اور باقیوں نے اس عبات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔ دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبا منه سے استدلال کیا ہے (کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے" کی تصریح کی ہے) لیکن اس سے کیا حاصل۔ "قریب" کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔ اور اسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دو جہتوں کے درمیان۔ بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔ اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًامنه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه علیه فلیس هنا فی کلام القهستانی لفظة "عندالمنبر" اصلًاولا لفظة "ای"ولو کان لم یکن فیه مایقرعینه فلا القرب ینکرولا فی جوف المسجد یحصر کماتبین مرارًاواما الجاهلان فقتحما خوض بحراغرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقدعلمت رده ان المراد بالمنبر الامر اومابین کتفیه یستحیل ان یراد وترا وقال الاٰخر فی تفسیر کلام القهستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویساره حتی یلتقیا علٰی زاویة قائمة اوحادة اومنفجرة فیقوم المؤذن فی هٰذه الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبررسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم

کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑادیا۔آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا،حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔تو یہ طالب علم قہستانی پر افتراء کر رہے ہیں،وہ افتراء بھی بے مزہ،کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے،ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے،اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں،جیسا کہ بار بار واضح ہو چکا اوران دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے)سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کر آئے ہیں علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اوراس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محل ہے۔اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے،اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا،اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دو ہاتھ کی تھی،اورآدمی کا قدم

ذراعين وقدم الانسان شبروربع شبرٍ فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاوية حادة وكون الفصل ذراعين الا قليلًا وفی القائمة اقل منه وفی المنفرجة اقل من الاقل والحادة وان امكن اخرجها خارج باب المسجد لكن يسقط هذا الاحتمال قيد ان يوذن المؤذن قائمًا فی زاوية لان الباب ان بعدار بعين ذراعًاوالوتر كما تقدم ذراعان فالزاوية الحادثة خارج الباب تكون ضيقة جدا لاتسع عودا دقيقًا فضلا عن الانسان مع انما مقصود القهستانی ان تمكن الزوايا الثلاث ثمه ولا امكان هناك لغير الحادة اهـ۔

هذيانه المتعلق بالمبحث الهندسی وقد علمت انه جهل منه وسوء فهم۔

فاولًا: لم يخرج القهستانی خطی المقام عن كتفی الامام بل عن خطی الجهتين كمامرّ۔

سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے توزاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا، اور قائمہ میں اسے کم، اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جاسکتا ہے لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بیحد تنگ ہوگا، وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی، حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوء فہمی کی پیداوار ہے۔

اولًا: قہستانی نے مقام مؤذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر آئے۔

وثانیًا: لو اخرج من کتفیه استحال قیام المؤذن فی قائمة او منفرجة کما علمت۔	**ثانیًا:** اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام ناممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔
وثالثًا: جری علٰی لسانه بعض الحق من حیث لا یدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام، ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔	**ثالثًا:** اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یاہیں امام کے دائیں بائیں پلٹا تواس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اوسکا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔
ورابعًا: تخصیصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علٰی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الاقلیلًا والعلم ان نسبة الی ذرعین کنسبت ناحه نرماالط بد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذراع اواقل ثم لایجب ان یکون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلًا:	**رابعًا:** زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذراکم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف ناحہ نرماالط بد کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسااوقات منفرجہ کافاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

ادرنا علٰی ا ب القوس واقمان علی نصفہ ح عمود ح ء واخذنا ثمن ح ء فی الطرفین ح ہ ء ر ووصلنا ا ر ب ر فکانت ا ر ب منفرجۃ عمودھا ح ر ورسمنا من ہ، ہ ح موازی ح ب وصلنا ا ح ب ح فکانت ا ح ب قائمۃ نزلنا منھا عمود ح ط فکان مساویا لح ہ بحکم لد من اولی الاصول وھو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجۃ سبعۃ امثال فصل القائمۃ ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کما لایخفٰی۔

خط ا ب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور ا ب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا، اور ہم نے عمود کی دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء ر ممتاز کیا، اور ل ر ب ر کو ہم نے خطوط سے ملادیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا راس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ح ر ہے، پھر ح ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے ا ح ب ح کو بذریعہ خطوط ملادیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے راس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالہ اولٰی کی ۳۴ویں شکل کی رو سے ح ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ح ر کا ۱/۷ فرض کرآئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقًا صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة او المنفرجة عند ملتقى خطيها تسع انسانا بخلاف الحادة الذی ذکر ولم یدران التقاء الخطين علٰی نقطة لاتتجزٰی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشير معشارها مالم يبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا: ارسم له قائمة ساقاها قدر شعيرة اونصفها مثل هذا امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

وقل له قم فی زاوية اب ج هذه بحيث تسعك ولايبقٰی شيئ منك خارجها فان قال لااستطيع فقد كذب نفسه لانه كانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر، وهذه اكبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم كلها متساوية فكيف لاتسعك اكبرت او تخلخلت ام تكاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحينئذ يصير جهله

خامسًا: اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادۃ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو ۲ خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزی ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تانکہ وہ جوہر فرد نہ ہو جائے۔

سادسًا: اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انہیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھایئے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے تو انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا، پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہوگئے یا آپ میں تخلخل ہو گیا، یا قائمہ ہی تنگ و

بمرأی عینیه فیعترف به اضطرار التجربة علٰی نفسه ومشاهدته جهارًا ولاحول ولا قوة الاباللّٰه العلی العظیم۔	متکاثف ہوگیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہوگیا تب انہیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی، اور خود بذاتہ علٰی رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔
وسابعًا: وزعمه ان لامکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله الشدید مبنی علی زعمه الطرید۔ ان الوتر عرض المنبر وقدعلمت مازهر الحق به فظهر و الحمدللّٰه العلی الاکبرولیکن هذا اٰخر الکلام وقد اتینا بحمدالله تعالٰی علی جمیع ما ابد وامن الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شه به، وقد تکلف بالردعلی قضها وقضیضها رسائل اولادی و اصحابی فی هٰذه المسألة مثل "اذان من الله" و"وقایة اهل السنة" و"سلامةالله لاهل السنة" و"نفی العار" و "سیف القهار" و"تعبیرخواب" و"حق نما فیصله" و "اللطمات والاسواط" الٰی غیرذٰلك مماتافت عشرًا ولم تبق لاحدعزرًا والحمدلله فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام الله بهم نفع الاسلام ان ینظروا بعین الانصاف ویسعوا برفع الخلاف ویظهروا الحق	**سابعًا:** اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور بڑی جہالت ہے جس کا مبنٰی منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔ ویسے ان کی ہر چھوٹی بری کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللہ لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار، تعبیر خواب، حق نماز فیصلہ واللطمات والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، اللہ تعالٰی کے لئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہاء میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالٰی نے ہمیشہ نفع پہنچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالٰی کیلئے حق کا اظہار کریں۔ بزرگ وبرتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین اور ان کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔ والحمدالله رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علی سید المرسلین خاتم البنیین وٰاله الکریم وصحبه العظام وابنه الکرام وحزبه اجمعین عددکل ذرة ذرة الف الف مرة فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الهجرة القدسیة علی صاحبها الکریم وٰاله الکرام اکرم الصلٰوة والتحیة اٰمین۔
والحمدلله رب العالمین سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العٰلمین۔
قال بفمه ورقمه بقلمه احدکلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفرالله له وحقق له امله واصلح عمله بجاه المصطفٰی واهله صلی الله تعالٰی و بارك وسلم علیه وعلیهم ابدًا قدر حسنه وجماله وجوده ونواله وافضاله اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین۔

ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو۔ ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن وہر گھڑی ابدالآباد تک۔ ۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ (صاحب ہجرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ اورسلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن ہوا اللہ تعالٰی کیلئے حمد اور پاک پروردگار کے لیے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اورسلام ہے پیغمبروں پر، اوراسی کے لئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔ اپنی زبان سے کہا، اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالٰی اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اوراس کے اہل کو صلاح وفلاح دے حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے، اپنے حسن وجمال اورجود ونوال اورانعامات وکرامات کے حساب سے۔ آمین!

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیه غنیة لاولی الاباب، ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجهها النقاب وقد انطوٰی کتابنا، وللّٰه الحمد علی مایقضی علیها بالتباب غیر ان زیادة خیر خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت والیه ماٰب۔	جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ ایک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔
نفحه۲۲: متقاص فی اللداد والعناد وشیمة الحساد بقی صامتاالٰی ان تمت الردود علٰی	**نفحہ ۲۲:** خصومت وعناد اور خصلت وحساد میں انتہاء کو پہنچا ہوا، رد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے

کل مردودفنظر جمیع ذٰلك وحاول ان یستخرج له مضرجا من کل تلك المهالك فوسوس الیه وسواسه ان یفزع الٰی عرف عوام یخترعه مخالفا للغة و الشرع واصطلاح الاصول جمیعا لیردبه جمیع ما سردنامن نصوص القرآن المجید والحدیث الحمید واقاویل ائمة التفسیروشروح الحدیث وکبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقیق معانی "بین یدیه" و "عند"۔فزعم ان کل ذٰلك بمعزل عما ھو فیه فان کلامنا فی العرف العام وفیه بین یدیه وعندکلاھما للقرب ولیس فیه القرب الاالذٰلك الوجه لمخصوص الذی یوجب التصاق الاذان بالمنبر۔فتوھم بھٰذا النافذ قدخرج وشردعن کل ماوردفان مافی القراٰن و الحدیث والتفسیروالشروح کل ذٰلك معنی شرعی و ما فی کتب الاصول عرف خاص علمی والکلام فی العرب العام ولم یدران ھٰذہٖ حیلة ھدمت کل مابنی وضربت علٰی راس نفسهافقضت علیهابالفناء۔ **فاوّلا** استندت بقول الراغب فانما کتابه فی لغة العرب	اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا، تو اس کے شیطان نے یہ وسولہ ڈالا کہ لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔اوراسی ایک حربہ سے قرآن و حدیث واقاویل ائمۂ تفسیروشروح حدیث اورائمہ لغت و اصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور ند کی تحقیق میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی "قریب" کے ہیں۔اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عنداور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کو ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کو تا کپاس کردیا۔ **اوّلاً:** آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

اوالمحاورات الکریمۃ القراٰنیۃ وقدعزلتھما معاً وقولہ یقال ویستعمل[1] لایخرجہ عن لغۃ العرب الی العرف الجدیدوان اخرج عندك فقد قال فی التاج" یقال بین یدیك لکل شیئ امامك[2]۔" وفی الرضی" وان عندیستعمل فی القریب والبعید[3]۔"

وثانیًا:مافزعك الی الکشاف والمدارك اولیسامن التفاسیروانا ذکر اماذکر اشرحا للمحاورۃ القراٰنیۃ و ھی عندك بمعزل عن الاستنادوقولھما"حقیقۃ قولھم[4]"والضمیرفیہ للعرب والعرب لاتتکلم الا بلغتھا واللغۃ

تولغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے، اورآپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا۔ اور اگرآپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، توتاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے، وہ بھی توکہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج) اورعند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)۔

ثانیًا: آپ نے انکشاف اورمدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں، ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے، اورآپ قران عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پرہاتھ دھرتے ہیں۔زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقۃ قولھم" (ان کے قول کی حقیقت) تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں، اور عرب کی

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵۵۳

[2] تاج العروس فصل الباء من باب الواؤوالیاء تحت اللفظ "ید" داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۴۱۹

[3] الرضی فی شرح الکافیۃ الظروف منھا لدی ولدن دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۲۳

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵، تفسیر الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/۴۱۹و۳۵۰

لاتثبت الا بکلامھافھما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الابحجۃ وبرھان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔ **وثالثًا**: کذٰلك القراٰن العظیم انما نزل بلسنان عربی مبین قال تعالٰی "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا" [1] وقال تعالٰی "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۠ (۲۳)" [2]۔فمافیه الا کانوا یتحرونه فیما بینھم غیر ماثبت فیه النقل الشرعی فثبوت معی فی القرآن ادل دلیل واجله علی محاورۃ العرب،اللھم الان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوته خرط القتادواوادعاؤہ جزافًا امر عظیم فی الفساد،قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحر فی البحرو الشامی فی ردالمحتار:"الخطاب	بول چال تو لغت عرب ہے(توپھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں آگرچہ ہوگا تو معنی منقول،اور چونکہ نقل خالف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لانا پڑے گی،وہ کہاں سے لائیں گے؟ **ثالثًا**: یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا،اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا"اور"یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔"توقرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگرکچھ ہوتو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔توقرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ ہاس بات کی سب سے.بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں،اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری ہے۔اور مسئلہ بین یدہ میں اس کا ثبوت محال،اور خالی دعوی لایعنی بڑ ہے۔حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحر الرائق میں،اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا:"قرآن کا

[1] القرآن الکریم ۴۳/۳

[2] القرآن الکریم ۵۱/۲۳

انما باللغة العربیة ما لم یثبت نقل کلفظ الصلٰوۃ ونحوہ فیصیر منقولًا شرعیًا[1] اھ "وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی اللہ تعالٰی فلابدلاثباتھامن قاطع ولیس ھٰھنا امارۃ ظنیۃ فضلا عن القاطع فلایلیق بحال مسلم ان یجترأعلی اللہ بمالم یعلم[2]۔	خطاب لغت عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلٰوۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔" حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ الہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: "نقل کا دعوی اللہ تعالٰی پر ایک دعوی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالٰی پر یہ جرأت کرے۔" (توآپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے، نہ لغت واصول میں ہے۔یہ تو عرف عوام ہے۔بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)
ورابعًا: کل کلام انمایحمل علی عرف التکلم کمانصوا علیہ فی غیر مامقام وسیدنا ساءب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہما من اھل اللسان ولایتکلم الاعلٰی عرفھم ولم یکن لہ اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقداطلق "بین یدیہ"علی اذان کان	**رابعًا**: ہر کلام میں متکلم کے محاور اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت ساءب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔انہوں نے "بین یدیہ "کالفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا،اور اسی معنی پر ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۷

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی ان الحقیقۃ الشرعیہ لاتحتاج الی قرینہ ۱/۲۲۳

على باب المسجد وكذٰلك بينا فی "عند" عدة محاورات عامة لاينكرها الا مكابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بما يزعمونه جهل بالعرف اوفرية عليه۔

وخامسًا: ياللعجب زعم ذاك امدعی فی ردكلمات ائمة الاصول المتواتره المتظافرة علٰی ان عند للحضرة بقوله ان كل ذٰلك لغو لايجدی شيئًا انما النظرالی الحقيقة العرفية وكل سمع باسم اصول الفقه يعلم ان مايذكرفيه اصول للفقه وليس مصطلح الفقه مخالفًالما ذكر من معانی الالفاظ فی الاصول وانما البحث ھٰهنا عن لفظ "عند" الواقع فی كلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جديدا للعامة مخالفا لعرف الفقه والاصول لم يكن فيه مايقرعينك فان كلام الفقهاء انما يحمل علٰی عرف الفقهاء انما دون العوام ولكن التعصب اذا تملك اهلك۔

لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعوی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔

خامسًا: علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد و ضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے، اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنٰی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔ مسئلہ اذان ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنٰی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو اور اس نے کوئی اور معنٰی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے یہاں یہ لفظ انہیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔ دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کسی ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے

یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

سادسًا: ماذا یقول المعاند فی قول العلامۃ خیر الدین الرملی رحمہ اللہ تعالٰی فی فتاواہ "فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لایشتّی عند زوجتہ فی البلد فشتّی فی جامعھا لایقع علیھا الطلاق لان الشرط کون التشتیۃ فی البلد عندھا ولم یوجد وعند للحضرۃ الا ان ینوی ذٰلك واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم [1] اھ" بالالتقاط فھٰذہ مسئلۃ الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقد افصح فیہ ان عند للحضرۃ فظھر ان ما ذکر ائمۃ الاصول ھو العرف، وبالجملۃ فالحق ان لا خلف ھٰھنا بین اللغۃ ولسان الشرع والاصول و الفقہ والعرف کل ذٰلك متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنا نقل ولا اشتراك و لا تجوز بل معنی مطلق منتخب علٰی مصادیقہ یتعین

سادسًا: آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد یں جاڑا گزارا، تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی، اور وہ نہیں پائی گئی۔اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے بان ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی نا عرف پر ہے۔اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں۔اور زبان شرع اور اصول وفقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عند کے معنی

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸و۳۹

بعضها فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناہ وللہ الحمد۔

وسابعًا: لئن تنزلنا عن ھذا کلہ فالذی لجاء الیہ الحلیۃ امران الاول بین یدیہ وعند للقرب وقد استدلہ بالراغب وغیرہ وقدمنا انہ غیر مستنکر و لا یفیدہ ولا یضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وھذا ھو الذی فیہ مرامہ ولم یستندفیہ بشیئ سوٰی شقسقۃ اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبہ فلم یرجع سعیہ الٰی طائل۔

وثامنًا: تنزلنا عن ھذا ایضافرضنا ان ثمہ عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانہ الکلام ھٰھنا فی عرف الفقھاء الکرام فھل عندك دلیل انھم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامھم

میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔

سابعًا: اگران سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تومذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں۔لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اورا سے ہمار نقصان نہیں۔دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اوریہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔اور ہم نے ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ۔

ثامنًا: اگراس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگاتوایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاء کرام کے عرف کی ہے(نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) توکیاآپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہوکہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنٰی

ناطق ببطلان ماتحکم ولنسرد علیك شیئامنه فستهدی الی الحق ان اراد الله والافیستهدی غیرك ممن هدی الله۔

فاقول: وبالله التوفیق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حدلا یتجاوزه مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الٰی ماهو ابعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لایقدربعده الاخالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما کون للشیئ بالنظر الٰی اٰخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الٰی شیئ ثالث وله وجوه کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔ منها "قرب التناول" ان

میں بولتے ہیں۔آپ کے اس دعوی کے بطلان پر بہت سے دلیلیں ہیں ان یں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی۔

فاقول: وبالله التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے، تو جب دونوں حدوں کاذکر کردیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے، اور اس سے متجاوز نہ ہوگا ورنہ جب تک کل عالم ختم نہ ہوجائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہوسکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔ جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے، تو یہ قریب ہوجائے گی، جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے، اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کرسکتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔ لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے، اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ ان سے ایک قرب تناول ہے۔ اس کا مطلب

یکون الشیئ منك بحیث تصل یدك الیه کقوله تعالٰی "فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍۙ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۫﴿۲۷﴾"[1]۔" ومنها"قرب السمع ان یبلغه صوتك۔ومنها قرب السیر"ان لایلحقك کبیر حرج فی الوصول الی۔فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح کلامك وحصل مرامك لکنهم براء عنه قطعًا اکبر کلماتهم تراهم یطلقون القرب و یعنون به احدالوجوه الثلثة الاخیرة حتی تافت عباراتهم فی تفسیر القرب المطلق عشرًافیما یحضر فی الاٰن ولعل مالم اتذکرنحوها او اکثر۔ وبیان ذالك فی مسائل۔	یہ ہوتا ہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔ جیسے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اور ایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔ "اور ان سے ہے "قرب سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے اور ان سے ہے "قرب سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔ تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا تو آپ کا کلام درست ہوا اور آپ کا مقصد حاصل ہوتا، لیکن "حضرت اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے سی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی) جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے:
المسألة الاولٰی:اطبقوا ان الماء ان کان قریبًالم یجز التیمم للمسافروان کان بعیدًااجاز واختلفوا ان ای ماء یسمّٰی قریبابالاتفاق علی ان المراد قرب	**مسئلہ ا**: سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہوت ومسافر کر تیمّم جائز نہیں، اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب وبعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۶۔۲۷

السیر والاجماع علٰی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایۃ المنصوص علیہ کون الماء معدوما وھٰھنا معدوم حقیقۃ لکن نعلم بیقین ان عدمہ مع القدرۃ علیہ بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقد عدم الماء من بیتہ فعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج [1] اھ۔ وفی البنایۃ لیس لہ ان یتیمم اذا کانالماء قریبًا منہ [2] اھ وفیھا(م)"المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعدالماء وجہ کونہ مختارًاان المساقۃ القریبۃ جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوز لہ فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء، و عند محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرطہ ان یکون بینہ وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لوذھب الیہ وتوضأتذھب

آسان ہو، مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمّم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہوجائے۔ تو یہ جواز تیمّم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمّم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمّم کی اجازت نہیں۔ "اسی میں ہے "مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے" یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمّم کو مانع ہے اور بعد سے تیمّم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلّف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطھارۃ باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[2] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الطھارۃ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة وتغيب عن بصرہ ويجوز التيمم وهذا احسن جدًا، وقيل اذا كان نائيًا عن بصره واختلفوا فى النائى قيل قطع ميل، وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلٰوة، وقيل عدم سماع الاذان، وقيل عدم سماع اصوات الناس، وقيل لو نودى من اقصٰى المصرلايسمع، وفى البدائع ان ذهب اليه لاينقطع عنه جلبة البعير ويحس اصواتهم واصواب وراء فهو قريب، وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب۔ قال قاضى خاں واكثر المشائخ عليه وكذاذكره الكرخى واقرب الاقوال اعتبار الميل، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلايجوز تقييده بالراى قلت المسافة القريبة غير مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة	آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو تیمّم جائز ہوگااور یہ بہت عمدہ ہے۔اورایک قول یہ ہے کہ کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا، تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔اور کہا گیاکہ اتنی دور جس کے بعد نما قصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہاکہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہاکہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے اور کہا گیاکہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور وغوغاسنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔"ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخان نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کااعتبار ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے، اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا، تو میں کہوں گا کہ قریب کامانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بینهما المیل[1] اھ۔

ہے اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ۔

المسألة الثانیة: فی التنویر لوکانت البئر اوالحوض او النهر فی ملك رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذاکان یجد ماء بقربه[2] (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیرہ بالمیل کما فی التیمم[3] اھ، و رأیتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلًا ولافی طلب الماء کذٰلك المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا ارسلوہ ولم یقدروہ۔

مسئلہ ۲: تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کیوں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔" علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمّم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہئیے۔" میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا، تو ہر ضرورت منداپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔

المسألة الثالثة: فی شهادات الدر المختار یجب اداؤها بالطب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیرہ منها عدالة

مسئلہ ۳: درمختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

---

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۷

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات فصل الشرب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸۳

القاضی وقرب مکانه [1] اھ قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ان یغدوا الی القاضی لاداء الشهادة و یرجع الی اهله فی یومه ذلك قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذلك و قال الله تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شهید [2] اھ	ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔ شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کہ دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے۔ (قرب تناول مراد نہیں ہے۔)
المسألة الرابعة: فی الذخیرة ثم العالمگیریة اذا کان المدعی علیه خارج المصر انه علی وجهین الاول ان یکون قریبًا من المصر فیعدیه بمجرد الدعوی وان کان بعیدا لایعدیه والفاصل بین القریب والبعید انه اذا کان بحیث لو ابتکر من اهله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فهٰذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت	**مسئلہ ۴:** ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوی کی بنا پر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا، قریب و بعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں کو آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ ذخیرہ میں یونہی

[1] الدرالمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشهادة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

فی الطریق فھٰذا بعید [1] ۔ کذا فی الذخیرۃ ملتقطًا۔

المسألۃ الخامسۃ: قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الخراج: ثم حمل الاموال (ای الضحاك بن عبدالرحمن الاشعری) علی قدر قربھا وبعدھا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارًا، وعلی کل الف اصل مما بعد دینارًا (ومثلہ ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذلك وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذلك وحملت الموصل علی مثل ذلك [2] (فھٰذہ کلھا قرب السیر)

المسألۃ السادسۃ: فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیۃ ان کان فی کرم أوضیعۃ یکتفی باذان

ہے (التقاط)

مسئلہ ۵: ہمارے امام ثانی امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاك بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قرب وبعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب وبعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کم تر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔

مسئلہ ۶: مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے، تو اس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۳۵ و ۳۳۶

[2] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفۃ بیروت ص ۴۱

القریۃ اوالبلدۃ ان کان قریبا والافلا ،وحدالقریب ان یبلغ الاذان الیہ منہا[1]۔	ہے بشرطیکہ قریب ہو ورنہ کافی نہ ہوگی اور قریب ہونے کی حد یہ ہے کہ وہاں سے اذان کی آواز اس تک پہنچ سکتی ہو۔
المسألۃ السابعۃ: قال المحقق فی الفتح یحرم فی الخطبۃ الکلام و ان کان امرًابمعروف اوتسبیحًاو الاکل والشرب والکتابۃ(الٰی ان قال)ھذاکلہ اذاکان قریبًابحث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لایسمع اختلف المتأخرون فیہ فمحمد بن مسلمۃ اختار السکوت ونصیر بن یحیٰی اختار القراءۃ[2] الخ۔	**مسئلہ ۷:** محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشادفرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گوامر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الٰی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قراءت پسند کرتے ہیں۔
المسألۃ الثامنۃ: فی الھندیۃ من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیرذٰلك اتبع الامام الااذا کبرالامام تکبیرًا لم یکبرہ احدمن الفقہاء[3] اھ(ثم نقل عن البدائع) لکن ھذا اذاکان بقرب الامام	**مسئلہ ۸:** عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا" یہ اس وقت ہے جب

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب الثانی فی الاذان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴

[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۸، ۳۷

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۵۱

یسمع الکبیرات منه فاما اذاکان یبعد منه یسمع من المکبرین یاتی بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم لجوازان الغلط من المکبرین فلو ترك شیئا منها ربما کان المتروك ما اتی به الامام [1]۔	مقتدی امام کے قریب ہو کہ خود اس کے آواز سن رہا ہو، اور اتنی دور ہو کہ خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبّروں سے سن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبّروں کی طرف سے بھی ہے، و کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔"
المسألة التاسعة: فی جمعة البحرالرائق ذکر فی المضمر اتقال الشیخ الاجل الامام حسام الدین تجب علٰی اهل المواضع القریبة الی البلدالتی هی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت [2]۔	**مسئلہ ۹:** بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں۔"
المسألة العاشرة: فی تنویر الابصار لانقتل من امنه حرًا اوحرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذٰلك من المسلین فلاامان لوکان بالبعد منهم [3]۔	**مسئلہ ۱۰:** تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انہوں نے خود سنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱
[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوة باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۱

المسألة الحادية عشرة :وفی شرح الدرروفی الدر المختار اذا احیٰی مسلم اوذمی ارضًاغیر منتفع بھا و لیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی وھی بعیدة من القریة اذاصاح من باقصٰی العامر (وھو جھوری الصوت، بزازیة)لایسمع بھا صوته ملکھا[1] الخ۔و فی الکفایة من الذخیرة الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی یقوم رجل جھوری الصورت من اقصٰی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلٰی صوته فای لموضع الذی لایسمع فیه یکون بعیدًا[2]۔	**مسئلہ ۱۱:** شرح درراور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو، نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو، بزازیہ تو آواز سننے میں نہ آئے، تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا۔" اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے: "قریب وبعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر پوری طاقت سے پکارے اور آواز وہاں نہ پہنچے تو وہ بعید ہے۔"
المسالة الثانية عشرة:وفی الدرالمختار لوجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة و الدیة علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیدا عن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منھا فعلی اقرب المحلات الیه[3] (قال الشامی قوله قریبامنھا)الظاھر ان	**مسئلہ ۱۲:** درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قید خانہ مُں اور مسجد جامع میں پایا گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے البتہ اگس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔اور اگر قریب ہوں تو جو محلّہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے۔" امام شافعی نے فرمایا کہ "ظاہر

[1] الدرالمختار کتاب احیاء الموت مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵

[2] الکفایة مع فتح القدیر کتاب احیاء الموت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۲

[3] الدرالمختار کتاب الدیات باب القسامة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۲

المعتبر فیه سماع الصوت[1]۔ **المسألة الثالثة عشرة**: فی الهدایة وان وجد فی بریة لیس بقربها عمارة فهو هدر وتفسیر القرب ما ذکرنا من استماع الصوت[2]۔ فهٰذه کلها قرب السمع۔ **المسألة الرابعة عشرة**: ماقدمنا عـــہ	یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔" **مسئلہ ۱۳**: ہدایہ میں ہے: اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سنی جارہی ہو۔" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔ **مسئلہ ۱۴**: نفحہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عـــہ: وفی الهندیة من الفتاوی الکبرٰی وهی المسئلة الخامسة عشرة جری بینه وبین امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لها ان سبت اختی بین یدی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج علیها وهی تشاجر مع اخته وتسبها فسمع الزوج ان سبتها وهی تراه طلقت لانها سبتها بین یدیه[3] کذا فی الفتاوی الکبرٰی۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے، اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا اور انحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی اوا سے گالیاں دے رہی تھی جنہیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہو گئی کیونکہ اس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۰۷

[2] الهدایة کتاب الدیات باب القسامة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۳۸

[3] الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۳

فی النفحة الثانیة العودیة عن الجوھرة النیرة ھذا اذا کان الحافظ قریبًا منه ای بحیث یراہ اما اذا بعد بحیث لایراہ فلیس بحافظ[1]۔فھذا قرب البصر ھذہ مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقھاء الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم لابدمن قرب التناول والافما المعین له والحامل علیه نسأل الله اراءة الحق والھدایة الیه اٰمین۔	کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو وہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قرب بصر کی مثال ہے اور فقہاء کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہ رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا مؤذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول امر وہوگا، ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔
وتاسعًا قداعترف الرجل ان فی العرف لعندفی کل محل حد علیٰحدة للقرب بقرینة القیام فکان علیه ان یثبت بالدلیل ان قضیة مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی،لکنه ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولو کفت الدعوی للثبوت لقام بالبرھان کل مبھوت،فمالك تقر ولاتقر وتمیل الی الحق ثم تفر۔	**تاسعًا:** یہ شخص اعتراف کرچکا ہے کہ عندہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئیے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے لیکن اس نے ایک دعوی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کا کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوی کافی ہوتا تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔
وعاشرًا: وقال الله	**عاشرًا:** اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

[1] الجوھرة النیرة کتاب السرقة مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزوجل "وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ" [1] ولكل شيئ قسطاس وقسطاس الكلام له كفتان، الشرع والعقل، فمن رزق حظاً منهما لايحمله الا على مايوفقهما، اما الجاهل فلابيده ميزان ولا هو يعرف الاوزان فاذا امره م يفترض عليه طاعته ان قم فصل ركعتين فلاتتأخر لمحة، فلعله يقول امر نى بالصلٰوة بغير وضوء اذل وذهبت اسكب الماء ثم توضأت ثم الى محل الصلٰوة رجعت لفات الفور وقد نبأنى ان لا تأخر لحظة۔

"درست میزان سے تولو۔" اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتا ہے۔ تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہوجائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

ولوحلف زيد والله لايسكن هذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ينقل المتاع ولم يقصر ومكث فى هذا يوماً مثلاً، يظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ينقل يوماً لكن العالم يعلم ان قدر الوضوء مستثنٰى فى الاول شرعا وقدر ما تيسر له فيه النقل مستثنى فى الثانى عقلافلاينتفى بهما الفور، فى الخانية ثم الهندية رجل حلف لايسكن هٰذه الدار

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فوراً ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعاً مستثنٰی ہے، اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلاً مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فوراً میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: "جس شخص نے

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۳۵

فخرج بنفسه واشتغل۔بطلب داراخری لینقل الیها الا هل والمتاع فلم یجد دارًااخری ایامًاویمکنه ان یضع المتع خارج الدار لایکون حانثا،وکذالو خرج واشتغل بطلب دابة لینقل علیها المتاع فلم یجد اوکانت الیمین فی جوف اللیل ولم یمکنه الخروج حتی الصبح اوکانت الا متعة کثیرة فخرج وهو ینقل الامتعة بنفسه ویمکنه ان یستکری الدواب فلم یستکرلایحنث فی جمیع ذٰلك،هذا اذا نقل الا متعة بنفسه کما ینقل الناس فان نقل لا کماینقل الناس یکون حانثا[1] اھ۔ وکذٰلك اذ جلس عالم یفید ویلقی الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفاحتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته هیبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل یستمع من بعد	قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا،تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا،اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگاجو چند دن نہ مل سکا۔اہل وعیال اوراسباب اسی گھر میں رہے۔ اورایسا ممکن تھاکہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا،تب بھی حانث نہیں ہوگا،یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لاد کرلے جائے،یا قسم رات میں کھائی،اورات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھا کر منتقل کرنے لگااس میں تاخیر ہوئی وہ سواری کرسکتا تھامگر سواری نہیں کی۔ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو،معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویساہی اٹھایا،ورنہ حانث ہوگا۔" ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اورسامعین دروازہ تک صف درصف بیٹھے ہوئے تھے،کوئی طالب علم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا،توخود عالم نے اسے قریب ہونے کاحکم دیا،

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۵

فامرہ العالم ان یقترب اوامر السلطان بعض حواشیہ بالقرب،فالجاھل یقول القرب مطلق و المراد بہ فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابھم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجرہ ویطأفراش الملك ویطلع سریرہ الٰی ان یلزق جنبہ بجنبہ فیستحق التعذیر فی الدنیا والتعذیب فی الاٰخرۃ،والعیاذباللہ تعالٰی،والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًاوعرفًا فالسائل لینتھی عندالباب دون مجلس العالم و الحاشیۃ یتقدم الٰی منتھٰی منصبہ والبواب الی الباب، والوزیرالٰی قرب السریرثم یقف ویعلم ان الجاھل المستند بالعرف ھوالذی اخطأ العرف فان لمفھوم بالقرب المطلق ھو القدر القدرالسائغ دون تحدی الحد۔	یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقًا قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جابیٹھے گا،اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گااور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا اور بادشاہ کی تعذیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعًااور عرفًا گنجائش ہے،تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا، اور پتا چل جائے گا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی،اس لئے کہ مطلقًا قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو،نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔
وبالجملۃ الطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًاان الشیئ یذکر مرسلا ولایراد الاعلٰی ماعرف منشروطہ وقیودہ وادابہ ومن یقطع النظر عن کال ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابہ قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین	خلاصۂ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے اور عقل وشرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط وقیود وآداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گاتو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذاعرف شروطه وذکر مطلقًاینصرف الیها کقول اللہ تعالٰی اقم الصلٰوۃ ای بشروطها [1] اھ۔ واذاعرفت ھذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقھاء اذا اطلقوا القرب ارادوبه اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیه الا مایسخن عین السفیه فانه لایراد الا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔ وقد عرف من الشریعة المطھرۃ کراھة الاذان فی المسجد فمنتھی قرب المؤذن علٰی حدود المسجد ثم فی الحد ایضا استماع و اقرب مواضعه من المنبر ماکان علٰی محاذاته لانا اذا خرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاھب علی استقامة سمته وترالحادۃ وسائرھن اوتار القائمة فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائه کان قریبًا منه بحیث لااقرب فوقه فکان ھذا معنی قولھم عندالمنبروھو	"کہ کسی شے کے شرائط معروف ہوں اور اسے مطلق بولا جائے تو انہیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز" کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔" جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئیے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی، اور اس حد میں بھی سماعت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔ تو مؤذن اگر ادھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبًا منه کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دارالکتب العلمیة بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی مایسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔ وﷲ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین واکمل سلام المسلمین والحمدﷲ رب العالمین۔	گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل وجمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درودوسلام ہو۔آخری دعا یہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا

فضائل ومناقب

مسئلہ ۴: بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض ونفاس سے مبرا منزہ تھیں، یہ سچ ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حدیث میں آیا ہے:

ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لم یحض ولم تطمث [1]	بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: از بنگلور جامع مسجد سید شاہ مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ [2]" (میرا یہ

[1] کنز العمال برمز خط عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۱۰۹

[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر تعظیم الاولیاء لہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی تفصیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں ایسے ماوراء متقدمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر مکتوبات میں ہے کہ مجدد نائب مناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہیں اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں[1]۔

پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث الاعظم ان سب اولیاء سے افضل اور ان کے بعد خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سب کے سب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نائب ہیں تو یہ عقیدہ بخیال صوفیہ جائز ہے یا جائز نہیں؟

الجواب:

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد ومدار سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد گمراہی وضلالت، اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشہادت اولیاء وشہادت سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وبمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے یہ ہی ہے کہ باستثناء انکے جن کی افضلیت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرم وبعض اکابر تابعین عظام کہ "وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ"[2] (اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں، اور اپنے ان القاب سے ممتاز ہیں ولہٰذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سرداران اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی وبایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید وابوبکر شبلی وابو سعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند وحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وحضرت سیدنا بہاؤ الملۃ والدین نقشبند اوان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکتھم وانوارھم (اللہ تعالٰی انکے اسرار کو مقدس بنائے اور ان کی برکات وانوار ہمیں عطا فرمائے۔ت) حضور سرکار غوثیت مدار بلا استثنا ان سب سے اعلٰی واکمل وافضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تا زمانہ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتاد اربعہ، مبدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نقبا، نجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبرا سب حضور

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۴

[2] القرآن الکریم ۹/۱۰۰

سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں ۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں	ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اس کی روشنی کے سے جہاں کہیں تو دیکھے انجمن بنائے ہوئے ہیں۔ت)

یہ چشتی نقشبندی، سہروردی	ہر اک تیری طرف آئل ہے یا غوث[1]
ملائک کے بشر کے جن کے حلقے	تیری ضو ماہ ہر منزل ہے یا غوث
بخارا و عراق و چشت و اجمیر	تیری لو شمع ہر محفل ہے یا غوث[2]
شجر سرو سہی کس کے اُگائے تیرے	معرفت پھول سہی کسی کا کھلایا تیرا
تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار	لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا
نہیں کس چاند کی منزل میں تیرا جلوۂ نور	نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر	کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز	کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام	باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا[3]

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر من و تو زید و عمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزان فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔ ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اجلۂ اعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضور والا کا وہ فرمان واجب الاذعان کہ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ[4] (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت)

---

[1] حدائق بخشش وصل سوم مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۱۰

[2] حدائق بخشش وصل اول فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۸

[3] حدائق بخشش وصل سوم در حسن معافرت سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱/۷

[4] بھجۃ الاسرار و معدن الانوار ذکر اخبار المشائخ عنہ بذلك مصطفی البابی مصر ص ۴

کہ حضور والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیاء نے بحکم الٰہی اسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا، نیز ارشاد اقدس:

الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علٰی احدًا۔ رواہ الامام الاوحد ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی نورالملۃ والدین ابوالحسن قدس سرہٗ فی بھجۃ الاسرار قال اخبرنا ابو علی الحسن بن نجم الدین الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو محمد علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ فذکرہ۔	آدمیوں کیلئے شیخ ہیں اور جن کیلئے شیخ ہیں اور فرشتوں کیلئے شیخ ہیں اور میں ان سب کا شیخ ہوں، مجھے کسی پر نہ قیاس کرنہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو (اس کو روایت کیا امام یکتا ابوالحسن علی بن یوسف بن حریر لخمی شطنوفی نورالملۃ والدین قدس سرہٗ نے بہجۃ الاسرار میں، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو علی حسن بن نجم الدین حورانی نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی شیخ عارف ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی نے، انہوں نے کہا مین نے شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا (آگے وہی حدیث ذکر کی)۔ ت)

حضور کے زمانہ اقدس کے دو ولی جلیل حضرت سید ابوالسعود بن احمد بن ابی بکر حریمی و حضرت سیدی ابو عمر و عثمٰن الصریفینی قدس اللہ سرھما فرماتے ہیں:

واللہ مااظھر اللہ تعالٰی ولایضھر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ رواہ ایضًا فی بھجۃ الاسرار[2]۔	خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے کوئی ولی ظاہر کیا نہ ظاہر کرے مثل شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں روایت کیا ہے۔ ت)

سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں:

مااوصل اللہ تعالٰی ولیا الٰی مقام الا وکان الشیخ عبد القادر اعلاہ	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر اس سے اعلٰی رہے،

[1] بھجۃ الاسرار و معدن انوار ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ محدثا بنعمۃ رب مصطفی البابی مصر ص ۲۳، ۲۲

[2] بھجۃ الاسرار و معدن انوار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشئی من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

ولاوھب اللہ المقرب حالاالاوکان الشیخ عبدالقادر اجلہ وما اتخذ اللہ ولیا کان اویکون الاوھومتأدب معہ الی یوم القیمۃ۔رواہ ایضافی بھجۃ الاسرار[1] عن الشیخ القدرۃ جمال الدین بن ابی محمد بن عبد البصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام مشافۃ بلاوسطۃ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جس مقرب کو کوئی حال عطا کیا شیخ عبدالقادر اس سے بالا رہے،اللہ کے جتنے اولیا ہوئے اور جتنے ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا ادب کرتے ہیں۔(اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں شیخ مقتدا جمال الدین بن ابو محمد بن عبدالبصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اس کو سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بالمشافہ بلاواسطہ روایت فرمایا۔واللہ تعالٰی اعلم۔)

مسئلہ ۱۰۶تا۱۰۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ان مسائل میں کہ:

(۱) جناب باری عزّاسمہٗ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہ جہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کتنے؟

(۲) سورہ فاتحہ وسورہ اخلاص میں صرف خداہی کی تعریف ہے یا رسول کی بھی؟

(۳) جو بزرگ عالم حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم فرماتے ہیں اگر بعد وصال کے خواب میں تعلیم کرے تو اس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رو سے چلنا کیسا ہے؟

(۴) سنا ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے،آیا اس کی کوئی خبر حدیث سے ہے؟اور کب تک زندہ رہے گا؟پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

(۵) حنانہ لکڑی جو آپ کے فرق میں نالاں تھی قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ اسما مسمّٰی سے ناشی ہے،آٹھ سو۸۰۰ سے زائد

---

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن انوار ذکر الشیخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

مواہب وشرح مواہب میں [1] ہیں، اور فقیر نے تقریبًا چودہ سو ۱۴۰۰ پائے، اور حصر ناممکن۔

(۲) سورۂ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سریح مدح ہے الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اوران کے اصحاب ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، **انعمت علیھم** چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں انبیاء کے سردار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ شیخ محقق نے اخبارالاخیار میں بعض اولیاء کی ایک تفسیر بتائی جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کردیا ہے اس میں سورہ اخلاص بھی داخل ہے۔

(۳) اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔

(۴) یہ بے اصل ہے۔

(۵) وہ (استن حنانہ) جنت کا ایک درخت کیا جائے گا، **کمافی حدیث** [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۱۱۲/۳ تا ۱۵۱

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۱۱۲/۳ تا ۱۵۱

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ

(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱: از بڑودہ ملک گجرات محلہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سید احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیاء کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لئے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا، اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومہ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیدنا جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر نہیں ہوسکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سید عبدالقادر جیلانی

قدس سرہ کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب و غوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیران پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر رودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انہیں کی تحریک و تحریص کا نتیجہ ہے۔ ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سید احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوث اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف وحال کس کو مانتے ہیں۔ دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہل عرب کا وافی وکافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر فرما کر مرہون منت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد ان شاء اللہ اندرونی تقسیم کا بہت سہولت سے فیصلہ ہو جائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرض مہلک تک نہ پہنچے گا۔

محمد عثمان ولد عبدالقادر بقلم خود، منشی سید قطب الدین، عظیم الدین بقلم خود، چھوٹے خاں، امام خان بقلم خود، ننھے بھائی، رسول بھائی دستخط خود۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1]	تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے مسلمان کو دو۲ ہدایتیں ہوئیں۔

ایک یہ کہ مقبولات بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

کہ اپنے آباواساتذہ و مشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمان کو اسی پر عمل چاہئے، اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے ان سے افضل کیا، کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس افضل بتائے۔ حاش ﷲ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضبناک ہوں گے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بیشک اکابر اولیاء واعاظم محبوبان خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نور الملۃ والدین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذا الشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین او عظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنیۃ والافعال الخارقۃ و الانفاس الصادقۃ صاحب الفتح الموفق والکشف المشرق و القلب الانوار والسرا الظھر والقدر الاکبر[1]۔	یعنی حجر سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار ان مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اوراحوال روشن اورافعال خارق عادات اورانفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اورظاہر ترسر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔

یوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ ومناقب سامیہ وکرامات بدیعہ وفضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے: ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا   تقبل الارض عنی وھی نائبتی

وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت   فامد یمینك کی تحظی بھا شفتی[2]

[1] بھجۃ الاسرار و معدن الانوار الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۶۱

(زمانۂ دوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میری لب سعادت پائیں۔)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور وماثور ہے، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سید احمد الرفاعی تجاہ الحجرۃ الشریفۃ قال:۔ فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی وھی نائبتی وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد دیمینك کی تحظی بھا شفتی فخرجت الیہ الید الشریفۃ فقبلھا[1]۔	جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا: جب میں دور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب ہو کر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی، یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہوں اپنا دست اقدس بڑھائیں تاکہ میری ہونٹ دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چوما۔ (ت)

اور بعینہٖ یہی کرامت جلیلہ حضور پر نور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے بھی مذکور ومزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر مناقب الشیخ عبدالقادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء مرۃ الی المدینۃ المنورہ وقرأبقرب الحجرۃ الشریفہ ھٰذین البیتین (فذکرھما کما مر وقال) فظھرت یدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصافحھا ووضعھا علی رأسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینۂ نور بار ہو کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سفر میں ہم رکاب تھے حضرت

---

[1] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۱

[2] تفریح الخاطر مترجم معہ اصل عربی متن المنقبۃ الثانیۃ والعشرون سنی دار الاشاعت فیصل آباد ص ۵۶ و ۵۷

سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارہواں [عـــہ] سال تھا، ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگہ عرش جاہ میں عرض کئے اور ظہور دست اقدس وبوسہ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔
جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انہوں نے بھی وہ اشعار عرض کئے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرۂ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث العارفین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب وافتراء خالص ودروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین آسمان ہل جاءیں "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾"[1] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، "فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾"[2] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعوی کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، "وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾"[3] خاب وخاسر اہوا جس نے افتراء باندھا۔ حضرت رفیع ورفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد حضرتسیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ قطب ہوئے، اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبۂ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصال اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے

عـــہ: ابن خلکا کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولٰی سنۃ ثمان وسبعین وخمسمائۃ بام عبیدۃ وھو فی عشر السبعین رحمۃ اللہ تعالٰی[4]۔	اس نے کہا کہ احمد ابن ابوالحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولٰی ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا، چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

مگر بروایت بہجۃ الاسرار عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہا درجہ دس ۱۰ سال کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/۱۳

[3] القرآن الکریم ۲۰/۶۱

[4] وفیات الاعیان ترجمہ ۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/۱۷۲

اور ۵۷۸ھ میں وصال ہوا۔ بہجہ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الهیتی رضی الله تعالٰی عنه احد من تذکر عنه القطبیة، سکن بلدة من اعمال نهر الملك الی ان مات بها سنة اربع وستین وخمسمائة[1]۔	جنکی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر ہوئے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۵۶۴ھ میں وصال فرمایا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنه القطبیة، سکن بام عبیدة قریة بارض البطائح الی ان مات بها فی سنة ثمان وسبعین وخمسمائة و قدنا هذا الثمانین[2]۔	جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی ہیں جو سرزمین طبائح کے قریہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اسی برس کے قریب عمر پائی۔ (ت)

اسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابوالوفاء نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفعت شان وبے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منه انتقلت القطبیة الی سیدی علی الهیتی رضی الله تعالٰی عنه[3]۔	ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔ (ت)

اسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو الخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا وفلان و فلان عدعشرة انفس من طالبی الاٰخرة وثلثة من اهل الدنیا حاضرین	ہمیں شیخ شریف ابو جعفر محمد بن ابوالقاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابوالخیر خبر دی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبان آخرت اور تین شخص طالبان وزارت وغیرہا مناصب دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ علی بن الهیتی دار الکتب العلمیة بیروت ص۲۸۹تا۲۹۴

[2] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفٰی البابی مصر ۲۳۵تا۲۳۷

[3] بهجة الاسرار ذکر الشیخ جاکیر رضی الله عنه مصطفٰی البابی مصر ص۱۶۹

عند شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال لیطلب کل منکم حاجۃ اعطیھا لہ(فذکر حوائجھم منھا)قال الشیخ خلیل بن الصرصری اریدان الاموت حتی انال مقام القطبیۃ قال فقال الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ "کل نمداھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وماکان عطاء ربك کان محظورا۔"قال فواللہ لقدنالواکلھم ماطلبوا[1]۔	ارشادفرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اسے عطا فرماؤں،سب نے اپنی اپنی دینی ودنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا"ہم ان کی اور انکی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔"عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اسی میں حضرت سید ابو عمرو عثمٰن بن یوسف وحضرت علی بن سلیمٰن خباز وحضرت ابوالغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمہ اللہ تعالٰی قبل موتہ بسبعۃ ایام[2]۔	حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کئے گئے۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحاب خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر وہر لشکر میں ہیں شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر وسرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تواس معنٰی پر ہر قط یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو بایں معنی قطب الاقطاب ہے، مگر قطب الاقطاب بمعنی اول یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملیت ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضور پر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین ابومحمد ولی الاولیاء،امام الافراد، غوث الاغواث، غوث الثقلین، غوث الکل، غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ مرتبہ عظمٰی اسی سرکار غوثیت بار کے لئے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور ان کے امثال قبل وبعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوس باطل ونقصان دینی ہے،والعیاذباللہ تعالٰی۔اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصلو منکالمہ مرصعابشئی من عجائب اھوالہٖ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص۳۰و۳۱

[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کالمہ مرصعابشئی من عجائب اھوالہٖ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص۳۲

سیدی نور الملۃ والدین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہٗ الشریف کی تکاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اوراس سے پہلے اتنا واضح کردیں کہ یہ امام جلیل صرف دو واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدث جلیل القدر ابوبکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے ان کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسہ سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القجاۃ محدم ابن امام ابراہم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سید السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابو محمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابوالعباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراعی وامام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل بو نصر موسٰی سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اوان کے سوااور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلاء نے انہیں امام مانا یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ **اولًا** ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند ودشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیًا انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اورانکے علوم الٰہیہ سے بتکم عقیدت بلکہ تقریبًا بلاکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثًا اشاعرہ کے ساتھ انکا برتاؤ معلوم ہے خود انکے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی قدس رہما نے تصریح فرمائی کہ شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لایبقی ولا یذرا[1] ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔اور امام اجل صاحب بہجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعًا معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان اماما جلیل کے زمانے میں تھے انکی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں بایںہمہ انکے مداح ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دو لفظ تمام مدائح ومدارج توثیق وتعدیل واعتماد وتعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا

1

الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المسریۃ ابو الحسن اصلہ من الشام ومولدہ بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء والتدیس بالجامع الازھر وقد حضرت مجلس اقرائہ واستانست بسمتہ وسکوتہ[1]۔	صاحب تعلیم فرقان حمید تمام بلاد مصریں شیخ القراء ابو الحسن کنیت انکی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس و تعلیم کی صدارت فرمائی مین انکی مجلس درس میں حاضر ہوا اور انکی روش وخاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبداللہ بن سعد یافعی قدس سرہ الشریف مراۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کرامتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فخارجۃ عن الحصر وقد ذکرت شیئا منھا فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمۃ الاکابر ان کرامتہ تواترت وقریب منالتواتر ومعلوم بلا اتفاق انہ لم یظھر ظھور کراماتہ لغیرہ من شیوخ الآفاق، وھا انا اتصر فی ھٰذا الکتاب علی واحدۃ منھا وھی ماروی الشیخ الامام الفقیہ العالم المقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندہ من خمس طرق وعن جماعۃ من الشیوخ الجلۃ اعلام الھدی العارفین المقتنتین للاقتداء	یعنی حضور پرنور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں انہیں سے کچھ ہم نے اپنی تکاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر امام وں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پرنور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں ان میں سے صرف ایک ذکر کرتا ہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریری بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیدی ۱عمران کیمانی و ۲سیدی عمر زار و ۳سیدی ابو السعود)

[1] طبقات المقرئین

قالوا جاءت امرأۃ بولدھا الحدیث۔	مدلل و مسیدی ابوالعباس احمد صرصری وامام اجل سیدنا تاج الملۃ والدین ابوبکر عبدالرزاق وسیدی امام ابوعبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائداوانی رضی اللہ تعالٰی عنہم)

وقد خرجت عن حقی فیہ للہ عزوجل ولک) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لئے اور حضور کے لئے اس پر اپنے حقوق سے درگزری، حضور نے اسے قبول فرما کر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہوگیا ہے اور اسے جو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولی! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جو کی روٹی۔ یہ سن کر حضور پرنور نے اپنا دست اقدس ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالٰی الذی یحیی العظام	جی اٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جِلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہو کر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائے وہ جو چاہے کھائے[1]۔

اور انہیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلس وعظ پر ایک چیل چلّاتی ہوئی گزری اس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوّش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا: اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسی وعظ سے اتر کر اس چیل کو اٹھا کر اس پر دست اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہو کر سب کے سامنے اڑتی چلی گئی[2]۔ ع

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی　　　مردہ را جانے دہی وزندہ را بے جاں کنی

(اے قادر! تو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ ت)

امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کتاب نہایۃ الدرایات

---

[1] مرأۃ الجنان سنۃ احدی وستین وخمس مائۃ ذکر نسبہ ومولدہ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/۲۶۸

[2] بھجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشئی من عجائب احوالہ مختصراً مصطفی البابی مصر ص ۶۵

فی اسماء رجال القراء ات میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر فضل بن معضاد نور الدین ابو الحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی الستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الناس الاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحًا فلو کان ظھر لکام اجود شروحھا ولہ تعالیق مفیدۃ.قال الذھبی وکان ذا عزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع اخبارہ ومنا قبہ فی ثلاث مجلدات.قلت وھذا الکتاب موجود بالقاھرۃ بوقف الخانقاہ الصلاحیۃ و اخبرنی بہ و اجازہ شیخنا الحافظ محی الدین عبد القادر الحنفی وغیرہ توفی یوم السبت اوان الظھر و دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشرۃ وسبعمائۃ رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فل بن معضاد نور الدین ابو الحسن لخمی شطنوفی شافعی استاد محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انہیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلاد مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور ان کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر انکی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا ان کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کئے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاہرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہٗ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادری حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنف کتاب ممدوح کا روز شنبہ وقت ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارکہ بہجۃ الاسرار شریف میں لکھا:

قد تتبعتھا فلم اجد فیھا نقلا الا ولہ	یعنی بیشک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو

[1] نہایۃ الرایات فی اسماء رجال القراءات

فیه متابعون وغالب ما اوردہ فیها نقله الیافعی فی اسنی المفاخر وفی نشر المحاسن وروض الریاحین عـــه وشمس الدین الزکی الحلبی ایضا فی کاب الاشراف وعظم شئی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذہ القصه نقلها تاج الدین السبکی ونقل ایضا عن ابن الرفاعی وغیرہ وانّٰی لغبی جاهل حاسد ضیع عمرہ فی فهم ما فی السطور وقنع بذٰلك عن تزکیة النفس واقبالها علی الله سبحٰنه وتعالٰی وان یفهم ما یعطی الله سبحٰنه وتعالٰی اولیاء ہ من التصریف فی الدنیا والاٰخرة ولهذا قال الجنید التصدیق بطریقتنا ولایة[1]۔	اول تا آخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر و نشر المحاسن و روض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مردے جلانا ہے۔ جیسے وہ مرغ زندہ فرمادیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس و توجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں کو دنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لئے سیدنا جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول: بحمداللہ یہ تصدیق ہے امام مصنف قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی خطبہ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصته کتابا مفردا مرفوع الاسانید معتمدا فیها علی الصحة دون	یعنی میں نے اس کتاب یکتا کرکے مہذب و منقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہٰی تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ

عـــه: یرید تکملته ۱۲ منه غفرله۔

[1] حاشیة امام عمر بن عبدالوهاب علی ابهجة الاسرار

الشذوذ [1]۔	سے منزہ ہو، یعنی خالص صحیح ومشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے، نہ غریب وشاذ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ و تصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ [2]۔	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نورالدین ابوالحسن دیارِ مصر میں شیخ القراء قاہرہ یں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسند تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ واسطتان [3]۔	بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دو واسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار معتبر ومقرر ومشہور و مذکور ست ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماء ست، میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است و مقدم است بر امام عبداللہ یافعی	کتاب عزیز "بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار" قابل اعتبار، پختہ اور مشہور ومعروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، آپ امام عبداللہ

[1] بھجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۲

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاھرۃ

[3] زبدۃ الآثار مقدمۃ الکتاب بکسنگ کمپنی واقع جزیرہ ص ۵

رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ ومحبان جناب غوث الاعظم اند[1]۔	یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔امام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ایں فقیر درمکہ معظّمہ وددرخدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرار کتاب معتبرست،مانزیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم وعادت شریف چناں بود کہ اگرکتابے مفید ونافع باشد مقابلہ می کردند وتصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلۂ بہجۃ الاسرار مشغول بودند[2]۔	یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت،کرم اور عدل کے مالک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا جو امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہ کے مرید ہیں،آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بہجۃ الاسرار" ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ مند اور نفع بخش ہوتی تو اس کا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے،جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچا تو آپ بہجۃ الاسرار کے مقابلہ میں مصروف تھے۔(ت)

الحمدللہ ان عبارات ائمہ واکابر سے واضح ہوا کہ ۱امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار امام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشاءخ علماء ہیں،اور یہ ۲کتاب مستطاب معتبر ومتعمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اور کتب حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ ۳کتب مناقب سرکار غوثیت میں باعتبار علو اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں موطائے امام مالک کا۔اور ۴کتب مناقب اولیاء میں باعتبار صحت اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں صحیح بخاری کا،بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اور اس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں،امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا،اور بشہادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہوا کہ اس کی ہر حدیث

[1] رسالہ صلوٰۃ الاسرار

[2] رسالہ صلوٰۃ الاسرار

کے لئے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جو احادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائیں ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لئے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالٰی برکات دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اول: قال رضی اللہ تعالٰی عنہ اخبرنا ابومحمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قداۃ العراق الشیخ ابو طاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابوالحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابو حفص عمر البریدی والشیخ ابوالقاسم عمر الدردانی والیشخ ابوالولید زید بن سعید والشیخ ابو عمر وعثمٰن بن سلیمٰن قالوا اخبرنا(الشیخان) ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قالا کنا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویتہ بام عبیدۃ فمد عنقہ وقال علی رقبتی، فسئلناہ عن ذٰلک فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الآن بغداد قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ[1]۔	مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہم سے ابو محمد سالم بن علی دمیاطی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو چھ مشائخ کرام پیشوایان عراق حضرت ابو طاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابو حفص بریدی وابوالقاسم عمر و ابوالید زید وابوعمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی خانقاہ مبارک میں میں ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا: علی رقبتی میری گردن پر۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا: اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔
حدیث دوم: (قال قدس سرہ) اخبرنا الشریف الجلیل ابوعبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد الحسینی الموصلی قال: اخبرنا ابوالفرج عبدالمحسن ویسمّٰی حسن ابن محمد بن احمد بن	مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابو عبداللہ محمد بن حضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابوالفرج عبدالمحسن حسن بن محمد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابو بکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمٰن بن

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنار أاسہ من المشایخ عند ما قال ذلک الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

الدویرة المقری الحنبلی البصری قال:قال الشیخ ابوبکر عتیق بن ابی الفضل محمد بن عثمٰن بن ابی الفضل البندلجی الاصل البغدادی المولد والدار و الازجی المعروف بمعتوق زرت الشیخ سید احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی الله عنه بام عبیدة فسمعت اکابر اصحابه وقدماء مریدیه یقولون:کان الشیخ یومًا جالسًا فی هذا الموضع،فحنارأسه وقال:علی رقبتی،فسألوه عن ذٰلك فقال:قد قال الشیخ عبد القادر الاٰن ببغداد:قدمی هذه علٰی رقبة کل ولی الله ، فارخنا ذٰلك الوقت فکان کما قال فی ذٰلك الوقت بعینه[1]۔

ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولد ازجی المعروف بہ معتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا) تشریف فرما تھے کہ اپنا سر جھکا دیا اور فرمایا کہ میری گردن پر۔جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھا و فرمایا کہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیسا آپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت رونما ہوا تھا۔(ت)

حدیث سوم: اخبرنا الشیخ الصالح ابوحفص عمر بن ابی المعالی نصر بن محمد ابن احمد القرشی الهاشمی الطفسونجی المولد والدارالشافعی قال:اخبرنا الشیخ الاصل الصالح ابوعبدالله محمد بن ابی الشیخ الصالح ابی حفص عمر بن الشیخ القدوة ابی محمد عبدالرحمن الطفسونجی قال:اخبرنا ابوعمر قال:حنا ابی یومًا عنقه بین اصحابه بطفسونج وقال: علی رأسی،فسألناه فقال:قدقال الشیخ عبد القادر الاٰن

ہمیں شیخ صالح ابو حفص عمر بن ابوالمعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ اصل صالح ابوعبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابو حفص عمر بن شیخ قدوۃ ابو محمد عبدالرحمٰن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوعمر نے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر پر۔ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن

[1] بهجة الاسرار ذکر من حنارأسه من المشائخ عند ما قال ذٰلك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ۱۳

ببغداد: قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فأرخناہ عندنا، ثم جاء الخبر من بغداد انہ قال ذٰلك فی الیوم الذی أرخناہ[1]۔

پر ہے۔ ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھا جو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔ (ت)

حدیث چہارم: اخبرنا الفقیہ ابوعلی اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح الھمد انی الصوفی الشافعی المحدث قال: اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبد القاھر بن عبداللہ بن محمد بن عبد اللہ السھروردی ثم البغدادی الفقیہ الشافعی الصوفی قال: حضر ابی ابو النجیب ببغداد بمجلس الشیخ عبد القادر رضی اللہ عنھما، فقال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فطأطأ أبی رأسہ حتی کادت تبلغ الارض، وقال علی رأسی علی رأسی علی رأسی یقولھا ثلاثا[2]۔

ہم سے فقیہ ابوعلی اسحاق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف بن شیخ ابو نجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابوالنجیب بغداد میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجلس میں فرمایا: میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچا اور تین بار کہا: میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر [عہ] (ت)

عہ: نوٹ: اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃ الاسرار سے گیارہ" حدیثیں ذکر کرینگے مگر حدیث دوم، سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل (فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲) میں موجود نہیں ہیں بلکہ انکی جگہ بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہو گئی مگر حدیث سوم وچہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی تھیں، تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بہجۃ الاسرار سے نقل کردی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیث مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔ اس طرح گیارہ احادیث پوری ہو گئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔ (مترجم)

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳

[2] بھجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳ و ۱۴

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیہ الجلیل ابوغالب رزق اللّٰہ ابن ابی عبداللّٰہ محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابواسحٰق ابراھیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوۃ الشیخ ابوعبداللّٰہ محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابوالفتوح نصراللّٰہ بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزۃ الازجی قال اخبرنا الشیخان ابوالمظفر منصوربن المبارک والامام ابو محمد عبداللّٰہ بن ابی الحسن الاصبھانی قالوا سمعنا السید الشریف الشیخ القدوۃ ابا سعید القیلوی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ یقول لما قال الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ تجلی الحق عزوجل علٰی قلبہ وجاء تہ خلعۃ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم علٰی ید طائفۃ من الملئکۃ المقربین والبسھا بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منھم وما تاخر الاحیاء باجسادھم والاموات بارواحھم وکانت الملئکۃ ورجال الغیب حافین بمجلسہ واقفین فی الھو اُصفو فاحتی استد الافق بھم ولم یبق ولی فی الارض الاحناعنقہ[1]۔

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابوعبداللہ محمد بن یوسف رقی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابواسحٰق ابراہیم رقی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابوالفتح نصراللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ اوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ ازجّی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالمظفر منصور بن مبارک وامام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اس وقت اللہ عزوجل نے ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ ملائکہ مقربین کے ہاتھ انکے لیے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اولین وآخرین کا مجمع ہوا، جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرماگئے تھے ان کی ارواح طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اس وقت ہجوم تھا ہوا میں پَرے باندھے کھڑے تھے، تمام افق ان سے بھر گیا تھا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمدللہ رب العالمین۔

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفٰی البابی مصر ص ۸و۹

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا	اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلٰی تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا	اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[1]
تاج فرق عرفا کس کے قدم کو کہئے	سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا
گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے	کشف ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[2]

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقاماته) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد وخلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابوالقاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفة رضی اللہ تعالٰی عنه وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقلت له یارسول اللہ لقد قال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علٰی رقبة کل ولی اللہ، فقال صدق الشیخ عبدالقادر وکیف لاوھو القطب وانا ارعاہ[3]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابومحمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالقاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے بکثرت مشرف ہوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یارسول اللہ! شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "عبدالقادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان۔"

کلب باب عالی عرض کرتا ہے **الحمدللہ**! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اولین وآخرین جمع کئے گئے، سب کے مواجہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں۔ اب جو چاہے راضی ہو، جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لئے رضا، جو ناراض ہو اس کیلئے ناراضی۔ جس کا جی جلے اس سے کہو "**مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ**

[1] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴ و ۸

[2] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴ و ۸

[3] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفی البابی مصر ص ۱۰

الصُّدُوۡرِ﴿۱۱۹﴾ " [1] مر جاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔وللّٰه الحجة البالغه۔

حدیث ہفتم: (قال بیض الله تعالٰی وجهه) اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه یقول الانس لهم مشائخ والملئکة لهم مشائخ وانا شیخ الکل، قال وسمعته فی مرض موته یقول لاولادہ بینی وبینکم وبین الخلق کلهم بعد مابین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدا [2]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو روشن کرے) کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو ولی جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خبر دی، کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا کہ فرماتے تھے: آدمیوں کے لئے پیر ہیں، قوم جن کے لئے پیر ہیں، فرشتوں کے لئے پیر ہیں، اور میں سب کا پیر ہوں، اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے: مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں۔ مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔ اے ہمارے آقا! آپ نے سچ کہا، خدا کی قسم! آپ صادق مصدوق ہیں۔ (ت)
حدیث ہشتم: (قال طیب الله تعالٰی ثراہ) اخبرنا ابو المعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابوالحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنة ثمانین وخمسائة وقال ابو محمد	مصنف (اللہ تعالٰی اس کی قبر کو خوشبودار بنائے) نے کہا کہ ہم کو ابوالمعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی، ایک شیخ ابوالحسن بغدادی معروف بہ خفاف، دوسرے شیخ ابو محمد عبداللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔ اول نے کہا ہمارے پیرومرشد حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا، اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳/۱۱۹

[2] بهجة الاسرار ذکر کلمات اخبربها عن نفسه الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۲ و ۲۳

اخبرنا شیخنا عبدالغنی بن نقطة قال اخبرنا شیخنا ابوعمرو عثمٰن الصریفینی قالا واللہ ما اظھر اللہ تعالٰی ولا یظھر الی الوجود مثلا لشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	مرشد حضرت عبدالغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ ان کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابوعمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم
کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[2]

حدیث نہم: (قال رفع اللہ تعالٰی کتابہ فی علیین) اخبرنا الشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری عقال سمعت الشیخ العالم اباطالب عبد الرحمٰن بن محمد الھاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوة جمال الدین ابا محمد بن عبد البصری بھا یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلوٰة والسلام أحی ھو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلوٰة والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبدالقادر قال ھو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی ھذا الوقت وما واللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاہٗ ولا سقی اللہ حبیبًا کأسامن حبہ الا وکان للشیخ عبدالقادر	مصنف (اللہ تعالٰی اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابوالمحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابوطالب عبدالرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بصرہ میں سنا، ان سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور عرض کی: مجھے حضرت شیخ عبدالقادر کے حال سے خبر دیجئے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیاء کے قطب ہیں اللہ تعالٰی نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلٰی مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبدالقادر

[1] بھجة الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعًا بشیئ من عجائب احوالہ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[2] حدائق بخشش فصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

اھناہ، ولا وھب اللہ لمقرب حالا الا وکان الشیخ عبد القادر اجلۃ، وقد اودعہ اللہ تعالٰی سرا من اسرارہ سبق بہ جمہور الاولیاء وما اتخذاللہ ولیا کان اول یکون الا وھو متأدب معہ الٰی یوم القیٰمۃ [1]۔	نے نہ پیا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبدالقادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبدالقادر کے حضور ادب کیے ہوئے ہیں۔

؎ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا [2]

حدیث دہم: قال رفع اللہ تعالٰی درجاتہ فی الفردوس اخبرنا الشریف ابو عبداللہ محمد بن الخضر الحسینی الموصلی، قال سمعت ابی یقول کنت یوما جالسا بین یدی سیدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ فخطر فی قلبی زیارۃ الشیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ فقال لی الشیخ احمد؟ قلت نعم فاطرق یسیرًا، ثم قال لی یاخضرھا الشیخ احمد فاذا انا بجانبہ فرأیت شیخًا مھابا فقمت الیہ وسلمت علیہ، فقال لی یاخضرو من یری مثل الشیخ عبد القادر سید الاولیاء یتمنی رؤیۃ مثلی وھل انا الامن رعیتہ ثم غاب وبعد وفاۃ الشیخ انحدرت	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی جنت فردوس میں اس کے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابو عبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا: کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں۔ حضور تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور انہیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر

[1] بھجۃ الاسرار ذکر الشیخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفٰی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

من بغداد الی ام عبیدۃ لازورہ، فلما قدمت علیه اذا ھو الشیخ الذی رأیته فی جانب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه فی ذٰلك الوقت لم تجدد رؤیته عندی زیادۃ معرفة به فقال لی یا خضر الم تکفك الاولٰی[1]۔

حدیث یازدہم: (قال جمعنا اللہ تعالٰی وایاہ یوم الحشر تحت لواء الحضرۃ الغوثیة) اخبرنا ابو القاسم محمد بن عبادۃ الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف ابا اسحٰق ابراھیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام ابا عبداللہ محمد البطائحی، قال انحدرت فی حیاۃ سید الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه الی ام عبیدۃ، واقمت برواق الشیخ احمد رضی اللہ تعالٰی عنه ایامًا فقال لی الشیخ احمد یومًا اذکر لی شیئًا من مناقب الشیخ عبدالقادر وصفاته فذکرت له شیئًا منها، فجاء رجل فی اثناء حدیثی فقال لی مه لاتذکر عندنا مناقب غیر مناقب ھذا، اواشار الی الشیخ احمد فنظر

کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو انہیں کی رعیت میں سے ہوں۔ یہ فرماکر میری نظر سے غائب ہوگئے پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا انہیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اس دن حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمہیں کافی نہ تھی!

مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی ہمیں اور اسے یوم محشر کو غوث اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابوالقاسم محمد بن عبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابوعبداللہ بطائحی کو سنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبدالقادر کے کچھ مناقب واوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریف ان کے سامنے بیان کئے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سید رفاعی کی طرف اشارہ کرکے کہا ہمارے سامنے ان کے سوا کسی کے

[1] بهجة الاسرار ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۷، ۲۳۸

الیه الشیخ احمد مغضباً، فرفع الرجل من بین یدیه میتًا ثم قال ومن یستطع وصف مانقب الشیخ عبد القادر ومن یبلغ مبلغ الشیخ عبدالقادر ذٰلك رجل بحر الشرعة عن یمینهٖ، وبحر الحقیقة عن یساره، من ایهما شاء اغترف الشیخ عبدالقادر لاثانی له فی عصرنا هٰذا، قال وسمعته یوما یوصی اولاد اختهٖ و اکابر اصحابه، وقدجاء رجل یودعه مسافرًا الی بغداد قال له اذا دخلت الی بغداد فلا تقدم علٰی زیارة الشیخ عبدالقادر شیئًا ان کان حیاً ولا علی زیارة قبره ان کان میتاً، فقد اخذله العهد ایما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم یزره سلب حاله ولو قبیل الموت، ثم قال والشیخ محی الدین عبدالقادر حسرة علی من لم یره رضی الله عنه [1]۔	مناقب ذکر نہ کرو، یہ سنتے ہی حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فورًا اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اٹھا کر لے گئے، پھر حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کے مناقب کون بیان کرسکتا ہے، شیخ عبدالقادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا ان کے دَہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا ان کے بائیں ہاتھ پر جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے ان سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبدالقادر اگر دنیا میں تشریف فرما ہوں تو ان کی زیارت اور پردہ فرما جائیں تو ان کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل نے ان سے عہد فرمار کھا ہے کہ جو کوئی صاحب حال بغداد آئے اور ان کی زیارت کو نہ حاضر ہو اس کا حال سلب ہوجائے اگرچہ اس کے مرتے وقت پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے ان کا دیدار نہ ملا۔

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۸

یہ کمینہ بندہ بارگاہ عرض کرتا ہے:ـ

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت محروم مدار ایں سگ خود راز نوالت [1]

(جنہوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ت)

بحرمة جدك الکریم علیه ثم علیك الصلوٰة والتسلیم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ان پر پھر آپ پر درود وسلام ہو۔ت)

مسلمان ان احادیث صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اور اس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سید رفاعی کے غضب پر ہوا، **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنٰی رکنِ ایمان نہیں کہ جو ان سے محبت نہ رکھے شرع اسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے لئے ہے مگر واللہ کہ ان کے مخالف سے اللہ عزوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، عبدالقادر کا انکار قادر مطلق عزجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا۔

بازاشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا [2]

والعیاذ باللہ القادر رب الشیخ عبدالقادر وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی جد الشیخ عبدالقادر ثم علی الشیخ عبدالقادر اٰمین۔	شیخ عبدالقادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبدالقادر کے ناناجان پھر خود شیخ عبدالقادر پر اللہ تعالٰی درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین۔

تذئیل: اخیر میں ہم دو جلیل القدر اجلۃ المشاہیر علماء کبار مکہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے، **اوّل** امام اجل ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی، **دوم** علامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتب جلیلہ۔دو غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی وقرمانی کی طرح کسی کے دل میں

---

[1]

[2] حدائق بخشش وصل چہارم در منافحت اعداء واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹

کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلہ اکابر علماء ہیں۔

دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکہ معظّمہ سے ہیں، تو اس افتراء کا جواب ہوگا جو مخالف نے اہل عرب پر کیا حالانکہ غالبًا تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے، اور حاضری حرمین طیبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہل حرمین طیبین بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اٹھتے بیٹھتے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں۔:

(۱) علامہ علی قاری حنفی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما لما ترك الخلافۃ لما فیھا من الفتنۃ والاٰفۃ عوضہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی القطبیۃ الکبرٰی فیہ وفی نسلہ وکان رضی اللہ تعالٰی عنہ القطب الاکبر سیدنا السید الشیخ عبدالقادر ھو القطب الاوسط والمھدی خاتمۃ الاقطاب[1]۔	بیشک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب بخیال فتنہ وبلایہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے ان میں اور انکی اولاد امجاد میں غوثیت عظمٰی کا مرتبہ رکھا۔ پہلے قطب اکبر خود حضور سید امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سید عبدالقادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۲) اسی میں ہے:

من مشائخہ حماد الدباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روی ان یوما کان سیدنا عبدالقادر عندہ فی رباطہ ولما غاب من حضرتہ قال ان ھذا الاعجمی الشریف قدمًا یکون علٰی رقاب اولیاء اللہ یصیر مامورا من عند مولاہ	حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ایک روز انہوں نے سرکار غوثیت کی غیبت میں فرمایا، ان جوان سید کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انہیں اللہ عزوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۶

بأن یقول قدمی ھٰذا علی رقبۃ کل ولی اللہ ویتواضع لہ جمیع اولیاء اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ[1]۔	کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ انکے لئے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجا لائیں گے۔

مامور من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیدی رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی داخل۔

(۳) اسی میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ "[2] فرمانا اور اولیاء حاضرین و غائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہو جانا بیان کرکے فرماتے ہیں:

وھذا تنبیہ بینۃ علی انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم[3]۔	یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

(۴) اسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالٰی علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض فلاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدًا یعنی فلایقاس الملوك بغیرھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ عزوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کا جو کلام ارشاد فرمائے ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لئے کہ سلاطین کا رعیت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۸

[2] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹و۱۰

[3] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹و۱۰

(۵) اسی میں ہے:

وعن عبداللّٰہ بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الٰی بغدادفی طلب العلم وکان ابن السقایومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیۃ وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغدادیقال لہ الغوث، وکان یقال عنہ انہ یظھر اذا شاء وخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبدالقادر الجیلانی وھو شاب یومئذ الٰی زیارتہ فقال ابن السقاونحن فی الطریق الیوم اسألہ عن مسئلۃ لایدری لھا جوابا، فقلت وانا اسئلہ[1] (نزھۃ الخاطروالفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص۳۰) عن مسئلۃ فانظر ماذایقول فیھا وقال سیدی الشیخ عبد القادر قدس سرہ الباھر معاذ اللّٰہ ان اسألہ شیئا، وانا بین یدیہ اذًا انظر برکات رویتہ فلما دخلنا علیہ لم نرہ فی مکانہ فمکثنا ساعۃ فاذا ھوجالس فنظر الی ابن السقا مغضباوقال لہ ویلك یا ابن السقا تسألنی عن مسئلۃ لم أردلھا جوابا، ھی کذا وجوابھا کذا، انی لاری نار الکفر تلھب فیك۔ ثم نظر الی وقال	امام عبداللہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلب علم کے لئے بغداد گیا اس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقا اور اپنی نوعمری کی حالت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ان غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج ان سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب انہیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ الاعلی نے فرمایا معاذاللہ کہ میں ان کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو انکے دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم ان غوث کے یہاں حاضر ہوئے ان کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہ غضب کی اور فرمایا: تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اور فرمایا

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۳۰

یاعبداللہ تسألنی عن مسألة لتنظر مااقول فیہا ھی کذا وجوابھا کذا لتخرن علیك الدنیا الی شحمتی اذنیك باساءة ادبک۔ثم نظر الی سید عبدالقادر و ادناہ منه واکرمه وقال له یا عبدالقادر لقد ارضیت اللہ ورسوله بادبك کانّی اراك ببغدادوقد صعدت علی الکرسی متکلما علی الملا وقلت قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبة کل ولی اللہ ،وکانّی اری الاولیاء فی وقتك وقد حنوا رقبھم اجلالا لک،ثم غاب عنا لوقته فلم نرہ بعد ذٰلک، قال واما سیدی الشیخ عبدالقادر فانه ظھرت امارة قربه من اللہ عزوجل واجتمع علیه الخاص والعام، وقال قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبة کل ولی اللہ واقرت الاولیاء بفضله فی وقته واما ابن السقافرأی بنتا للملك حسینة ففتن بھا وسأل ان یزوجھا به فابٰی الاان یتنصّرفاجابه الٰی ذٰلک۔والعیاذباللہ تعالٰی۔واما انا فجئت الی دمشق واحضرنی السلطان نورالدین الشھید وولانی علی الاوقات فولیتھا واقبلت علی الدنیا اقبالا کثیرا قدصدق	اے عبداللہ ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھوگے کہ میں کیاجواب دیتا ہوں تمہارامسئلہ یہ ہےاور اس کاجواب یہ،ضرور تم پر دنیااتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لُوتک اس میں غرق ہوگے،بدلہ تمہاری بے ادبی کا۔پھر حضرت شیخ عبدالقادر کی طرف نظر کی اور حضور کواپنے نزدیک کیااور حضور کااعزاز کیااور فرمایا:اے عبدالقادر ! بے شک آپ نے اپنے حسن ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویامیں اس وقت دیکھ رہاہوں کہ آپ مجمع بغداد میں کرسی وعظ پر تشریف لے گئےاور فرمارہے ہیں کہ میرایہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر،اور تمام اولیائے وقت نے آپکی تعظیم کیلئے گردنیں جھکائی ہیں۔وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئے پھر ہم نے انہیں نہ دیکھا۔حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تو نشان قرب ظاہر ہوئے کہ وہ اللہ عزوجل کے قرب میں ہیں خاص وعام ان پر جمع ہوئے اورانہوں نے فرمایا: میرایہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔اور اولیاء وقت نے اس کا ان کے لئے اقرار کیا،اورابن السقاایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوااس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانا مگر یہ نصرانی ہوجائے،اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کرلیا،والعیاذ باللہ تعالٰی۔رہامیں، میرا دمشق جاناہوا وہاں سلطان نورالدین شہید نے مجھے افسر اوقاف کیا اور دنیا بکثرت میری طرف آئی۔غوث کاارشاد ہم سب کے بارے میں

كلام الغوث فينا كلنا۔	جو کچھ تھا صادق آیا۔

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف[1] میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس ۴۰ روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کئے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں، یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب مبارک کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم۔

(۶) اسی میں ہے:

قال رضی اللہ تعالٰی عنه وعزّۃ ربّی ان السعداء و الاشقیاء یعرضون علی وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ووارثه فی الارض و یقول الانس لهم مشائخ والجن لهم مشائخ و الملئکة لهم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللہ تعالٰی عنه، ونفعنا به[2]۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "مجھے عزت پروردگار کی قسم! بے شک سعید و شقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، بیشک میری آنکھ پُتلی لوحِ محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں ان کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے: آدمیوں کے پیر ہیں، قوم جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں۔" علی قاری اسے نقل کر کے عرض کرتے ہیں: اللہ عزوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

(۷) اسی میں ہے:

روی عن السید الکبیر القطب الشهیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال الشیخ عبد القادر بحر الشریعة عن یمینه وبحر الحقیقة عن یساره من ایهما شاء اغترف السید	سید کبیر قطب شہیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر ان کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر ان کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشایخ منه بذلك مصطفی البابی مصر ص ۶

[2] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۲

عبدالقادر لاثانی له فی عصرنا هذا رضی الله تعالٰی عنه[1]۔	وقت میں سید عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸) امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انهم قد یؤمرون تعریفا لجاهل اوشکرا وتحدثا بنعمة الله تعالٰی کما وقع الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه انه بینما هو بمجلس وعظه واذا هو یقول قدمی هٰذه علی رقبة کل ولی الله تعالٰی فاجابه فی تلك الساعة اولیاء الدنیا قال جماعة بل واولیاء الجن جمیعهم وطأطئوا رءوسهم وخضعواله واعترفوا بما قاله الارجل باصبهان فابٰی فسلب حاله[2]۔	کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو ان کے مقامات عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکر الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے جیسا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فورًا تمام دنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جھکادئے اور سرکار غوثیت کے حضور جھک گئے اور ان کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فورًا اس کا حال سلب ہوگیا۔

(۹) پھر فرمایا:

وممن طأطأ رأسه ابوالنجیب[۱] السهروردی وقال علی رأسی واحمد[۲] الرفاعی قال علی رقبتی وحمید منهم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر یقول کذا وکذا، وابو مدین[۳] فی المغرب وانا منهم اللهم انی اشهدك واشهد ملئکتك	حضور کے ارشاد پر جنہوں نے اپنے سر جھکائے ان میں سے (سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے پیران پیر) حضرت سید عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے اپنا سر مبارک جھکادیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور ان میں سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے کہا میری گردن پر، اور کہا

---

[1] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

انی سمعت واطعت، وکذا الشیخ عبدالرحیم القناوی مدّعنقه وقال صدق الصادق المصدوق[1]۔	یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر" لہٰذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے، اور انہیں میں حضرت سید ابو مدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی انہیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی گردن مبارک بچھائی اور کہا سچ فرمایا سچے مانے ہوئے سچے نے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۱۰) پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرنا هم وغیر هم انه لم یقل الابامر اعلاما بقطبیته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انهم اخبر واقبل مولده بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولدله مظهر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه[2]۔	اولیاء کرام کہ ہم نے ذکر کئے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی و حضرت شعیب مغربی و حضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہم انہوں نے اور ان کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے ان کی قطبیت کبرٰی ظاہر فرمانے کے لئے انہیں اس فرمانے کا حکم دیا ولہٰذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ بچھاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیاء کرام متقدمین سے مروی ہوا کہ انہوں نے سرکار غوثیت کی ولادت مبارکہ سے تقریبًا سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہونگے اور یہ فرمائیں گے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اس

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

	قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے۔اللھم لك الحمد صل علی محمد وابنه وذریته۔

(۱۱) پھر فرمایا:

وحکی امام الشافعیة فی زمنه ابوسعید عبدالله بن ابی عصرون قال دخلت بغداد فی طلب العلم فوافقت ابن السقا ورافقته فی طلب العلم بالنظامیة، وکنا نزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال له الغوث[1]۔ (الٰی اٰخر الحدیث المذکور)	"امام ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغداد مقدس میں طلب علم کے لئے گیا ابن السقا اور میں مدرسہ نظامیہ میں شریک درس تھے اور اس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے (وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری، ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بشارت دینا کہ آپ برسر منبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اور تمام اولیائے عصر آپ کے قدم پاک کی تعظیم کے لئے اپنی گردنیں خم کریں گے، اور پھر ایسا ہی واقع ہونا، حضور کا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کا اقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھٰذہ الحکایة التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلھا وعدالتھم[2]۔	یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بدانجامی میں یہ اور زائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جیّد اور علوم شرعیہ میں اپنے اکثر اہل زمانہ پر فائق اور حافظ قرآن اور علم مناظرہ میں کمال سر برآوردہ تھا جس سے جس علم میں مناظرہ کرتا اسے بند کردیتا، ایسا شخص جب شان غوث میں گستاخی کی شامت سے **معاذاللہ** نصرانی ہوگیا بادشاہ نصارٰی نے اسے بیٹی تو دے دی مگر جب بیمار پڑا اسے بازار میں پھنکوادیا بھیک مانگتا اور کوئی نہ دیتا، ایک شخص کہ اسے پہچانتا تھا گزرا اس سے پوچھا تو حافظ تھا اب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔ کہا سب محو ہوگیا صرف ایک آیت یاد رہ گئی ہے۔

"رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝۲"[3]	کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۵/۲

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اسے دیکھنے گیا اسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اسے قبلہ کی طرف کیا ہو وہ پُورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اسے قبلہ رخ کرتا وہ پُورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف منہ کئے اس کا دم نکل گیا، وہ ان غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا[1]۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی انتھٰی۔**"

اگر کہیے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا اقول اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾ "[2]	تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ "[3]	کوئی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے۔

اور فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ "[4]۔	یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی کہ اب انہیں کچھ سمجھ نہ رہی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی ھذہ ابلغ زجر واکد ردع عن الانکار علی اولیاء اللہ تعالٰی خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیہ ابن السقامن تلک الفتنۃ المھلکۃ الابدیۃ التی لا اقبح منھا، نعوذ باللہ	اس واقعہ میں اولیاء کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہ علی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] القرآن الکریم ۸۱/۲۹

[3] القرآن الکریم ۸۳/۱۴

[4] القرآن الکریم ۶۳/۳

من ذٰلک، ونسأله بوجهه الکریم وحبیبه الرؤف الرحیم ان یؤمننا من ذٰلك ومن کل فتنة ومحنة و بمنه وکرمه وفیها ایضا اتم حث علی اعتقادهم و الادب معهم وحسن الظن بهم ما امکن[1]۔	اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان وکرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ ومحنت سے امان بخشے۔ نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت وادب رکھیں اور جہاں تک ہو ان پر نیک گمان کریں۔

فقیر کوئی قادری امید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہل انصاف وسعادت کے لئے کفایت ہو۔ اللہ عزوجل مسلمان بھائیوں کو اتباع حق وادب اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجہنم اس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعم خود حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارگاہ میں حق نیاز مندی ادا کیا اور نتیجہ معاذاللہ وہ ہوا کہ سید کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اساءتِ ادب پر خاتمہ ہوا، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

اے برادر! مقتضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب۔ سچا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہ ارفع کو انہوں نے سب سے ارفع بتایا اور ان کا قدم اقدس اپنے سر مبارک پر لیا انہیں کو ارفع واعظم مانے گا۔ عبد الرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ سے افضل کہتا، اس سے پوچھا جاتا تو جواب دیتا **کفٰی بی ازرا ان احب علیا ثم اخالفه**[2] یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر ان کا خلاف کروں۔ واقعی تکذیب مخالفت اگرچہ بزعم عقیدت ومحبت ہو اعلٰی درجہ کی عداوت ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حسن ادب روزی کرے اور انہیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انہیں کے گروہ پاک میں اٹھائے، آمین! آمین۔

اٰمین بجاههم عندك یا ارحم الراحمین	اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علی رقبة الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۴۴ عبدالرازق بن ہمام دار المعرفة بیروت ۶۱۲/۲

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الی یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابد الاٰبدین، اٰمین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔	نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولیٰ، انکی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی

ختم ہوا۔

رسالہ
فتاوٰی کراماتِ غوثیہ

مسئلہ اولیٰ:

از اوجین ریاست گوالیار مرسلہ جناب محمد یعقوب علی خاں صاحب ۷ اربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حق الیقین اور مفتیان پابند شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبارت نظم "شام ازل اور صبح ابد" سے بیٹھ جانا براق کا وقت سواری آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ثابت ہے۔

"مقولۂ جبرئیل علیہ السلام"

نظم

مسند نشین عرش معلّٰی یہی تو ہے مفتاح قفل گنج فاوحٰی یہی تو ہے
مہتاب منزل شب اسرٰی یہی تو ہے خورشید مشرق فتدلّٰی یہی تو ہے
ہمراز قرب ہمدم او قاتِ خاصہ ہے مژدہ ہزار عالمِ رب کا خلاصہ ہے
سن کر یہ بات بیٹھ گیا وہ زمیں پر تھامی رکاب طائر سدرہ نے دوڑ کر
رونق افزائے دیں ہوئے سلطان بحر و بر کی عرض پھر براق نے یا سید البشر
محشر کو جب قدم سے گہر پوش کیجئے اپنے غلام کو نہ فراموش کیجئے

خیر الورٰی نے دی اسے تسکین کہا کہ ہاں
خوش خوش وہ سوئے مسجد اقصٰی ہوا رواں

صاحب "تحفہ قادریہ" لکھتے ہیں کہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑا اور اونچا ہوگیا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔ ارباب معرفت کے نزدیک اس معاملہ میں عمدہ تر حکمت یہ ہے کہ جس طرح آج کی رات محبوب اپنا دولت وصال سے فرح (خوشحال) ہوتا ہے اسی طرح محبوب کا محبوب بھی نعمت قرب خاص اور دولت اختصاص اور ولایت مطلق اور غوثیت برحق اور قطبیت اصطفاء اور محبوبیت مجد وعلا سے آج مالامال ہی کردیا جائے۔

چنانچہ صاحب "منازل اثنا عشریہ" "تحفہ قادریہ" سے لکھتا ہے کہ اس وقت سیدی ومولائی مرشدی وملجائی، قطب الاکرم، غوث الاعظم، غیاث الدارین وغوث الثقلین، قرۃ العین مصطفوی نور دیدۂ مرتضوی، حسنی حسینی سروحدیقہ مدنی، نور الحقیقت والیقین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح پاک نے حاضر ہو کر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور اس طرح عرض کیا: (بیت)

برسر ودیدہ ام بنہ اے مہ نازنین قد   بود بسر نوشت من فیض قدم ازیں قدم

(اے نازنین میرے سر اور آنکھوں پر قدم رکھئے تاکہ اس کی برکت سے میری تقدیر پر فیضان قدم ہو۔ت)

خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث الاعظم پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندان ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزل بخشئے گا توآپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا: تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

بیت قصیدہ غوثیہ:

وکل ولی لہ قدم وانی   علٰی قدم النبی بدر الکمال[1]

(ہر ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں۔ت)

---

[1] فتوح الغیب علی ھامش بھجۃ الاسرار القصیدۃ الغوثیۃ مصطفی البابی مصر ص ۲۳۱

پس ان دونوں عبارت کتب سے کون سی عبارت متحقق ہے؟ کس پر عمل کیاجائے؟ یا دونوں ازروئے تحقیق کے درست ہیں؟ بیان فرمائیے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ:

"اے براق! کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ! تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہوا جو اللہ عزوجل کے حضور ان سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو۔"

اس پر براق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کا سوار ہونا، یہ مضمون تو ابوداود وترمذی ونسائی وابن حبان وطبرانی وبیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیث صحاح وحسان وصوالح سے ثابت۔

کما بسط اکثرھاالمولی الجلال السیوطی قدس سرہ فی خصائصہ الکبرٰی[1] وغیرہ من العلماء الکرام فی تصانیفھم الحسنٰی۔	جیسا کہ اس میں سے اکثر کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبرٰی" میں اور دیگر علماء کرام نے اپنی شاندار تصانیف میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور اس کا حیا کے سبب براہ تذلل وانقیاد پست ہو کر لیٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے۔

ففی روایۃ عند ابن اسحٰق رفعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فارتعشت حتی لصقت بالارض فاستویت علیھا[2]۔	اور ایک روایت میں ابن اسحٰق سے مرفوعًا مروی ہے کہ حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: جب جبریل نے اس سے کہا تو براق تھرّا گیا اور کانپ کر زمین سے چسپاں ہو گیا، پس میں اس پر سوار ہوگیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

[1] الخصائص الکبری باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء حدیث ام سلمہ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۱۷۹، المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۴، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ذکر الاسراء والمعراج دار ابن کثیر بیروت الجزأین الاول والثانی ص ۳۹۸

[2] المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳ / ۳۹

اور یہ روایت کہ سوال میں تحفہ قادریہ سے ماثور، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور۔۔۔۔۔ فاضل عبدالقادر قادری عـــہ بن شیخ محی الدین اربلی، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان لیلۃ المعراج جاء جبرئیل علیه السلام ببراق الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاهر، ونعل رجله کالهلال الباهر،	یعنی شب معراج جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمت اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رو تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکا چوند ڈالنے والا ہلال

عـــہ: حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلّہ فضلاء شامل ہیں۔ اور فہ میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱۔آداب المریدین ونجاۃ المسترشدین ۲۔تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر

۳۔النفس الرحمانیۃ فی معرفۃ الحقیقۃ الانسانیہ ۴۔الدر المکنون فی معرفۃ السر المصون

۵۔حدیقۃ الازھار فی الحکمۃ والاسرار ۶۔شرح الصلاۃ المختصرۃ للشیخ اکبر

۷۔الدرر المعتبرۃ فی شرح الابیات الثمانیہ عشرہ ۸۔شرح اللمعات للفخر الدین العراقی

۹۔القواعد الجمعیۃ فی الطریق الرفاعیۃ ۱۰۔مجموعۃ الاشعار فی الرقائق والآثار

۱۱۔مرآۃ الشھود فی وحدۃ الوجود ۱۲۔مسک الختام فی معرفۃ الامام، مختصر فی کراستہ

۱۳۔الالھامات الرحمانیہ فی مراتب الحقیقۃ الانسانیۃ ۱۴۔حجۃ الذاکرین ورد المنکرین۔

۱۵۔الطریقۃ الرحمانیہ فی الرجوع والوصول الی الحضرۃ العلیۃ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

ا۔معجم المولفین، عمر رضا کحالہ، الجزء الخامس ص ۳۵۴

ب۔ھدیۃ العارفین، اسماعیل باشا البغدادی جلد اول ص ۶۰۵

ومسمارہ کالانجم الظواھر،ولم یأخذہ السکون والتمکین لیرکب علیہ النبی الامین،فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم،لم لم تسکن یابراق حتی ارکب علٰی ظھرک،فقال روحی فداءً لتراب نعلک یارسول اللہ اتمنی ان تعاھدنی ان لاترکب یوم القیٰمۃ علٰی غیر حین دخولک الجنۃ،فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون لک ماتمنیت،فقال البراق التمس ان تضرب یدک المبارکۃ علٰی رقبتی لیکون علامۃ لی یوم القیٰمۃ،فضرب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدہ علٰی رقبۃ البراق،ففرح البراق فرحا حتی لم یسع جسدہ روحہ ونمٰی اربعین ذراعامن فرحہ وتوقف فی رکوبہ لحظۃ لحکمۃ خفیۃ ازلیۃ،فظھرت روح الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال یا سیدی ضع قدمک علٰی رقبتی وارکب،فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمہ علٰی رقبتہ ورکب،فقال قدمی علٰی رقبتک وقدمک علٰی رقبۃ کل اولیاء اللہ تعالٰی[1] انتھٰی۔	اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا: بولا: میری جان حضور کی خاکِ نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روزِ قیامت مجھی پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں۔ حضور معلّٰی صلوات اللہ تعالٰی و سلامہ علیہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دست مبارک لگادیں کہ وہ روزِ قیامت میرے لیے علامت ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ دست اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح مطہر نے حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔"

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴، ۲۵

نوٹ: زیر نظر نسخہ حضرت مولانا ابوالمنصور محمد صادق قادری فاضل جامعہ رضویہ فیصل آباد کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد فاضل عبدالقادر اربلی فرماتے ہیں:

فایاك یااخی ان تکون من المنکرین المتعجبین من حضور روحه لیلة المعراج لانه وقع من غیرہ فی تلك اللیلة کما ھو ثابت بالاحادیث الصحیحة کرؤیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ارواح الانبیاء فی السمٰوٰت وبلالا فی الجنة واویسا القرنی فی مقعد الصدق و	یعنی اے برادر! بچ اور ڈر اس سے کہ کہیں تُو انکار کر بیٹھے اور شعب معراج حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری پر تعجب کرے کہ یہ امر تو صحیح حدیثوں میں اوروں کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عـــہ۱ کو ملاحظہ فرمایا، اورجنت میں بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ عـــہ۲ کو دیکھا اور مقعد صدق میں اویس قرنی اور

عـــہ۱: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیله صلی الله تعالٰی علیه وسلم المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/۱۴۵

عـــہ۲: حدیث شریف میں ہے: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال صلٰوۃ الغداۃ یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته عندك فی الاسلام منفعة فانی سمعت اللیلة خشف نعلیك بین یدی فی الجنة [1]، الحدیث

ایک اور حدیث میں یوں ہے: عن ابن عباس قال لیلة اسری برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل الجنة فسمع فی جانبها خشفا فقال یاجبریل من ھذا فقال ھذا بلال المؤذن فقال قد افلح بلال رأیت له کذا کذا [2]۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں مرفوعًا ہے: فقیل ھذا بلال یمشی امامک [3]۔

مذکورہ روایات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ،ام انس بن مالك و بلال ۲/۲۹۲

[2] منتخب کنز العمال علی ھامش مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۶۹

[3] الکامل لابن عدی ترجمه یحیٰی بن ابی حیة ابو جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

امرأۃ ابی طلحۃ فی الجنۃ، وسماعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خشخشۃ الغمیصاء	بہشت میں زوجۂ ابوطلحہ عـــہ۱ کو اور جنت میں غمیصاء بنت ملحان کی پہچل عـــہ۲ سنی، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں۔

عـــہ۱: حدیث میں ہے: عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال رأیت الجنۃ فرأیت امرأۃ ابی طلحۃ الحدیث[1]۔
جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے جنت میں ابوطلحہ کی زوجہ کو دیکھا۔

عـــہ۲: حدیث شریف میں ہے: عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت من ھذا قالوا ھٰذہ الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالك[2]۔

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا: عن انس بن مالك قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخلت الجنۃ فسمعت خشخشۃ بین یدی فاذا ھی الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک[3]۔

مسند احمد کی دوسری روایت یوں ہے: عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخلت فسمعت بین یدی خشفۃ فاذا انا بالغمیصاء بنت ملحان[4]۔

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کی والدہ حضرت غمیصاء بنت ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہا کی جنت میں پہچل سنی۔

نوٹ: یادرہے کہ غمیصاء بنت ملحان یہی زوجۂ ابوطلحہ ہیں۔ فاعلم ذٰلك

(حاشیہ منجانب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ)

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك و بلال ۲/۲۹۲

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك و بلال ۲/۲۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۹۹

[4] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۰۶

بنت ملحان فی الجنة کما ذکرنا قبل ھذا،وذکرفی حرز العاشقین وغیرہ من الکتب ان نبینا صلی الله تعالٰی علیہ وسلم لقی لیلۃ المعراج سیدنا موسٰی علیہ السلام فقال موسٰی مرحبابالنبی الصالح والاخ الصالح انت قلت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ارید ان یحضراحد من علماء امتك لیتکلم معی فاحضر النبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم روح الغزالی رحمہ الله تعالٰی الی موسٰی علیہ السلام(وساق القصۃ ثم قال)،وفی کتاب رفیق الطلاب لاجل العارفین الشیخ محمد الجشتی نقلا عن شیخ الشیوخ قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم انی رأیت رجالا من امتی فی لیلۃ المعراج ارانیھم الله تعالٰی(الخ ثم قال)وقال الشیخ نظام الدین الکنجوی کان النبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم راکبا علی البراق و

اور حرز العاشقین وغیرہ کتابوں میں کہ حضرت سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم حاضری دیا۔ روح امام نے حاضر ہو کر موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا۔ [عہ۱] اور عارف اجل شیخ محمد چشتی نے کتاب رفیق الطلاب میں حضرت شیخ الشیوخ قدست اسرارہم سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج کچھ لوگ اپنی امت کے ملاحظہ فرمائے [عہ۲] اور شیخ نظام الدین گنجوی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے تھے: جب حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ رونق افروز پشت براق پر تھے اور براق کا زین پوش میرے کندھے پر تھا۔ اور عمدۃ المحدثین امام نجم الدین غیطی کتاب المعراج میں فرماتے ہیں: جب حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے اس پر ایک ابر چھایا [عہ۳] جس میں ہر قسم کا رنگ تھا، جبریل امین

عہ۱: (ا) نبراس شرح شرح عقائد، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۳۸۸

(ب) مقابیس المجالس اردو ترجمہ از واحد بخش سیال ص ۲۵۵

(ج) معراج النبی از علامہ سید احمد سعید کاظمی ص ۲۸ اور مابعد

(د) عرفان شریعت (مجموعہ فتاوٰی امام احمد رضا) مرتبہ مولانا محمد عرفان علی حصہ سوم ص ۸۴ تا ۹۱

عہ۲: رفیق الطلاب مجتبائی دہلی ص ۲۸

عہ۳: عمدۃ الفضلاء المحققین امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: واما الرفرف فیحتمل ان المراد بہ السحابۃ التی غشیتہ وفیہا من کل لون التی رواھا ابن ابی حاتم عن انس وعند ما غشتہ تاخر عنہ جبریل۔ (کتاب المعراج (مؤلفہ رجب ۹۹۹ھ) مطبوعہ مصر، ص ۸۹)

غاشیته علی کتفی انتھی وقال عمدۃ المحدثین الامام نجم الدین الغیطی فی کتاب المعراج ثم رفع الی سدرۃ المنتھٰی فغشیه سحابة فیھا من کل لون فتأخر جبریل علیه السلام ثم عرج لمستو سمع فیه صریف الاقلام ورأی رجلا مغیبا فی نور العرش فقال من ھذا أملک؟ قیل:لا۔قال:أنبی؟ قیل:لا، ھذا رجل کان فی الدنیالسانه رطب من ذکر الله تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1] الخ مافی التفریح ملخصا۔	علیہ الصلوٰۃ والسلام پیچھے رہ گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مستوی پر جلوہ عــــہ۱ فرماہوئے وہاں قلموں کے لکھنے کی آواز گوشِ اقدس میں آئی اور ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ نور عرش میں چھپاہوا ہے، حضور نے دریافت فرمایا: کیایہ فرشتہ ہے؟جواب ہوا: نہیں۔پوچھاکیایہ نبی ہے؟کہا: نہیں بلکہ یہ ایک مرد ہے کہ دنیا میں اس کی زبان یادخدا میں تر رہتی اوردل مسجدوں میں لگارہتا۔کبھی کسی کے ماں باپ کوبُراکہہ کراپنے والدین کوبُرانہ کہلوایا عــــہ۲ انتھی۔

یعنی جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کاحاضر ہونااحادیث واقوال علماء واولیاء سے ثابت ہے توروح اقدس حضور پرنور سید الاولیاء غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری، کیاجائے تعجب وانکار ہے بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محل استعجاب ہے۔اک ذراانصاف واندازہ قدر قادریت درکار ہے۔

اقول وبالله التوفیق (میں کہتاہوں اوراللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سیدالاکوان" میں بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ لکھاکہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کامرتبہ جدااورہر مرتبہ کاپایہ ثبوت علیحدہ۔اس قسم مطالب احادیث میں ظہورنہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلمات علماء ومشائخ میں ان کاذکر کافی۔

عــــہ۱: امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: ثم عرج به حتی ظھر لمستوی سمع فیه صریف الاقلام۔(کتاب المعراج، مطبوعہ مصر، ص۸۹،۸۷)

عــــہ۲: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب المعراج ص۹

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبة الاولی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص۲۸تا۲۵

امام خاتمۃ المحدثین جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ الشریف نے "**مناھل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء** "میں اس روایت کی نسبت کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے وصال اقدس کے بعد کلام طویل میں حضور کو ہر جملہ پر بکلمہ "**بابی انت وامی یارسول اللہ**" (یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) ندا کرکے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ بیان کئے، تحریر فرمایا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سندا لمثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام[1]۔	یعنی میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں انتہی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نسیم الریاض[2] شرح شفاء قاضی عیاض میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔
بالجملہ روح مقدس کا شب معراج کو حاضر ہونا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت غوثیت کی گردن مبارک پر قدم اکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا، اور سرکار ابد قرار سے فرزند ارجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعام عظیم عطا ہونا____ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور وماثور، کتبِ حدیث میں ذکر معدوم، نہ کہ عدم مذکور، نہ روایات مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور پھر ردوانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔
اب یہ رہا کہ اس حدیث میں کہ براق برق رفتار زمین سے لپٹ گیا۔ اور اس روایت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر قدم رکھ کر زیب پشتِ براق ہوئے، بظاہر تنافی ہے۔
اقول: اصلاً منافات نہیں، بلکہ جب اسی روایت میں مذکور کہ براق فرط فرحت سے

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸
[2] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا اور پُر ظاہر کہ جو مَرْکَب عـــہ[۱] اس قدر بلند ہو وہ کیسا ہی زمین سے ملصق عـــہ[۲] ہوجائے تاہم قامتِ انسان سے بہت بلند رہے گا اور اس پر سواری کے لئے ضرور حاجتِ نردبان عـــہ[۳] ہوگی۔ اب ایک چھوٹے سے جانور فیل عـــہ[۴] ہی کو دیکھئے کہ جب ذرا بلند و بالا ہوتا ہے اسے بٹھا کر بھی بے زینہ سواری قدرے دقت رکھتی ہے۔ تو اگر براق بوجہ حیاء وتذلل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے زمین سے لپٹ گیا ہو اور پھر بھی بوجہ طول ارتفاع حاجت زینہ ہو جس کے لئے روح سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حاضر ہو کر اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیر قدم اکرم اپنا شانہ مبارک رکھا ہو، کیا جائے استعجاب عـــہ[۵] ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الاکرم واٰلہٖ وصحبہ اھل الکرم وابنہ الکریم الغوث الاعظم وعلینا بجاھھم وبارك وسلم۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی اپنے حبیب اکرم، آپ کے کرم والے آل واصحاب، آپ کے کریم بیٹے غوث اعظم اور ان کے صدقے میں ہم پر رحمت، برکت اور سلام نازل فرمائے۔ (ت)

مسئلہ دوم:

از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اول: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرش معلّٰی پر اپنے اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔

عـــہ۱: مَرْکَب بمعنی سواری عـــہ۲: ملصق ہونا: چمٹ جانا، مل جان عـــہ۳: سیڑھی عـــہ۴: ہاتھی عـــہ۵: تعجب۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے۔
تیسرے یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیران پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔
چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔
ان اقوال کا کیا حال ہے؟ مفصل بیان فرما کر اجر عظیم اور ثواب کریم پائیں اور رفع نزاع بین الفریقین فرمائیں۔

المستفتی

عبدالحق عفاعنہ کٹھور، ضلع سورت، گجرات (بھارت)

مؤرخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

الجواب:

اللھم لك الحمد فقیر غفر اللہ تعالٰی لہٗ کلمات چند مجمل وسودمند [عہ۱] گزارش کرے اگرچہ فریقین میں سے کسی کو پسند نہ آئیں مگر بعونہ تعالٰی حق وانصاف ان سے متجاوز نہیں **والحق احق ان یتبع واللہ الھادی الی صراط مستقیم** (اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور اللہ تعالٰی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔)
جواب سوال ۲: یہ قول کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بےشک مرتبہ علیہ رفیعہ حضور پُرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ تلو مرتبہ نبوت [عہ۲] "

عہ۱: مفید

عہ۲: مرتبہ غوثیت، مرتبہ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

ہے۔ خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "جو قدم میرے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اقدام نبوت کے، کہ ان میں غیر نبی کا حصہ نہیں۔

از نبی برداشتن گام از تو بنہادن قدم — غیر اقدام النبوۃ سدّ ممشاھا الختام [1]

(نبی کا کام قدم اٹھانا اور آپ کا کام قدم رکھنا ہے علاوہ اقدام نبوت کے، کہ وہاں ختم نبوت نے راستہ بند کردیا ہے)

اور جواز اطلاق یوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رواہ احمد [2] و الترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ رواہ ابن عساکر [3] عن جابر بن عبداللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفٰی والباوردی	اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے۔ (اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے، جبکہ الباوردی نے حضرت

---

[1]

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲۰۹/۲، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ لوکان بعدی نبی لکان عمر دارالفکر بیروت ۸۵/۳، المعجم الکبیر حدیث ۴۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸۰/۱۷، مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۱۵۴/۴

[3] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلوۃ والسلام وازواجہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷۵/۳ تا ۷۹، کنز العمال بحوالہ الباوردی عن انس وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ. ابن عباس وابن ابی اوفٰی حدیث ۳۲۲۰۴ ۴۶۹/۱۱

انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔)	عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم۔

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ کی نسبت کہا ہے کہ: "اگر اب کوئی نبی ہو سکتا تو وہ ہوتے۔" امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے (ت)	قال فی "شرح المهذب" نقلا عن الشیخ الامام المجمع علی جلالته وصلاحه وامامته ابی محمد الجوینی الذی قیل فی ترجمته لو جاز ان یبعث الله فی هذه الامة نبیا لکان ابا محمد الجوینی[1]۔

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قول مذکور ثابت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب سوال ۴: حضرت ام المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روح اقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحین حضور اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں **کما رأیت فی بعض کتبهم التصریح بذٰلك** (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ت)

اس تقدیر پر تو اصلاً استبعاد عــــہ۱ نہیں اور اب اس پر جو کچھ ایراد کیا گیا سب بے جا وبے محل ہے اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ عــــہ۲ درکنار استبعاد بھی نہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾"[2]۔ (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ت)

عــــہ۱: دور از قیاس عــــہ۲: محال ہونا

---

[1] الفتاوٰی الحدیثیه مطلب قیل لو جاز ان یبعث الله فی هٰذه الامة نبیاً الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۲۵، ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

نہ ظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادہ [عہ۱] اسباب ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی۔ نہ جسم، جسم شہادت میں منحصر۔ جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں احادیث برزخ وغیرہ اس پر گواہ [عہ۲]، کیفما کان [عہ۳] شک نہیں کہ روح مفارق [عہ۴] کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود ووضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیت قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہل حق کے نزدیک ظاہر پر محمول [عہ۵] یالیت شعری جب ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

الترمذی عن کعب بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة[1]۔	(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔

جبکہ دوسری روایت میں ارواح عام مومنین کے لئے یہی ارشاد:

الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالك عن الزهری عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك عن ابیه رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه الله تعالٰی فی جسده یوم یبعثه[2]۔	امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی روح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی اسے اپنے جسم کی طرف لوٹادے گا۔

عہ۱: عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ عہ۲: وہ احادیث جو احوال برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسم مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہٰذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔ عہ۳: کوئی بھی صورت ہو

عہ۴: جسم سے جدا روح عہ۵: اہل سنت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی ثواب شهید امین کمپنی دہلی ۱/۱۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث کرب بن مالك انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۵۵

تو دودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حال روح بعد فراق وپیش از تعلق میں فارق عـــہ۱ کیا ہے؟ آخر حضرت ابراھیم علی ابیہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے: "جنت میں دو دایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں۔"

رواہ احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی وانہ لو ظئرین یکملان رضاعہ فی الجنۃ[1]۔	اس کو امام احمد ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا جو شیر خوارگی کی عمر میں وصال فرماگیا ہے بیشک جنت میں اس کیلئے دو دایہ ہیں جو اس کی مدت رضاعت پوری کریں گی۔(ت)

بایں ہمہ یہ باتیں نافی استحالہ ہیں نہ مثبت وقوع عـــہ۲ قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف عـــہ۳ وبے اصل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب سوال ۳: زنبیل ارواح عـــہ۴ چھین لینا خرافات مخترعہ جہّال سے ہے۔ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسل ملائکہ سے ہیں اور رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اباطیل واہیہ

عـــہ۱: روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

عـــہ۲: ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

عـــہ۳: من گھڑت، جھوٹ، بے ہودہ

عـــہ۴: روحوں کا تھیلا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۵۴، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۲

سے احترام لازم عـــه۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

جواب سوال ۵: یونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں،

عـــه: **تنبیہ:** بنائے انکار یہ طرز ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ روحیں بامر الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعا سے باذن الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاء مردہ حضور پر نور و دیگر محبوبان خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

یوں ہی ممکن کہ حضرت ملک الموت نے بنظرِ صحائف محو واثبات قبض بعض ارواح شروع کیا اور علم الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا ببرکت دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالات حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں:

لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحه قال له الشیخ، ارجع الی ربك فراجعه فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلك الضعفة وعاش بعدھا ثلاثین عاما[1]۔

یعنی جب ان کے صاحبزادے احمد ناتواں ہو کر قریب مرگ ہوئے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی روح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جائیے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکم موت منسوخ ہوچکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی (لواقح الانوار) خاتمة الکتاب ترجمہ ۲۰ شیخ محمد الشربینی دار الفکر بیروت ۲/۱۸۵

گمراہ بد مذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم وافضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل عـــہ دینی کہ معاذاللہ انکار آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ وخرق اجماع امت مرحومہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

یہ مسکین اپنے زعم میں سمجھا جائے کہ میں نے حق محبت حضور پر نور سلطان غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ادا کیا کہ حضور کو ملک مقرب پر غالب یا افضل بتایا، حالانکہ ان بیہودہ کلمات سے پہلے بیزار ہونے والے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، **وباللہ التوفیق۔**

جواب سوال ۱: رہا شب معراج میں روح پر فتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوب براق یا صعود عرش زینہ بننا، شرعًا وعقلًا اس میں کوئی بھی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبار اجسام نہ بنظر ارواح۔ عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علوم اولیاء کا منکر۔ بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ:

"اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔"

نہ اس قصہ میں معاذاللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہن سلیم اس طرف جاسکتا ہے۔ کیا عجب سواری براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ درپردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نفس نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

عـــہ: فضیلت دینا

یا ھذا خدمت کے افعال جو بنظر تعظیم واجلال سلاطین بجالاتے ہیں کیا ان کے یہ معنٰی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے؟۔۔۔۔۔۔۔علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر۔۔۔۔۔۔نردبان عــــہ۱ ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگام بت شکنی حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پرنور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر بت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو معاذاللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہر گز عبارت قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، **واللہ الھادی الی سبیل الرشاد** (اور اللہ تعالٰی ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطافرمانے والا ہے۔ت)

یہ بیان ابطال استحالہ واثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا۔ رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفراللہ تعالٰی کے مجلد دوم عــــہ۲ **العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ** کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اوجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا۔

خلاصہ مقصد اس کا مع زیادات جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی و شرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوال اولیاء وعلماء میں متعدد بندگان خدا کے لئے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱، ۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسند حسن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ودخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ	میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا

عــــہ۱: سیڑھی

عــــہ۲: یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں یہ مسائل شاملِ اشاعت نہیں ہوسکے تھے اب ان کو اشاعت جدید میں کتاب الشتّی کے پیش نظر جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

قالوا هذه الغميصاء بنت ملحان[1]۔	یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ان کا انتقال خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوا کما ذکرہ الحافظ فی التقریب[2] (جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۳) امام احمد وابویعلٰی بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس اور

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسند حسن ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت فی جانبها وجسا فقلت یا جبرئیل ماهذا قال هذا بلال المؤذن[3]۔	میں شب معراج جنت میں تشریف لے گیا اس کے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل ! یہ کیا ہے ؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۵) امام احمد ومسلم ونسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت خشفة بین یدی، فقلت ماهذه الخشفة، فقیل الغمیصاء بنت ملحان[4]۔	(میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سنا، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی: غمیصاء بنت ملحان۔

[1] کنز العمال بحوالہ عبد بن حمید عن انس والطیالسی عن جابر حدیث ۳۳۱۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۵۳، مسند ابی داود الطیالسی عن جابر حدیث ۱۷۱۹ دار المعرفۃ بیروت الجزء السابع ص ۲۳۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۲

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۸۸

[3] کنز العمال حدیث ۳۳۱۶۲ و ۳۳۱۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۵۳، الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حبۃ ابن جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/ ۲۶۷۰

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۲، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

(۶) امام احمد ونسائی وحاکم باسناد صحیحہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت فیھا قراءة، فقلت من ھذا ؟ قالوا حارثة بن نعمان کذٰلکم البر کذٰلکم البر[1]۔	میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔ نیکی ایسی ہوتی ہے نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں راہی جنان ہوئے **قالہ ابن سعد فی الطبقات وذکرہ الحافظ فی الاصابة**[2] (ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۷) ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلاً راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت نحمة من نعیم[3]۔	میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھکارسنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

کما ذکرہ موسٰی بن عقبة فی المغازی عن الزھری وکذا قالہ ابن اسحٰق ومصعب الزبیری واُخرون کما فی الاصابة[4]۔	جیسا کہ موسٰی بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا یوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔(ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۳۶/۶، المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة مناقب حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۲۰۸/۳، الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۲۹۸/۱

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۲۹۹/۱، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۴۸۸/۳

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد الطبقة الثانیة من المهاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن عبداللہ المعروف النحام دار صادر بیروت ۱۳۸/۴

[4] الاصابة فی تمییز الصحابة ترجمہ نعیم بن عبداللہ ۸۷۷۶ دار صادر بیروت ۵۶۸/۳

سبحان الله! جب احادیث صحیحہ سے احیائے عالم شہادت کا حضور ثابت تو عالم ارواح سے بعض ارواح قدسیہ کا حضور کیا دور۔

(۸) امام ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوالمخارق سے مرسلاً راوی، حضور پر نور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

مررت لیلة اسرٰی بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املک؟ قیل: لا۔ قلت: نبی؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانه رطب من ذکر الله تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1]۔	یعنی شب اسرٰی میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی: یہ ایک مرد ہے دنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا، اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو برا نہ کہلوایا۔

ثم اقول وبالله التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، زفیض قادریت جوش پر ہے، بحر حدیث سے خاص گوہر مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے تمام مریدین واصحاب وغلامان بارگاہ آسمان قباب کے شب اسرٰی اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے حضور پر نور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ **والحمد لله رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب ناظر غیر وسیع النظر متعجبانہ پوچھے گا کہ یہ کیونکر؟۔۔۔۔۔۔۔ہاں ہم سے سنئے۔ **والله الموفق**۔ ابن جریر وابن ابی حاتم و ابویعلٰی وابن مردویہ وبیہقی وابن عساکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ

---

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۲/۱۵۲ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/۱۴۹، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹۵

تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثم صعدت الی السماء السابعة فاذاانا بابراهیم الخلیل مسندالظهره الی البیت المعمور (فذکر الحدیث الی ان قال) واذا بامتی شطرین شطرعلیهم ثیاب بیض کانهاالقراطیس وشطرعلیهم ثیاب رمد فدخلت البیت المعمور ودخل معی الذین علیهم الثیاب البیض وحجب الاخرون الذین علیهم ثیاب رمد وهم علی خیر فصلیت انا ومن معی من المومنین فی البیت المعمور ثم خرجت اناومن معی[1] (الحدیث)	پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرما ہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستری لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیااور میرے ساتھ سپیدپوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وہ بھی خیر وخوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر میں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہ عزوجل شریف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی۔ تو حضور غوث الورٰی اور حضور کے منتسبان باصفاتو بلاشبہہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنہوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھی، والحمدلله رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدراہ ہوئے، اور جب یہاں تک بحمداللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیاوجہ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیاجائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں۔۔۔۔پھر نہ ہو۔۔۔۔اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سند معنعن عــہ کی حاجت نہیں،

عــہ: ایسی روایت جس میں ایک راوی دوسرے راوی سے "عن فلان" کے لفظ سے روایت کرے۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجه الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۴، دلائل النبوة للبیهقی باب الدلیل علی ان النبی صلی الله علیه وسلم عرج به الی السماء دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۳۹۴۔۳۹۳، الدرالمنثور بحواله ابن جریر وابن حاتم وغیره الخ تحت الآیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۲

کما بیناہ فی رسالتنا "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سیدالاکوان" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفیئی عن سیدالاکوان" میں اسے بیان کیا ہے۔)

امام جلال الدین سیوطی نے "مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء" میں مرثیہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یارسول اللہ"[1]

لم اجدہ فی شیئ من کتب الحدیث الاثر (الٰی قولہ) بالاحکام[2]۔	میں نے یہ روایت کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارھم کے علوم اسی طریقہ سند ظاہری حدثنا فلان عن فلان میں منحصر نہیں، وہاں ہزارہا ابواب وسیعہ واسباب رفیعہ ہیں کہ اس طریقہ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادت کبرٰی ان مدارج عالیہ و معارک غالیہ تک وصول رہے۔۔۔۔۔۔اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجہ تسلیم، نہ کہ معاذاللہ انکار و تکذیب کو سخت مہلکہ ہائلہ ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)۔۔۔۔۔۔جیسے آج کل ایک بحرینی بے بہرہ نے رسالہ "لباب المعانی" سیاہ کرکے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدث، امام القراء، سیدی ابوالحسن علی نورالملۃ والدین شطنوفی قدس سرہ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسناد صحیحہ حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہ الرفیع پر حضور پرنور سید الاولیاء حضرت غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل و کتاب جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جناب اقدس میں

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲۴۸/۱

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲۴۸/۱

کوئی دقیقہ بے ادبی اٹھانہ رکھا۔ نعوذ باللّٰہ من الخذلان ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ القادر المستعان (ہم ذلت ورسوائی سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ت)

یہ لباب عجاب اول تاآخر جہالات فاضحہ وخرافات واضحہ کالب لباب ہے۔ کثرت مسائل کے نام فرصت عنقانہ ہوتا تو فقیر اس کا رد لکھ دیتا۔ مگر الحمدللّٰہ نار باطل خود منطفی عــہ۱ ہے اور ہمارے بلاد میں اس کا شر یکسر منتفی عــہ۲ فلاحاجۃ الی اشاعۃ خرافاتہ ولو علٰی وجہ الرد (اس کی خرافات کو شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ بطور رد ہو۔ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاً دور نہ شرعاً مہجور، اور کلمات مشائخ میں مسطور وماثور اور کتب احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور۔۔۔۔۔۔نہ روایاتِ مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور، پھر ردوانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔ والحمدللّٰہ العزیز الغفور، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ت)

مسئلہ ثالثہ

مسئلہ ۸: مسؤلہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری، ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان، ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

ماقولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفتی الشریعۃ الغراء فی ھٰذہ:	آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ وروشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں (ت)

مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ: "شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک

عــہ۱: بُجھی ہوئی۔ عــہ۲: ختم، نیست ونابود۔

نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ: "تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔"

اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منزل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۵۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ:

"خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بیحرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصہ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ت) براق نے کہا کہ اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا: آج دولت زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپکی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔"

صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ: "وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔"

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ احادیث و شفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔ بیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بینواتوجروا (معتبر و معتمد سندوں کے ساتھ کافی و شافی بیان پوری شرح و تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

کتب احادیث و سِیَر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر، بلکہ صریح اباطیل و موضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا

تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا ان میں یہ روایات اصلا نہیں۔ عہ۱

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیان جہول، مخطیان غفول عہ۲ نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل نکلتی ہے عہ۳ یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا۔ عہ۴

فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے عہ۵ اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمہ اللہ

عہ۱: تحفہ قادریہ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (۱۱۱۶ھ) کی فارسی تالیف ہے جس میں حضور غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کے ارشاد پر اشعۃ اللمعات اور شرح فتوح الغیب مکمل فرمائی۔ آپکا مزار لاہور میں واقع ہے۔

تحفہ قادریہ کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اصل فارسی نسخہ تاحال طبع نہ ہوا، البتہ اس کا اردو ترجمہ (۱) سیرت الغوث مولفہ محمد باقر نقشبندی (۱۳۲۳ھ) مطبع منشی نولکشور پریس لاہور اور (۲) تحفہ قادریہ (اردو ترجمہ) مولفہ مولانا عبدالکریم (۱۳۲۴ھ) ملک فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ناموں سے شائع ہوچکے ہیں۔

عہ۲: جاہل، غافل اور خطاکار مفتی۔

عہ۳: دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی، مدرسہ دیوبند کے اساطین مولوی خلیل احمد اور مولوی رشید احمد انبیٹھوی کے فتاوٰی کی تردید ہو رہی ہے، یہ فتاوٰی موجودہ رسالہ مبارکہ میں شامل کردیے گئے ہیں۔

عہ۴: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ رسالہ ہذا۔

عہ۵: تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ، المنقبۃ الاولٰی، سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۵، ۲۴

کی کتاب حرز العاشقین سے نقل کیا ہے۔اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا، [عـــہ] وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالٰی خوف جانتا ہے۔ت)

رسالہ
فتاوٰی کرامات غوثیہ
ختم ہوا۔

عـــہ: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ، رسالہ ہذا

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بلا دلیل شرعی کسی قول یا فعل کو منسوب کرنا جمہور کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ پس روح مقدس حضرت غوث اعظم پر آپکا سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کی نسبت فعل اور آپ کا فرمانا کہ "میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے" قول کی نسبت بلا دلیل۔ پس سخت معصیت وحرام ہے۔

اور چونکہ منقولین اور ان امور کے اصرار کرتے اور اس کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ پس اصرار علی المعصیۃ قریب کفر اور اس کا استحسان صریح کفر ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان میں کلام اور اشتباہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ درپردہ اس قصہ میں حضرت غوث اعظم کو فضیلت دینا لازم آتا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کہ آپ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور حضرت غوث اعظم پہنچ گئے اور ان کے ذریعے سے آپ کی رسائی ہوئی، **نعوذ باللہ منہ**۔

قطع نظر اس سے سدرۃ المنتہی کو اس لئے سدرۃ المنتہی کہتے ہیں کہ وہ منتہی عروج مخلوقات کا ہے۔ پس جس کا عروج اس سے اوپر بالدلیل ہو، مستثنٰی ہے۔ دوسرے کے عروج کا دعوی رجم بالغیب جس کی مذمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد کہ زنبیل چھین لی، مخالف نص قرآنی منجر الی کفر ہے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ کا دودھ پلانا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔ اول تو حضرت عائشہ کے دودھ ہی نہ تھا، دوسرے روح منہ اور لب اور پیٹ سے پاک ہے۔ یہ چیزیں خواص اجسام سے ہیں۔ پھر دودھ پینے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابو بکر سے کسی بھی صحابی کو افضل سمجھنا خلاف اجماع امت ہے نہ کہ ایک ولی کو کہ سخت معصیت و بدعت ومخالف سنن مشہورہ کے ہے۔ اور یہ قول کہ قدمی علٰی رقاب اولیاء "خود حضرت غوث صاحب سے ثقات نے نقل فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف دروغ ہے۔

کتبہ محمد اشرف علی　　مُہر

٢۔فی الواقع یہ اوہام خیالات باطلہ اور جہالات فاسدہ ہیں جو جُہال معتقدین اپنے معتقد علیہ کی نسبت شائع کیا کرتے تھیں۔ **نعوذباللہ من تلك الکفریات والھفوات۔**

حررہ خلیل احمد (انبھیٹھی) مدرسہ دیوبند

٣۔جواب صحیح ہے۔رشید احمد گنگوہی

رشید احمد

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ

(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۹: از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، جناب مولٰینا مولوی احمد رضا خان صاحب مداللہ فیضانہ (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ت) از جناب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کا اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملہ مذکورہ بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے۔
عمرو کہتا ہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپکے حالت کفر پر تھے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضی کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان فرمائیے اجر دیے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ الذی کرم وجه علی ن المرتضٰی: فلم یزل محظوظاً منه بعین الرضٰی: والصلوٰۃ والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی: شفیع المذنبین یوم فصل القضا: وعلٰی اٰله وصحبه بعدد کل من یاتی ومضٰی:	اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا ہے۔ ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضی کے چہرے کو عزت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضاوخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضا کے دن گنہگاروں کے شفیع پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔ (ت)

قول زید حق وصحیح قول عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) یہ توظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقت بعثت سراپابرکت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوراً مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب : کان سن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذذاک عشر سنین فیما حکاہ الطبری[1] اھ قال الزرقانی:وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال[2]۔ وروی ابن سفٰین باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدربہ فی العیون الخ[3]۔ وفی ردالمحتار:قولہ وسنّہٗ سبع وقیل ثمان وھو الصحیح،واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن عروۃ۔ وقیل عشر اخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ وقیل خمسۃ عشر وھو مردود وتمام ذٰلک مبسوط فی الفتح[4]اھ وفی نکاحہ عن احکام الصغار	مواہب اللدنیہ میں ہے :اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔ زرقانی نے فرمایا: یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔(ت) اور ابن سفٰین نے بسند صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔(ت) ردالمحتار میں ہے: قولہ ان کی عمر سات سال تھی اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔یہی صحیح ہے،اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔اور کہا گیا کہ دس سال تھی،اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔۔۔اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود و نامقبول ہے۔پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔اھ (ت) ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول اول من اٰمن المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۰۷

للاستروشنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام اھ قال:فافادان التبعیة لا تنقطع الابالبلوغ اوبالاسلام بنفسه وبه صرح فی البحر عـــه والمنح من باب الجنائزاھ۔[1]	للاستروشنی سے نقل ہے: بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو،شامی نے کہا: افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے،اسی کی تصریح بحر الرائق اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

تو بعد بعثت تو اس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب پر تخفیف عیال کے لئے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اپنی بارگاہ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کماذکرہ ابن اسحٰق فی سیرته[2] (جیسا کہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ت)

حضرت مولٰی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا،آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں،عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ بارک وسلم۔تو جب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعًا یقینًا رب عزوجل کو ایک ہی جانا،ایک ہی مانا۔ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔اسی لئے لقب کریم" کرم اللہ تعالٰی وجہہ "ملا۔ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء

عـــه:ولفظه:ولاتزول التبعیة الی البلوغ.نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دیناً غیردین ابویه اذا عقل الادیان فحینئذصار مستقلاً[3]۔	ولفظہ:تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی،ہاں اس وقت تبعیت ختم ہوجاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہوجائے اب وہ(تابع نہ رہا)خود مستقل ہو گیا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

[2] السیرة النبویة لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه اول ذکر اسلم الجزئین الاولین،دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۴

[3] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوته ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

ذوالفضل المبین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے عطافرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روز پیدائش سے بالکل نا سمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا کہ صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم۔کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک و تمیز نامتصور عــہ بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے کما نطقت بہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ت)

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کرلائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں، کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیت ابوین منقطع ہوگئی، اب بہ تبعیت دار اسے مسلم کہا جائیگا۔

فی جنائز الدر "صبی سبی مع احد ابویہ لایصلی علیہ لانہ تبع لہٗ ولو سبی بدونہ فمسلم تبعًاللدار او للسابی [1] اھ ملخصًا۔"	درمختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دارالاسلام میں) لایا گیا (اور مرگیا) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ہاں اگر تنہا گرفتار ہو تو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصًا۔(ت)

عــہ: نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک و تمیز غیر متصور ہے۔لہٰذا ناسمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تو اس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔لہٰذا بچہ جب مبدا (کفر) سے خالی ٹھہرا تو اس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو الخ (ت)	وفی نکاحہ:الولد یتبع خیر الابوین دیناً ان اتحدت الدار[1] الخ۔

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار وناسزا خیال دو امر کے ثبوت کا فی کا محتاج:

امر اول حضرت فاطمہ عـــہ۱ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد ہو تو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہرگز نہ کرے گالما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دینا[2] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبار دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)

امر دوم اس وقت حکم تبعیت صادق وثابت ہونا

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایہ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا، مگر مولٰی علی کے رب جل وعلا کو حمد وثنا ہے کہ بفضلہ تعالٰی ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولا اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ عـــہ۲ وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن الظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان

عـــہ۱: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہوئیں ۱۲ محمد احمد

عـــہ۲: یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمٰی[1] شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔

دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی۔اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہل بوادی (صحراجنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامۃ الزرقانی:ومن جاھلیۃ عم الجھل فیھا شرقًاوغربًا	علامہ زرقانی نے کہا:ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق و مغرب ہر طرف جہالت عام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہاوہ حق کیاہے ؟لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا،اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا توسب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (اس کو ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسماعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسماعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کازمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتاہوں، میں اس کی تصدیق کرتاہوں، میں گواہی دیتاہوں کہ وہ نبی ہے،اے عامر ! اگر تمہاری عمر وفاکرے توانہیں میرا اسلام پہنچانا۔عامر فرماتے ہیں:جب میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کاجواب دیااوران کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشادفرمایا: میں نے اسے دیکھاکہ جنت میں دامن کشاں سیر کررہاہے۔رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ[3] رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابو یہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ المقصد الاول دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن سعد و الفاکھی المقصد الاول دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

وفقد فیہا من یعرف الشرائع ویبلغ الدعوۃ علٰی وجہہا الانفرا یسیرا من احبار اھل الکتاب مفرقین فی اقطار الارض کالشام وغیرہا واذاکان النساء الیوم مع فشو الاسلام شرقًاوغربًالایدرین غالب احکام الشریعۃ لعدم مخالطتھن الفقھاء ،فما ظنك بزمان الجاھلیۃ والفترۃ الذی رجالہ لایعرفون ذٰلك فضلاعن نسائہ،ولذالما بعث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعجب اھل مکۃ وقالواأبعث اللہ بشرا رسولا ، وقالوالوشاء ربنالانزل ملئکۃ،ربما کانوا یظنون ان ابراھیم علیہ السلام بعث بما ھم علیہ فانھم لم یجدوامن یبلغھم شریعتہ علٰی وجہہا لدثورھا وفقد من یعرفہا،اذکان بینھم وبینہ ازید من ثلثۃ اٰلاف سنۃ،قالہ فی مسالك الحنفاء والدرج المنیفۃ اھ باختصار[1] ۔	احکام شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں۔۔۔۔اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اوروابستگی نہیں۔ پھر عہد جاہلیت اورزمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں در کنارمرد بھی ان سب سے ناآشنا ہوتے تھے،اسی لئے تو جب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا، بولے: کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بناکر مبعوث کیا ہے ؟ اور بولے: اگر ہمارا رب چاہتاتوفرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اس غلط خیال کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی انکو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھےاوراس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے،اس لئے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیفہ میں فرمایا گیاہے اھ باختصار (ت)

[1] شرح الزرقانی علی مواھب اللدنیۃ المصد الاول باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے۔

لقوله تعالٰی "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝" [1]۔ (الجواب بتعميم الرسول العقل او تخصيص العذاب بعذاب الدنيا خلاف الظاهر فلا يصار اليه الا بموجب ولاموجب اقول بلٰى احاديث صحيحة صريحة كثيرة بثيرة ناطقة بعذاب بعض اهل الفترة كعمرو بن لحى وصاحب المحجن وغيرهما وبه علم ان ردها يجعلها معارضة للقطعى كما صدر عن العلامة الابى والامام السيوطى و كثيرمن الاشعرية لاسبيل اليه فان قطعية الدلالة غير مسلم فلا يهجم بمثل ذٰلك على ردالصحاح والكلام	اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔ (اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔ **اقول:** کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحہ اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چُرالیتا تھا) اوران دونوں کے علاوہ۔۔۔۔اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کا رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ ابی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت

[1] القرآن الکریم ۱۷/۱۵

ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصددہ۔	قطعی ہونا مسلم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اور نہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم۔

خصوصًا جُہال عرب جنہیں قرآن عظیم جابجا امی وجاہل وبے خبر وغافل بتارہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے:

"تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ؇" [1]	اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو کہ نہ ڈرائے گئے انکے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے:

"ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ؇" [2]۔ **قلت** ای وھذا وان کان ظاھرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرۃ منتف بالفحوٰی فان الملك الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اولٰی اقول لٰکن الغفلۃ انما ھی علٰی امر الرسالۃ والنبوۃ والسمعیات کبعث وغیرہ، وقد قلنا بموجبھا فی ذٰلک۔ اما التوحید فلا غفلۃ عنہ مع وضوح الدلائل وکفایۃ العقل	یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔ **قلت** یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہوجاتی ہے کیونکہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولٰی پسند نہ فرمائیگا۔ اقول لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمع عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو، اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جبکہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/۵و۶

[2] القرآن الکریم ۶/۱۳۱

وقد قال اللہ تعالٰی: "قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ "[1] وقال تعالٰی:۔ "وَ لَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ "[2] الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات۔ کل ذٰلك مع قولہ عزمن قائل۔ "اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ "[3]۔ فافہم۔	رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ باری تعالٰی کاارشاد ہے: تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے: یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ آیات۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے: کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے۔ (ت)

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمہ بخارا وغیر ہم بھی اسی کے قائل ہوئے۔ امام محقق

[1] القرآن الکریم ۲۳/۸۴تا۸۹

[2] القرآن الکریم ۲۹/۶۱

[3] القرآن الکریم ۶/۱۵۶

کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال ائمۃ البخاری عندنا لایجب ایمان ولایحرم کفر قبل البعثت کقول الاشاعرۃ[1]۔	ائمہ بخاری نے اشاعرہ کی طرح فرمایا: ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔ (ت)

فواتح الرحموت میں ہے:

عندالاشعریۃ والشیخ ابن الھمام لایؤاخذون ولو اتوابالشرک والعیاذباللہ تعالٰی[2]۔	اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں، والعیاذباللہ تعالٰی۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے:

اھل الفترۃ ناجون ولو غیروا وبدلواعلی ماعلیہ الاشاعرۃ وبعض المحققین من الماتریدیہ ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولۃ انہ المختار لقولہ تعالٰی: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝" وما فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماتاعلی الکفر فمدسوس علی الامام[3] الخ۔	اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر وتبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے: ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔۔۔۔۔۔۔۔اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے (ت)

اس قول پر توظاہر کہ اہل فترت کوتازمان فترت کافرنہ کہاجائے گا کہ وہ ناجی ہیں، اوکافر ناجی نہیں تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔

وعلٰی ھذا استدل بہ السید العلامۃ	اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے

---

[1] منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری الخ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ص ۳۰۷

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیۃ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/۸۰

علٰی نزھة الابوین الشریفین عن الکفر۔رضی اللہ تعالٰی عنھما وعن کل من احب اجلالھما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔(ت)

ولہٰذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا ہے کوئی معنی مسلم میں۔

قال الزرقانی "ثم اختلف عبارة الاصحاب فیمن لم تبلغه الدعوة فاحسنھا من قال انه ناج، وایاھا اختار السبکی، ومنھم من قال علی الفترة عــــہ منھم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنٰی مسلم [1]۔"	زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب (ائمہ رحمھم اللہ کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہوگئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا وہ ناجی ہے۔اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترة پر ہے۔ کسی نے کہا مسلم ہے۔امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنٰی مسلم میں کہا جائے۔(ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثت اقدس تسلیم واسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی خود اسلام لاکر حکم تبعیت سے قطعًا منزہ ہوچکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد وغافل مطلقًا ناجی۔ یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی ورازی رحمہا اللہ تعالٰی کا ہے۔

وتعقبه الامام الجلال السیوطی فی رسائله فی الابوین الکریمین	اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے متعلق اپنے

عــــہ: ھکذا فی نسختی بالتاء ویترأای لی انه "الفطرة" بالطاء ۱۲منه۔	اعلٰی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طا کے ساتھ "فطرة" ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد الاول باب وفاة امه الخ دار المعرفة بیروت ۱/۱۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہما بما یرجع الی القول بالامتحان۔ والعلامۃ ابوعبداللہ محمد بن خلف ن الابی فی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم کما نقل کلامہ فی المواھب۔اقول لکنہ عاد اٰخر الی تسلیمہ حیث قال اولا لما دلّت القواطع علی انہ لاتعذیب حتی تقوم الحجۃ علینا انھم غیر معذبین [1] اھ ثم استشعر ورود الاحادیث وقسمھم اٰخر الکلام الی موحد ومبدل و غافل، ثم قال فیحمل من صح تعذیبہ علی اھل القسم الثانی لکفرھم بما تعدوابہ من الخبائث، و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی قدسمّٰی جمیع ھٰذا القسم کفارا ومشرکین فانا نجد القرآن کلما حکٰی حال احد سجل علیھم بالکفر والشرک، کقولہ تعالٰی " مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَاسَآئِبَۃٍ "ثم قال اللہ تعالٰی "وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ پہلے اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے،اقول مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا اھ۔پھر انہیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں موحد(۱)، مبدّل(۲)،اور غافل(۳) میں تقسیم کیا۔پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالٰی نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف انکے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری ہے:

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول قضیہ نجاۃ والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۹

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ "[1] ـ الخ، فهذا كما ترٰى رجوع الى ما قاله هٰذا ان الامامان من تعذيب من اشرك منهم ـ **اقول**: وفى استدلاله بالاٰية خفاء ظاهر اذ ليست نصًّا فى ان المراد بهم من اخترع ذٰلك من اهل الفترة، بل الكفار لما تدينوا بتلك الاباطيل سجل عليهم بانهم يفترون على الله الكذب ـ ـ ـ ـ وبالجملة فمفاد الاٰية ان الكافرين يفترون لا ان المفترين كلهم كافرون، حتى يكون تسجيلا على كفر اهل الفترة ـ	اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چرا) اور نہ سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے: لیکن جو لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے، جو امام نووی وامام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا اختراع کرنیوالے مراد ہیں، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین واعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے فکر کی تصریح ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا:

على خلاف ما قدمنا عن القارى والطحطاوى وبحر العلوم رحمهم الله تعالٰى، حيث قال "نعم البخاريّون من الماتريدية وافقوا الاشاعرة، وحملوا قول الامام، لا عذر لاحد فى الجهل بخالقه، على ما بعد	اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی اور بحر العلوم رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انہوں نے امام اعظم کے قول "اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں۔" کو

[1] المواهب اللدنية المقصد الاول قضية نجاة والديه صلى الله تعالٰى عليه وسلم المكتب الاسلامى بيروت ۱/۱۸۱

البعثة، واختارہ المحقق ابن الھمام فی التحریر۔ لکن ھذا فی غیر من مات معتقدا للکفر۔ فقد صرح النوری والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فھو فی النار، وعلیه حمل بعض المالکیة ماصح من الاحادیث فی تعذیب اھل الفترة[1] الخ۔"	مابعد بعثت پر محمول کیا، اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مرگئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مرگئے جہنم میں ہوں گے۔ اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔ (ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک[۱]، معاقب، موحد[۲]، ناجی، غافلوں[۳] میں جس نے مہلت فکر و تامل نہ پائی، ناجی، پائی[۴]، معاقب۔

وھو المؤید بما نقل عن امام المذھب رضی اللہ عنه من قوله لاعذر لاحد[2] الخ وحمل البخاریین لا یجری فی قوله الاٰخر فیما نقل عنه وانه لو لم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخلق معرفته بعقولھم لٰکن اوله المحقق بحمل الوجوب علی العرفی۔ ای لکان ینبغی لھم ذٰلک۔ **اقول:** ویرد علٰی ظواھر ھذہ الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وھی صحیحة	یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہل بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگر اللہ تعالٰی کوئی رسول مبعوث نہ فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔ **اقول:** ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیث امتحان سے اعتراض وارد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸۶

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸۶

كثيرة ولا ترد ولا ترام۔	ہوگا۔اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کہ کثیر بھی۔اس قابل نہیں کہ رد کی جائیں یا انہیں رد کرنے کاارادہ کیا جائے۔
وقد عد السيوطي جملة منها قال "والمصح منها ثلثة۔	امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں صحیح یافتہ تین ہیں۔
الاول حديث الاسود بن سريع وابي هريرة معًا مرفوعًا، اخرجه احمد وابن راهويه والبيهقي و صححه وفيه واما الذي مات في الفترة فيقول رب ما اتاني لك رسول، فيأخذ مواثيقهم ليطيعنه، فيرسل اليهم ان ادخلوا النار، فمن دخلها كانت عليه بردًا وسلامًا، ومن لم يدخلها سحب اليها[1]۔	**اول:** اسود بن سریع اور ابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اور ابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گا خداوندا ! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔تو ان سے عہد و پیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔تو انہیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، جو داخل ہوگا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔جو نہ داخل ہوگا اسے گھسیٹ کر لایا جائے گا۔
والثاني حديث ابي هريرة موقوفًا، وله حكم الرفع لان مثله لايقال من قبل الرأى۔اخرجه عبد الرزاق وابن جرير وابن ابي حاتم وابن المنذر في تفاسيرهم، اسناده صحيح على شرط الشيخين[2]۔	**دوم:** حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے اور ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے، اسکی اسناد صحیح بر شرط شیخین ہے۔
والثالث حديث ثوبان مرفوعًا، اخرجه البزار و الحاكم في المستدرك وقال صحيح على شرط الشيخين، واقره الذهبي[3]۔الخ	**سوم:** حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح بر شرط شیخین ہے، اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

وذٰلك لان الامتحان یوجب الوقف والقول بشیئ یخالفه بید انّ تمام وروده انما ھو علی الاشاعرۃ الذین اطلقوا القول بالنجاۃ اما المفصلون من اصحابنا فلھم ان یقولوا ینجو ھذا یعاقب ذاک۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعدالامتحان۔ولی ھٰھنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لااذکرہ لخوف الاطالۃ وغرابۃ المقام فلنرجع الی ما کنافیه۔	وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہوگا توہم پر توقف لازم ہے،اور کوئی صریح حکم لگا دینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقاً نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہل تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہوگا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہوگا۔ اور یہاں تحقیق مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوف طوالت اور اجنبیت مقام کے باعث ترک کررہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔(ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحۃً اختیار شرک، یا بر قول آخر وصف مہلت تامل، ترک توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہے پیش کرے اور جب نہ پیش کرسکے تو رجماً بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاق کفر اور وہ بھی معاذ اللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں، تو ولد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکم کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم وکافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں:

یظھر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ ھما اللذان یھودانه اوینصرانه.فانھم قالوا انه صلی اللہ تعالٰی علیه	مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

وسلم جعل اتفاقهما ناقلاله عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة، وایضًا حیث نظروا للجزئیة فی تلك المسائل احتیاطا فلینظر الیها هنا احتیاطا ایضا، فان الاحتیاط بالدین اولٰی ولان الکفر اقبح القبیح فلاینبغی الحکم به علٰی شخص بدون امر صریح[1] اھ ملخصًا۔	تعالٰی علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دین فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء نے جب ان مسائل میں احتیاطًا جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطًا لحاظِ جزئیت ہونا چاہئے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولٰی ہے۔اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امر صریح کے بغیر حکم کفر لگانا مناسب نہیں۔اھ ملخصًا(ت)

سبحان اللہ !اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعا علیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود وغائب۔انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ت)

ثانیًا: باجماع ائمہ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن وقبح مطلقًا شرعی ہیں۔تو قبل شرع اصلًا کسی شیئ کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی بآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرف عقل قبل سمع کو مستلزم حکم وشغل ذمہ مکلّف عــہ نہیں جانتے۔یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(عندنا)وعند المعتزلة عقلی لکن عند نا من متاخری الماتریدیه لایستلزم هذا الحسن والقبح حکمًا	اشیاء کا حسن وقبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حسن وقبح بندے کے بارے میں اللہ

عــہ: یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلّف بندہ ذمہ دار ہو جائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہو جائے ۱۲ محمد احمد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

من اللہ سبحٰنہ فی العبد فما لم یحکم اللہ تعالٰی بارسال الرسل وانزال الخطاب لیس ھناك حکم اصلًا ومن ھٰھنا اشترطنا بلوغ الدعوۃ فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغہ الدعوۃ غیر مکلف بالایمان ایضًا ولا یؤاخذ بکفرہ[1] اھ ملخصًا۔	سبحٰنہٗ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، تو جب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کر اور خطاب نازل فرما کر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلّف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلّف نہیں اور اس کے کفر پر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اھ ملخصًا (ت)

نیز فواتح میں ہے:

حاصل البحث ان ھٰھنا ثلثۃ اقوال: **الاول** مذھب الاشعریہ ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ **الثانی** انھما عقلیان وھما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذا ادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر والشرك والکفر ان یتعلق الحکم منہ تعالٰی بذمۃ العبد وھو مذھب ھٰؤلاء الکرام والمعتزلۃ، الا انہ عندنا لا تجب العقوبۃ بحسب القبح العقلی کما لا تجب بعد ورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف ھٰؤلاء[2]۔ **الثالث** عقلیان ولیسا موجبین للحکم	حاصل بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقوال ہیں: **اول** مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن وقبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکم افعال بھی شرعی ہے۔ **دوم** حسن وقبح عقلی ہیں اور ان پر تعلق حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا ادراک ہوجائے جیسے ایمان کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیسا کہ ورود شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔ **سوم** حسن وقبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۵

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

ولا کاشفین عن تعلقه وهو مختار الشیخ ابن الهمام وتبعه المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتهم قائلین مثل قول الاشعریة [1] اھ بتلخیص۔	وہ تعلق حکم کے موجب یا مظہر نہیں۔ یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ بتلخیص۔ (ت)

ان دونوں قولوں پر قبل شرح حکم اصلا نہیں، تو عصیان نہیں، کہ عصیان مخالفت حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الهمام کیف تحقق طاعة او معصیة قبل ورود امر ونهی۔	اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر ونہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے! (ت)

اور جب عصیان نہیں کفر بالاولٰی نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔ یوں بھی خود ابوطالب پر تا زمان فترت حکم کفر نہ تھا، جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو معرف حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہت سفہائے معتزلہ و روافض و کرامیہ و براہمہ **خذلهم الله تعالٰی** (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے۔ ت) ہے۔ بلکہ امثال توحید و شکر و ترک کفران و کفر وغیرہا امور عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔ اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔ اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کردیا جائے گا؟

ثالثاً اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہور بعثت ان دونوں زن و شو کا کفر مان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظر انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا نہ لگا رہا نہ رہے۔

ناسمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثالثہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

یہ توبداہۃً باطل۔وصف کفریقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کما قدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف ازروئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مرجائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلك من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت) فتح القدیر میں ہے:

تبعیۃ الابوین اواحدھما ای فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[1]۔	والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں (ت)

بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[2]۔	تو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔(ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

التبعیۃ انما ھی فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[3]۔	تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔(ت)

درمختار میں ہے:

تبع لہ ای فی احکام الدنیا لاالعقبی لما مر انھم خدم اھل	بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اخروی احکام میں، کیونکہ گزرچکا ہے کہ انکے بچے جنتیوں کے خادم

---

[1] فتح القدیر باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۴

[2] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر باب الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

الجنة[1]۔	ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پر ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلًا اجماعًا متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کافر قرار پانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ت)

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ بحمدہ سبحٰنہ تبعًا حکمًا اسمًا وہما کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی پر صادق نہ ہوا۔ روز الست سے ابدالآباد تک ان کا دامن ایمان مامن اس لوث (آلودگی) سے اصلًا جزئًا قطعًا مطلقًا پاک وصاف منزہ رہا۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

هذا كله ما فاض على قلب الفقير: من فيض اللطيف الخبير: واسأل الله تعالٰى ان يجعله ذريعة مقبولة لحفظ ايمان هٰذا الضعيف الحقير ليوم لقاء الملك الجواد القدير۔ ولاحول ولاقوة الا بالله العلى الكبير: وصلى الله تعالٰى وبارك وسلم على الامان المؤمن المولى النصير الشفيع الرفيع المبشر البشير: وعلٰى اٰله وصحبه واهله وحزبه وعلى ن المرتضٰى الامام الامير: وعلينا بهم ولهم وفيهم. اٰمين يا ربنا السميع البصير۔	یہ سب وہ ہے جو قلب فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنادے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے، اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولٰی، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہل جماعت اور علی مرتضٰی امام امیر پر، اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرما اے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

[1] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

تکمیل: بحمد اللہ تعالٰی یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلٰی واکمل، نصیب حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا ومولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ حکم تبعیت تو انہیں وجوہ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پرتوشانِ خلیل اللہ بت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: **هٰذهٖ الهتك الشم العلٰی فاسجدلها** یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور براہ اظہار عجز صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: انی عار فاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں۔ **فان کنت الٰھًا فامنع نفسك** اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔

یا امة اللہ علی التحقیق: ابشری بالولد العتیق: اسمہٗ فی السماء الصدیق: لمحمد صاحب ورفیق: رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد ن الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش"[1] وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارک	اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ (اسے قاضی ابوالحسین احمد بن محمد زبیدی نے) "معالی الفرش الی عوالی العرش" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش باب اسلام ابی بکر دار الکتاب العربی بیروت ۱۸۸/۶، ۱۸۷

ان شاء اللہ تعالٰی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔	ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ت)

سولہ برس کی عمر میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روز قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تامل ایمان لائے، ولہٰذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم یزل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعین الرضامنہ[1]۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی مرادہ بھٰذا الکلام فقیل لم یزل مؤمنا قبل البعثۃ وبعدھا وھو الصحیح المرتضٰی[2]	اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیان مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبل بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔یہی قول صحیح وپسندیدہ ہے(ت)

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ کما ثبتت عن غیرہ ممن اٰمن۔وھو الذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدٰی بہ وھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی[3]۔	صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالت کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۸۷

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۸۷

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۸۷

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضح، نہم جمادی الاخری روز شنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہٗ احکم۔	اور ہماری دعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا و مولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۰: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب (رحمہ للہ تعالٰی) ۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الی یوم الدین (اللہ تعالٰی انہیں روز جزاء تک قائم رکھے۔ ت) اس میں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیشہ کے مسلمان تھے یا کہ علی مافی تاریخ الخلفاء للسیوطی وردالمحتار لابن عابدین و جامع المناقب وغیرہ (جیسا کہ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء، علامہ ابن عابدین کی ردالمحتار اور جامع المناقب وغیرہ میں ہے۔ ت) تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کے سن میں ایمان لائے ہیں، اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر ایمان لانا چہ معنی دارد۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل (تفصیل سے بیان کرو اجر عظیم دیے جائے گا۔ ت)

الجواب:

حضرت امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیدنا علی المرتضٰی مشکل کشا،

کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا و مولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذریت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنِّ تمیز، سنِّ تمیز سے ہنگامِ ظہورِ پرنور آفتاب بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابدالآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحد موقن و مسلم و مومن وطیب وزکی و طاہر و نقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوثِ کفر و شرک وانکار ان کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اصلًا نہ پہنچا نہ پہنچے، **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

عالم ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ "**اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۚ**"[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔)

روز ولادت سے سنِّ تمیز تک اسلام فطری کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ**[2] ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

سنِّ تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فترت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیر خدا کو خدا نہ قرار دیا ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔

"**ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝**"[3]۔	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔(ت)

پھر ظہور بعثت سے ابدالآباد تک حال تو ظاہر و قطعی و متواتر ہے **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) فقیر غفرلہ اللہ المولی القدیر نے یہ نفسی مطلب بقدر حاجت اپنے رسالہ **موجزۃ تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ** میں واضح کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/۱۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ ۲/۲۹۲ وجامع الترمذی ابواب القدر ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

[3] القرآن الکریم ۶۲/۴

ثم اقول: **وباللہ التوفیق** (میں پھر کہتا ہوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ تا اوان (وقت) فترت اس زمان جاہلیت ومکان اُمیت وہیجان غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان امور سے واقف ہی نہ تھے، ولہٰذا براہِ عجب کہتے ہیں: "اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾"[1] کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔ اور کہتے:

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ"[2]	یہ رسول کیسا ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور پُر ظاہر کہ حکم، بے تصور محکوم علیہ محال قطعی۔ تو جس چیز سے ذہن اصلاً خالی اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی۔

وقد قال تعالٰی: "مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾"[3]۔	بے شک اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ (ت)

لہٰذا اس زمانے میں صرف توحید مدار اسلام ومناطِ نجات ونافی کفر تھی۔ موحد ان جاہلیت کا مسئلہ اجماعیہ کسے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا کہ اس وقت اسی قدر ممکن تھا اصل دین ومرضی رب العلمین جسے "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"[4] (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ ت) فرمایا گیا تمام ایمانیات پر ایمان لانا ہے،

"كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ"[5]	سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ (ت)

یہ بغیر بعثت وبلوغ دعوت ناممکن ــــ اور اس کا بھی فرد اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسمٰعیل ذبیح صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم نے دعا کی:

"وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ"[6]	اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۹۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/۷

[3] القرآن الکریم ۳۶/۶

[4] القرآن الکریم ۳/۱۹

[5] القرآن الکریم ۲/۲۸۵

[6] القرآن الکریم ۲/۱۲۸

جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَسَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ"[1]۔	اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔ (ت)

یعنی اس نبی کریم افضل المسلمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں داخل ہونا۔ یہ اسلام کا اطلاق اخص واکمل واجل واجمل ہے۔ ان دونوں معنوں پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام لائے، یہ ارشاد اقدس سنتے ہی فورًا بلاتامل مسلمان ہوئے۔ معہذا اس میں ایک سِرّ یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغ دعوت صرف اس اسلام ضروری پر قناعت کافی ووجہ نجات نہیں۔ اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال موحد رہتا اور بعد دعوت تصدیق نہ کرتا وہ اسلام سابق یقینا زائل ہو کر کافر مخلد فی النار ہو جاتا۔ تو جس نے فورًا تصدیق کی اس پر حکم اسلام اس وقت سے تام وقائم ومحکم ومستقر ہوا۔

علاوہ بریں رب العزت عزوجل اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے:

"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾"[2]	جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا، بولا میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے۔

جب خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور انکا عرض کرنا کہ اسلام لایا، معاذاللہ ان کے ایمان قدیم واسلام مستمر کا منافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف بعد نبوت وپیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی غیر اسلام کو اصلًا راہ نہیں، تو صدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے، انکے اسلام سابق کے معاذاللہ کیا مخالفت ہو سکتے ہیں۔

ھذا کلہ واضح مبین۔ والحمد للہ رب العالمین۔	یہ سب واضح نمایاں ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/۱۳۱

بحمد اللہ تعالیٰ نے فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفیِ خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے براہ عناد ومکابرہ آیہ کریمہ "لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ"[1] (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ت) سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغرٰی صحیح نہ کبرٰی ٹھیک، ہباءً منثورا ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ "قدم اسلام خاصہ حضرت مرتضوی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہے لہٰذا خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل" مدفوع ومقہور ہوگیا۔

فاقول وباللّٰہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط کہ وہ بھی اس فضل جلیل میں شریک حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلام میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی واسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع واعلیٰ ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اس زمانہ ظلمت وجہالت میں گزری۔ ابتداء میں مدتوں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں انکے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینا، بت خانے میں لے جاکر سجدہ بت کی تفہیم کرنا، غرض رہنما مفقود، رہزنی موجود۔ بایں ہمہ انکا توحید خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر کیسا اجل واعظم ہے۔ حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنٰی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک وبت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالیٰ نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہاں تابِ رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، **والحمد للّٰہ رب العٰلمین** (اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) اسلام اخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکار کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

اور امیر المومنین مولیٰ علی کی نسبت آیا کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابو طالب کے خوف سے کہ لازمہ صغر سن ہے اپنے اسلام کا اخفا فرمایا، امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی وامام دارقطنی ومحب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ان ابا بکرٍ سبقنی الی اربع لم اوتهن، سبقنی الیٰ افشاء السلام، وقدم الهجرة، مصاحبته فی الغار واقام الصلوٰة وانا یومئذٍ بالشعب، یظهر اسلامه واخفیه[1]۔ الحدیث	بیشک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکار اکیا، اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار ہوئے، اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وهو صبی لم یبلغ الحلم، وکان مستخفیا باسلامه، واول رجل عربی بالغ اسلم واظهر اسلامه ابو بکر بن ابی قحافة رضی الله تعالیٰ عنهما[2]۔	سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ (ت)

امام ابو عمر ابن عبدالبر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم ولی او ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنهما: قال	محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابوبکر وعلی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۸و۲۱۹

[2] المواہب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۹

سبحان الله علیّ اولهما اسلامًا وانما شبّه علی الناس لان علیًا اخفٰی اسلامه من ابی طالب واسلم ابو بکر فاظهر اسلامه[1]۔	تو انہوں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں میں سے حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھا جس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔(ت)

ولہٰذا احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآثار صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اوران کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے کما بیناہ فی کتابنا المذکور المبارك ان شاء الله تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کردیا ہے کتاب مذکور میں جو ان شاء اللہ بابرکت ہوگی۔ت)

رہے امیر المومنین فاروق وامیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہب جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں افضل اور امیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام ہیں وہ جدید الاسلام، کہ یہ فضل جُزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضل کلی اور شیئ ہے جس کی تحقیق انیق ہم نے کتاب مذکور میں ذکر کی۔ قدم اسلام اگر موجب افضیلت ہو تو لازم آئے کہ من وتو زید وعمرو کہ بعونہ تعالٰی باپ دادا پر دادا پشت ہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں۔ عمرو عثمان، ابوذر وسلمان وحمزہ وعباس وغیرہم صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے معاذ اللہ افضل ٹھہریں، تو اس بنا پر دعوی افضیلت محض جہالت اور فضل جُزئی وکلی کے تفرقہ سے غفلت ہے۔

والله الهادی وولی الایادی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمهٗ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱: ازبنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۲ھ

ماقولکم ایها العلماء ابقاکم الله تعالٰی	اے علماء کرام اللہ تعالٰی یوم جزا تک آپ کو باقی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۸۷۵ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۹۹

الٰی یوم الجزء فی المسئلۃ التی نرسل الیکم۔	رکھے آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔(ت)

زید کہتا ہے چونکہ علی مرتضٰی نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کبھی دامن پاک آپ کا نجاست شرک وکفر سے آلودہ نہیں ہوا اور حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

دلالت کرتی ہے کہ کل بچے کا دین اسلام ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضٰی ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ سے مسلمان تھے محض غلط ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قول زید حق ومقبول وزعم عمرو باطل ومخذول ہے۔

کما حققنا بتوفیق اللہ تعالٰی فی "تنزیۃ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ۔"	جیسا کہ ہم نے "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق کردی ہے۔(ت)

ہاں عبارت زید میں یہ لفظ قابل گرفت ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" اس سے بوئے ضعف آتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ہم بالیقین کہتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ"[2]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

بیشک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی ہمیشہ سے مسلمان صحیح الایمان تھے اور بیشک انہوں نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان دونوں باتوں میں اصلاً تنافی نہیں۔ یہ اسلام متاخر وہ ہے جس کا ذکر اللھم صل علی علم الایمان اصل الایمان عین الایمان وٰلہ وسلم۔ اے اللہ درود وسلام نازل فرما علامت ایمان، اصل ایمان، عین ایمان پر اور آپ کی آل پر۔ (ت) آیۂ کریمہ:

"مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا"[1] الاٰیۃ۔	اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ (ت)

یعنی اسلام خاصِّ زمان بعثت کہ کتاب ورسول پر ایمان وعقائد سمعیہ کے اذعان پر مشتمل ہو۔ یہ بے شک بعد بعثت حاصل ہوا۔ اس کا حدوث قدم اسلام توحیدی کا منافی نہیں،

کما لا یخفٰی علٰی من کا ن لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید۔	جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ (ت)

تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ منجملہ وجوہ تاویل مذکور:

الرابع الایمان عبارۃ عن الاقرار بجمیع ماکلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفا بجمیع تکالیف اللہ تعالٰی، بل انہ کان عارفا م باللہ تعالٰی وذٰلک لاینافی ماذکرناہ۔ الخامس صفات اللہ تعالٰی علی قسمین منھا مایمکن معرفتہ بمحض دلائل العقل، ومنھا مالایمکن معرفتہ الا بالدلائل السمعیۃ، فھذا القسم الثانی لم تکم معرفتہ حاصلۃ قبل النبوۃ۔[2]	وجہ چہارم، ایمان ان تمام چیزوں کے مان لینے کا نام ہے جن کا اللہ تعالٰی نے بندوں کو مکلّف بنایا، اور حضور قبل نبوت اللہ تعالٰی کے عائد کردہ تمام احکام وتکالیف سے واقف نہ تھے بلکہ وہ خداوند تعالٰی کے عارف تھے اور یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے ذکر کیا (کہ قبل وحی بھی انبیاء کا کفر سے منزہ ہونا اجماعی ہے) وجہ پنجم، صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہوسکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسی قسم دوم کی معرفت قبل نبوت نہ تھی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/۵۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۲/۵۲ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۷/۱۹۱

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

اس آیت میں ایمان سے مراد ان امور کی تفصیلات پر ایمان ہے جو کتاب کے وسیع صفحات میں مندرج ہیں جن تک از خود عقلوں کی رسائی نہیں، ان امور سے متعلق ایمان کی نفی مراد نہیں جن کو عقل وفکر خود جان لیتی ہے اور کتاب وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی، قبل نبوت بھی اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آشنا ہونے میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں۔ (ت)	ای الایمان بتفاصیل مافی تضاعیف الکتاب من الامور التی لاتھتدی الیھا العقول، لاالایمان بما یستقبل بہ العقل والنظر، فان درایتہ علیہ الصلٰوۃ و السلام لہ ممالاریب فیہ قطعا۔[1]

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفا شریف میں نقل کرکے فرمایا: **وھو احسن وجوھہ**[2]۔ (وجوہ تاویل میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیہ

ختم ہوا

---

[1] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۵۲/۴۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما عصمتھم من ھذا الفن قبل النبوۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۱۰۵

رسالہ
غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ
(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۲: اول: رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وعترتہ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب:

جانشینی ونیابت دو ۲ قسم ہے:

اول ۱: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا استخلاف صریح حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وعترتہٖ وازواجہ وصحابتہ اجمعین وبارک

وسلم سے بازہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرات اسامہ بن زید۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیل زکوۃ پر امیر المومنین فاروق اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقینا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالٰی:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ"[1]	اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (ت)

تعلیم قرآن ودین کے لئے قرائے کرام شہدئے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظّمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایت جَنَد، حضرت ابو موسٰی اشعری کو زبید وعدن، حضرت ابوسفیان والد امیر معاویہ یا حجرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضر موت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سباسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتّاب، ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروق اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین علی مرتضٰی کو اہلبیت کرام، اور غزوہ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ ازانجملہ غزوہ ابواء کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا وغزوہ بواط وغزوہ ذی العشرہ وغزوہ طلب کرز بن جابر وغزوۂ سویق وغزوۂ غطفان وغزوۂ احد وغزوۂ حمراء الاسد وغزوہ نجران وغزوہ ذات الرقاع وسفر حجۃ الوداع کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلك من صحيح البخاری	یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی

[1] القرآن الکریم ۹/۱۰۳

وشروحه ولمواهب اللدنية بالمنح المحمدية و شرحها للزرقاني والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة اللہ تعالٰی علیهم اجمعین۔	شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اوراسکی شرح زرقانی اورحافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمیز الصحابہ سے۔اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامت کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارہ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانید صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کردیجئے۔فرمایا: لاولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اخرجه الامام احمد[1] بسند حسن والبزار بسندی قوی والدارقطنی وغیرھم (اس کو امام احمد نے بسند حسن اور بزار نے بسند قوی اور دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ ت) بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

مااستخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستخلف علیکم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

دخلنا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلنا یارسول اللہ	ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۱/۱۳۰، الصواعق المحرقة الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیة بیروت ص۷۰، کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی قتله حدیث ۲۵۷۲ موسسة الرسالة بیروت ۳/۲۰۳، کنز العمال بحوالہ ك وابن السنی حدیث ۳۶۵۶۲ موسسة الرسالة بیروت ۱۳/ ۱۸۹

[2] الصواعق المحرقة بحوالہ البزار الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیة بیروت ص۷۰

استخلف علینا قال لا، ان یعلم اللہ فیکم خیرا یول علیکم خیر کم قال علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعلم اللہ فینا خیرا فولی علینا ابابکر (رضی اللہ تعالٰی علیھم اجمعین[1])	ہم پر کسی کو خلیفہ فرمادیجئے۔ارشاد ہوا: نہ، اگر اللہ تعالٰی تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرما دے گا۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلانے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

امام اسحٰق بن راہویہ ودارقطنی وابن عساکر وغیرہم بطرقِ عدیدہ واسانید کثیرہ راوی، دو شخصوں نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان کے زمانہ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا اعھد عھدہ الیک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام رائ رایتہ۔ کیا یہ کوئی عہد وقرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عھد من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عھدہ الی فی ذٰلك فلا، واللہ لئن کنت اول من صدق بہ فلا کون اول من کذب علیہ رہا یہ کہ اسباب میں میرے لئے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سو خدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افتراء کرنے والا نہ ہوں گا ولو کان عندی منہ عھد فی ذٰلك ماترکت اخابنی تیم بن مرۃ وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبرہ ولقاتلتھما بیدی ولو لم اجد الابردتی ھذہ اور اگر اسباب میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر وعمر کو منبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا ولٰکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجأۃ مکث فی مرضہ ایاما ولیالی یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الاول الفصل الخامس دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰

وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیش نظر موجود تھا پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابوبکر ہی کو امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال "انتن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس اور خدا کی قسم ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان لذٰلك اھلا لم یختلف علیہ منا اثنان پس جبکہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کرلیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلمنے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہٰذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا: فادیت الٰی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی [1]۔ پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور انکے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا______ پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشارات جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۵/۳۳۷ تا ۳۳۹، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی وابن عساکر واسحٰق بن راہویہ الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ ص ۷۰ تا ۷۲

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب تک اللہ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک پل ہوگیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں انکے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کردیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ **رواہ الشیخان**[1] **۔عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم** (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

(۲) امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا میں اور ابوبکر و عمر، کیا میں نے اور ابوبکر و عمر نے، چلا میں اور ابوبکر۔ **رواہ الشیخان**[2] **عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمت اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اٹھے آپس میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، **رواہ عنہ ابوداود والحاکم**[3] (اس کو جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابوداود اور حاکم نے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۷، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۵، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الشیخین الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۹ و ۴۰

[2] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیل مناقب عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۹، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵۹

[3] سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی الخلفاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۱، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۱، ۷۲ و ۱۰۲

(۴) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیجا گیا حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابوبکر کے پاس۔ عرض کی اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب ان کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ **رواہ عنہ فی المستدرك وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد**[1] (اس کو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ت)

(۵) ایک بی بی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انہوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔۔۔۔**رواہ الشیخان**[2] **عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمایا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابوبکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انہیں نہ پاؤں۔ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں۔ فرمایا تو عثمان کے پاس۔ **اخرجہ ابو نعیم**[3] **فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ ملے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کی اگر حضو کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابوبکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابوبکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا۔ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انہیں بھی کچھ حادثہ درپیش ہو۔ فرمایا **ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت**

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۶، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳

[3] ازالۃ الخفاء عن سھل بن ابی حثمۃ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

ہائے نادان جب عمر مرجائے تو اگر مرسکے تو مرجانا۔ رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ و حسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ت)

(۸) انہیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[2] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔ت)

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص وتصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد وترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابوالمحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابن عدی نے کامل میں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر[3]۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۸۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن سعد الباب الاول الفصل الرابع دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳، ۱۷، ۴۳

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۳۹۹ و ۴۰۲، جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷ و ۲۲۱، سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، کنز العمال حدیث ۳۳۱۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۴۰، موارد الظمآن حدیث ۲۱۹۳ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۳۹

وفی لفظ اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر [1] میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد و امام بخاری و امام مسلم ام المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباك و اخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر [2]۔

حضرت اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابو بکر کو۔ امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا ادعی لی عبدالرحمن بن ابی بکر اکتب ابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ثم قال دعیہ معاذ اللہ ان یختلف المومنون فی ابی بکر [3]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابو بکر کے لئے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف

---

1 الکامل لابن عدی ترجمہ حماد بن دلیل دار الفکر بیروت ۲ /۶۶۶، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳ / ۷۵، کنز العمال حدیث ۳۲۶۵۳ و ۷۵۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱ /۵۶۰ و ۵۵۷، المعجم الکبیر حدیث ۸۴۲۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۹ /۶۸، مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۳۸۲

2 صحیح البخاری کتاب المرض ۲/ ۸۴۶ و کتاب الاحکام باب الاستخلاف ۲ /۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴، الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷

3 الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴

نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں۔ صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ وصحبہ وبارک وسلم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم: خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیھم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب:

اہل سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیھم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان تعالٰی علیھم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالم اولین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

"اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ "[1]	فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی، پھر مولی علی علیہ سید ہم ومولو ہم وآلہ وعلیھم وبارک وسلم، اس مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیہ واضحہ امیر المؤمنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمۂ اہلبیت طہارت وارتضاواجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہو سکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ۱۲۹۷ھ سے متسم تصنیف کی اور خاص تفسیر آیہ کریمہ "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ" اور اس سے افضیلت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی** ۱۳۰۰ھ تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل ان کتب پر موکول، یہاں صرف چند ارشادات ائمہ اہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۹

پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بیشمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین اس حیدر حق گو حق دان حق پرور کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی پر کہ اس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسی خلافت وعرش زعامت پر. بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد ومجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطریق عدیدہ تامدد مدیدہ سپید وصاف ظاہر وواشگاف محکم ومفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سید لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا ایسے روشن وابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک وتردد نہ رہا مخالف مسئلہ کو منقری بتایا اسی کوڑے کا مستحق ٹھہرا، حضرت سے ان اقوال کریمہ کے راوی اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذهبی وقد تواتر ذلك عنه فی خلافته وکرسی مملکة وبین الجم الغفیر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی ذلك قال ویقال رواه عنه نیف وثمانون نفسا وعدد منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ما اجهلهم [1] انتهی	ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں انتہی (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔ صواعق میں ہے:

ما احسن ما سلکه بعض الشیعة المنصفین کعبد الرزاق فانه قال افضل الشیخین	کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا میں اس لئے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۰ و ۹۱

بتفضیل علی ایاھما علی نفسه والا لما فضلتهما کفی بی وزرا ان احبه ثم اخالفه [1]۔	دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انہیں فضیلت دی ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب **چند احادیث مرتضوی** سُنیے:

حدیث اول[۱]: صحیح بخاری شریف میں سیدنا وابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے مروی:

قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من قال عمر [2]۔	میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیون میں بہتر کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث دوم[۲]: امام بخار اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روای کہ فرماتے تھے۔

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابوبکر وخیر الناس بعد ابوبکر عمر [3] رضی اللہ تعالٰی عنهما۔ هذا حدیث ابن ماجة۔	بہترین مرد بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیث سوم[۳]: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخبرنا ابوبکر بن مردویه ثنا سلیمن بن احمد ثنا الحسن	(ہم کو خبر دی ابوبکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۳

[2] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب بیروت ص ۹۳

[3] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمۃ العتکی عبداللہ بن عبدالرحمن عن سعید بن ابی عروبۃ عن منصور بن المعتمر عن ابراھیم عن علقمۃ قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونہ علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال یا ایھا الناس انہ بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولوکنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر علیہ حد المفتری ثم قال ان خیر ھذا الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ثم اللہ اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لوسمی الثالث لسمی عثمان[1]۔	کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن بن منصور رمانی نے، کو کو حدیث بیان کی داؤد معاذ بن، ہم کو ابو سلمہ عتکی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، انہوں نے سعید بن ابو عروبہ سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہون نے حضرت علقمہ سے روایت کی) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ فرماہوئے حمد وثناءے الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتے ہیں اس بارہ میں اگر مین نے پہلے سے حکم سنادیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تشریف فرماتھے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کانام لیتے تو عثمان کانام لیتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

حدیث چہارم ۴: امام دارقطنی سنن میں اور ابوعمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۶۸

راوی حضرت مولٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں:

لااجد احد افضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1]۔	میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم ۵: سنن دار قطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

انه کان یری ان علیاً افضل الامة فسمع اقواماً یخالفونه فحزن حزناً شدیداً فقال له علی بعد ان اخذ بیده وادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة فذکرله الخیر فقال الا اخبرك بخیر هذه الامة خیرها ابوبکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهدا ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی مابقیت[2]۔	یعنی ان کے خیال میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ تمام امت سے افضل تھے انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا حضرت مولٰی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولٰی نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم ۶: امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:

قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی الله تعالٰی عنهما فقال ماکان منزلة ابی بکر وعمر	یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۱

[2] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۲

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلتھما الساعۃ وھما ضجیعاہ[1]	کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر کا مرتبہ کیا تھا فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کررہے ہیں۔

حدیث ہفتم ۷: دارقطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

اجمع بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[2]۔	یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ علیہ وسلم ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)

حدیث ہشتم ۸: امام ابن عساکر وغیرہ وسالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفیۃ ھل کان ابوبکر اول القوم اسلاما؟ قال لا، قلت فبم علا ابوبکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربہ[3]۔	یعنی میں نے امام محمد بن حنفیّہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم ۹: امام ابوالحسن دارقطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبداللہ محض ابن حسن مثنی بن حسن مجتبٰی بن علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہوکر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۷

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن محمد الباقر الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۷۸

[3] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ۸۰

ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے مس سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا:

انظر والی اھل بلادك یسالونی عن ابی بکر و عمر لھما عندی افضل من علی[1]۔	اپنے شہر والوں کو دیکھ مجھ سے ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبٰی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہٰذا محض کہلوائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغرٰی بنت امام حسین صلی اللہ علیہ تعالٰی علی ابیہم وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین شہید صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئًا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلك فبرئتم منھما فمن بقی ؟فواللہ مابقی احد الابرئتم منہ[2]۔	یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری کی جو ابوبکر و عمر سے کم تھے یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ ابوبکر و عمر سے تبری کی تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم! اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرا نہ کہا ہو۔

والعیاذ باللہ رب العلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔ (ت) امام زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامان خاندان زید کو بحمد اللہ کافی و وافی ہے، سید سادات بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۳

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۹

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالٰی سرہ السامی نے کتاب مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں موقع قبول عظیم پر واقع ہوئی، حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جد امجد جد اور اس فقیر کے آقائے نعمت و مولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولونا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ درخاندان ماحضرت سند المحققین سید عبدالوحد بلگرامی بسیار صاحب کمال بر خاستہ اند قطب فلک ہدایت ومرکز دائرہ ولایت بود در علم صوری ومعنوی فائق واز مشارب اہل تحقیق ذائق صاحب تصنیف وتالیف ست ونسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوند[1]	جاننا چاہئے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی بہت صاحب کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلک ہدایت کے قطب، دائرہ ولایت کے مرکز، ظاہری و باطنی علم میں فوقیت رکھنے والے، اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزاء کے فرماتے ہیں:

شہر تصانیف اوکتاب سنابل ست در سلوک وعقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ درماثر الکلام فی نویسد وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس وثلثین ومائۃ والف مولف اوراق در دار الخلافہ شاہجہاں آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ راہ زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب وماثر میر تادیر بیان کردفرمود شبے در	سلوک وعقائد میں آپ کی مشہور تصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انہیں سلامت رکھے، ماثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلف اوراق نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی، میر عبدالواحد کا ذکر درمیان کلام میں آگیا۔ حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل و مناقب

[1] کاشف الاستار ماثر الکرام از میر علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۵

مدینہ منورہ پہلو بر ستر خواب گزاشتم در واقعہ می بینم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معادر مجلس اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابہ کرام واولیائے امت حاضر اند درینہا شخصے ست کہ حضرت باولت بہ تبسم شریں کردہ حرفہا میزند والتفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں سید شخص کیست کہ حضرت، با اوالتفاف بایں مرتبہ دارند گفت میر عبد الواحد بلگرام، وباعث مزید احترام اوینست کہ سنابل تصنیف او درجناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف [1]۔	بیان کئے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے، آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اس کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرارہے ہیں اور اس سے باتیں کررہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوۃ و السلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سر لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول ومبارک میں مسئلہ تفضیل بکمال تفصیل وتاکید جمیل وتہدید جلیل ارشاد فرمایا لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں اولیائے کرام محدثین وفقہاء جملہ اہل حق کے اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں:

وواجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء	اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام

[1] کاشف الاستار ص۱۴ب اصح التواریخ از مولانا محمد میاں قادری مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ء ۱/۱۶۸، ماثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی لاہور ۱۹۷۱ء ص۲۹

ابو بکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد ازوے علی مرتضٰے ست رضی اللہ لہ تعالٰی عنہم اجمعین[1]۔	انسانوں میں افضل ابوکبر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں۔ اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔ (ت)

پھر فرمایا:

فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان وقصور[2]	ختنین (عثمان غنی وعلی مرتضی) کی فضیلت شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

پھر فرمایا:

اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است[3]	صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیر الحکام بنوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبر ے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابوبکر بحکم حدیث بعد پیغمبراں از ہمہ اولیا برترست واوبدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست وبعد اوامیر المومنین عثمان بن عفان ست وبعد اوامیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین	مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ انبیاء کے بعد تمام اولیاء سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ ابوبکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب، ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[3] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ اور ابرامیر المومنین ابوبکر وعمر تفضیل کند او از روافض ست[1]	جو شخص امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں سے ہے اور جو آپ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

ازینجا باید دانست کہ درجہاں نہ ہمچو مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پیرے پیداشد ونہ ہمچو ابوبکر مریدے ہویدا گشت،اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بر وجہی کہ درکمالیت فضائل ختنین قصورے ونقصانے بخاطر تورسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ افکار انسانیہ بسے بالاترست[2]	یہاں سے جاننا چاہے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔اے عزیز! اگر شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر وناقص ہونے کا خیال گزرے،بلکہ ان کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقول بشریہ اور افکار انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا:

پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد ومرتضی نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ دراعتقاد خود غلط کردہ است اسے خان ومان مافدائے نام مرتضے باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضے در دلش نباشد وکدام راندہ درگاہ مولے کہ اہانت اور وادارد،مفضلہ گمان	جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ توفرقہ تفضیلیہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔میرا گھر بار حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پر فدا اور میرا جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبت مرتضے

[1] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۱۰

[2] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۱۰

بر دہ است کہ نتیجہ محبت مامرتضے تفصیل اوست بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرہ محبت موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضے موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضے فضل شیخین وذی النورین را بر خود روا داشت واقتداء بایشاں کرد و حکماے عہد خلافت ایشاں را امتثال فرمود شرط محبت با اوآں باشد کہ در راہ وروش با موافق باشد نہ مخالف [1]	نہیں ہے اور کون ہے بارگاہ خداوندی کا دھتکارا ہوا جو توہین مرتضی کو روار کھتا ہے۔ مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبت مرتضی کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔ جب حضرت مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ان کی اقتداء کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ ال منیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے **من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ** (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے، ت) یہ عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت اور ہم غلامان دو دمان زید شہید کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ "**غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق**" ختم ہوا

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷

رسالہ
الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی
(سب (متیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

قال تعالٰی "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"[1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین الوزیرین فی درجات	اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضا مندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۵/۳۵

علیۃ علیہ فباح بہ وافصح وبینہ واوضح، ولوح بہ وصرح نادیا الیہ لسانہ وطیبا بہ جنانہ۔ اذ لم تکن بحمد اللہ من الکبر وحب الجاہ ذرۃ لدیہ اصفہ وصفا اجدبہ رشفا من بحر نعت مصطفی کانت لہ الجائل وزانت بہ الفضائل وازدانت لہ الفواضل فیہ کان بدؤھا والیہ کان فیئھا فلا تنتمی الا الیہ ولا تنتھی الا الیہ انعتہ بمحامد تکون لی مصاعد الی ذروۃ حمد واحد لہ الحمد کلہ دقہ وجلہ وکثرہ وقلہ واولہ واخرہ باطنہ وظاھرہ یرفع من یشاء ویضع اذ میزان الفضل بیدیہ قولی ھذا اقول و فی مید ان الحمد اجول۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قال تعالٰی "لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ"[1] والحمد للہ	علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجات بلند وبالا میں فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح وتصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔ اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصاف حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول وآخر ظاہر و باطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اور لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دست قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدان حمد میں جولان کروں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔ سب تعریفیں اللہ

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۰

رب العلمین حمد امنیعا علی ان فضل نبینا علی العلمین جمیعا واقامه یوم القیٰمة للمذنبین شفیعا، وحبا کل من راٰہ ولو لحظة من بعید فضلا وسیعا، ووعد من وقع فی واحد من الصحابة حمیما وضریعا، واختار منھم الاربعة الکرام عناصر الاسلام و ائمة الانام اختیارًا بدیعًا، وبنی ترتیب الخلافة علی ترتیب الفضیلة وغلط من عکس غلط شنیعا، فصلی اللّٰہ وسلم وبارك وترحم علی حبیب القلوب وطبیب الذنوب والہ الاطھار وصحبه الاخیار انه کان بصیرا سمیعا، صلوة اعظام یتلوھا سلام وسلام اکرام تعقبه صلوة وتشیع کلا برکة وزکوة الی الابد تشییعا، واشھد ان لا الٰه سیدہ ومولاہ ما اعظمه واعلاہ اکبرہ واجله وحدہ لا شریك له الھًا رفیعًا، وان محمدا عبدہ ورسوله ورحمته و رفدہ، اجمله واکمله، وبدین الحق ارسله لیمحو

کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو سب جہانوں پر فضیلت دی، اور انہیں قیامت کے دن گنہگاروں کا شفیع مقرر کیا، اور ہر مسلمان کو جس نے انہیں ایک لحظہ دور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور ان کے صحابیوں کے بد گویوں کو جہنم کے گرم پانی اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ سے چار بزرگوں کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب الٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوۃ وسلام بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے اور گناہوں کے چارہ ساز اور ان کی آل پاک اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک ان کا خدا ان کا آقا و مولٰی کس قدر بلند وبرتر اور بالا واعلٰی ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، عظمت الا معبود ہے، اور بے شک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انہیں سچے دین کے

كل علة ويعلو الدين كله علوا سريعاً۔ **وبعد** فهذا ان شاء الله منحة عالية وسلعة غالية و رحمه ربانية لانزغة شيطانية، واوراق ان رأيت قليلة وان وعيت جليلة، اذا قرات هانت، واذا فهمت لانت، وان انصفت زانت، وان تعسفت بانت، فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝[1] فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝"[2]۔ قبولها القبول من قبل الفحول، وزينتها الرد من اهل الحسد فيها من كل الثمرات، وجنا الجنات، عنب التحقيق ورطب التدقيق، وجوز الحقائق ولوز الدقائق تؤتى الفريقين اكلها مرتين مرة عسلا لارباب السنن، واخرى ثما لا عـــہ لا صحب الفتن فيها عيون حكمة تسمى سلسبيلا، فان شئت ريا فقم سل سبيلا، ماء ها صاف وشاف وكاف	ساتھ بھیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔ بعد حمد وصلوۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربانی رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انہیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف کرو تو سنوارین اور تعصب برتو توجدار ہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول ومنظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہل حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو، اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام ____ اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر، اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی ہے پینے والے

عـــہ: بضم الثاء السم المنقح كذا فی المعجم الوسيط۔

[1] القرآن الکریم ۶۹ /۲۲و۲۳

[2] القرآن الکریم ۸۸ /۱۳تا۱۶

هُلَاهِلُ عـــہ۱ مرو لمن يستقيه وهلهل عـــہ۲ مرو لمن يتقيه۔ فيالها من جنة فی ظلها جنة للانس والجنة من شمس الافتتان وحريق المراء " اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾" السماء [1] تولى سقى اشجارها وفتق ازهارها واجتناء ثمارها عبده الكل عليه والمتفاق فی كل امر اليه عبد المصطفى الشهير باحمد رضا المحمدی دينا والسنی يقينا والحنفی مذهبا والقادری منتسبا والبركاتی مشربا والبريلوی مسكنا والمدنی البقيعی ان شاء الله مدفنا، فالعدنی الفردوسی برحمة الله موطنا، كان الله له وحقق امله واصلح عمله و جعل اخراه خير امن اولاه ابن الامام الهمام، والفاضل الطمطام و البحر الطام والبدر التام، حامی السنن وماحی الفتن، ذی تصانيف رايقة وتواليف	کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب ہوجائیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی کی دھوپ اور آتش جدل (ہٹ دھرمی سے امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اس کی شاخیں آسمان میں اس کے درختوں کی آبیاری اور اس کے پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبدالمصطفیٰ عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہبا حنفی ہے اور قادری انتساب ہے اور ارادۃً برکاتی او رمسکنا بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا۔ اللہ اس کا ہو اور اس کی امید بر لائے اور اس کے عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دنیا سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضل عظیم، دریائے موجزن وماہ تمام، حامی سنت، ماحی بدعت، صاحب تصانیف پسندیدہ وتو الیف

عـــہ۱: بضم الهاء الماء الكثير الصافی المعجم الاوسيط۔

عـــہ۲: الهلهل، السم القتال، المعجم الوسيط۔

[1] القرآن الكريم ۱۴/ ۲۴

فایقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف، حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اهل الضلالة، ومما قلت فی بابه معتذرا الی جنابه۔ فواللّٰه لم یبلغ ثنائی کماله ولکن عجزی خیر مدحی لماله فذالبحر لولا ان للبحر ساحلا وذالبدر لولا للبدر یخشی ماله، سیدی ومولائی وسندی ماوای العالم العلم علامة العالم مولانا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللّٰه تعالٰی عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف العریف، السید الغطریف شمس التقی، بدر النقی، نجم الهدی، علامة الوری ذی البرکات المتکاثرة والکرامات المتواترة، والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة، و قلت فی شانه راجیا لاحسانه۔ اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب والکننی ارجو الرضا منك یارضا وانت علی فازولی والی الرتب	فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، ناصح امت، دافع کربت، نگہبانی حدود رسالت از مکر اہل ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے۔ اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحر بیکراں کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر ماں سیدی ومولائی وسندی، ملجائی کوہ علم، علامہ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور انہیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامہ خلقت صاحب برکات کثیر وکرامات مستمرہ ودرجات عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں ان کے انعام کا امیدوار ہو کر کہا۔ معدوم ہو کرم و کس کام کا نسب زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السمی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس اللہ سرہ و افاض علینا برہ امین یارب العلمین، حملنی علی تصنیفھا واحسان تالیفھا باحصان ترصیفھا ما رایت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افہام عما رفعت لہ الرایات الی رفع الغایات، واشمخ النہایات من توافر الایات و تظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترۃ الاطہار والصحابۃ الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء لابرار من تفضیل الشیخین علی ابن الحسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم، و جعلنا لہم ومنہم حتی بلغنی ان بعض من قادۃ الخمین والظن غیر امین الی اقتداء العمین فی ازدراء الثمین واجتباء المھین تعلق بشکوک سخیفۃ لا لطیفۃ والا نظیفۃ وانما ھی کطعام "مِنۡ ضَرِیۡعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾"[1] فیما توافق علیہ سادۃ النقی و قادۃ التقی

میرے حرز جان اور میری امان اور میرے کنز وذخیرہ صاحب قدر علی وفخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر ان کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین!

مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قسم پھسلے او رکچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہل بیت اطہار، پیشوایان اخیار او ر علماء ابرار کا اجماع ہوچکا یعنی شیخین ابوبکر وعمر کی فضیلت البوالحسنین علی پر اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انہیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز[عہ۱] کی تحقیر اور ذلیل[عہ۲] چیز کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہے کہ "نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں" کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس و تقوی کا اتفاق ہے یعنی

عہ۱: یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت

عہ۲: یعنی گمراہی

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۶و۷

من الاجتجاج بکریمۃ "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾"[1] وقام بعرضھا کلھا اوبعضھا احد المتدخلین فی عداد الاذکیاء علی بعض العصریین من النبلاء، و لم اعلم الام دارت رحی التقریر، وعلی ای شق برك البعیر، فاشتد ذلك علی وعظم امرہ لدی فاستخرت اللہ تعالٰی فی عمل کتاب یبین الجواب عن کل اریتاب و یکشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعی علی قصور باعی وقصر ذاعی، عدم الظفر من اسفار التفاسیر الا بشیئ نزل یسیر ولو لا الا ما اقاسیه من ھجوم ھموم و عموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض، وما لا محیص عنه لمسلم من ایذاء موذ و ایلام مولم کما اخبر النبی الاکرم صلی اللہ علیه وسلم بید ان الفقیر العانی عاین عین اعیان المعانی تفیض علیّ فیضا مدرارا واتثج الی ثجا کبار، افقوی ظنی ان صاحب التوفیق سیقوی الضعیف علی بایطیق فاختلست الفرصۃ	کریمہ "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾" سے فضیلت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک ہمعصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہو چکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزار اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہو گیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھادے باوجود یہ کہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلّت اور کتب تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ و غم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے وورد پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے ابل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالک توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ایام من آخر الشهر المبارك ذی الحجة الحرام، حتی جاءت بحمد الله کما تری تروق الناظر وتجلو البصائر کاشفة عن وجوه غوانی من حسان معانی لم تقرع الاذان، ونفائس تحقیق وعرائس تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولاجان فان صدق ظنی فکل مافیه غیر ماانمیه مما سمع به فکری الفاتر، وادی الیه نظری القاصر والانسان کما تعلم مساوق الخطاء والنسیان، فما کان صوابا فمن الله الرحمان، وانا ارجو الله سبحنه فیه، وماکان خطأفمنی ومن الشیطان وانا ابری الی الله عن مساویه، ویابی الله العصمة فی کل معنی وکلمة الا لکتابه الاعظم و کلام رسوله الاکرم صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ولما کان فض ختامها وطلوع بدر تمامها للیلة بقیت من المائة الثالثة عشر من سنی هجرة سیدالبشر علیه من الصلوات	تو میں نے ماہ مبارک ذوالحجۃ الحرام سے آخری پانچ دن کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوشتر معانی (جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو خوبان بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنہیں مجھ سے پہلے کسی آدم نے چھوا نے کسی جن نے، تو اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ میری فکر قاصر کی دین ہے اور اس تک میری کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیساکہ تم جانتے ہو خطاء ونسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے، اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوار ثواب ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی بدیوں سے براءت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنی اور ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور اس کے تمام کا ماہ تمام اس ایک رات میں طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں سے تیرھویں صدی میں باقی تھی اور پر درودوں

انما ھا ومن التحیات ازکاھا ناسب ان اسمیھا "الزلال الانقی من بحر سبقه الاتقی" لیکون العلم علما علی العام واللہ تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی اللہ تعالٰی بھا و سائر المسلمین وجعلھا نورا بین یدی و حجة لی لاعلی، انه علی مایشاء قدیر و بالاجابة جدیر و حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔	میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فنروں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام "الزوال الانقی من بحر سبقة الاتقی" رکھوں تاکہ نام سال تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرہویں تصنیف ہے علوم دین میں، اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے ما بعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور قبول دعا اسی کو سزاوار ہے اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو و عظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ط

قال ربنا تبارك وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴿۱۳﴾"[1] اراد اللہ سبحنه و تعالٰی رد ما کانت علیه الجاھلیة من التفاخر بالاباء والطعن فی الانساب وتعلی النسب علی	ہمارا رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رد ہے جس پر اہل جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

غیرہ من الناس حتی کا نہ عبدلہ اواذل،وکان بدء هذه النزعة اللئیمة من الذلیل الخسیس عدو الله ابلیس اذقال "اَنَاخَیۡرٌمِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍوَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ "[1] فرد الله سبحنه وتعالٰی علیهم بان ابا کم واحد وامکم واحدة فانه تعالٰی "خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ "[2] فما منکم من احد الا وهو یدلی بمثل مایدلی به الاخر سواء بسواء،فلا مساغ للتفاضل فی النسب و التفاخر بالام والاب،واما ما رتبنا کم علی اجیال تحتها شعوب تحتها قبائل فانما ذالك لتعارفوا فتصلوا ارحامکم ولا ینتمی احد الی غیر ابیه،لا لان تتفاخروا ویزدری بعضکم بعضا نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوی فکلما زاد	اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام بلکہ اس سے بھی زیادہ خوار ہے،اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا کہ اے رب ! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم (علی نبینا وعلیہ السلام) کو مٹی سے بنایا،تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری ماں ایک ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلادئے تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے پر فخر کی مجال نہیں رہا یہ کہ ہم نے تمہیں اصول پر مرتب کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا اور کی طرف منسوب نہ ہو نہ اس لئے کہ تم نسب پر گھمنڈ کرو،اور ایک دوسرے کو حقیر جانے،ہاں اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوی (پرہیزگاری

[1] القرآن الکریم ۷ /۱۲ و ۳۸ /۷۶

[2] القرآن الکریم ۴ /۱

الانسان تقوی زاد کرامة عند ربه تبارك وتعالی، فاکرمکم عندنامن کان اتقی لامن کان انسب۔ان الله علیم بکرم النفوس وتقواها خبیر بهم النفوس فی هواها۔ قال البغوی قال ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس وقوله للرجل الذی لم یفسح له"ابن فلانة یعیره بامه قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الذاکر فلانه"؟ فقال ثابت انا یا رسول الله،فقال انظر فی وجوه القوم ،فنظر ،فقال مارایت یا ثابت ؟ قال رایت احمر وابیض واسود،قال فانك لاتفضله الا فی الدین والتقوی"فنزلت فی ثابت هذه الایة و فی الذی لم یتفسح له"یایها الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا"وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة	سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا ہے بے شک اللہ تعالٰی نفوس کی عزت اور ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔ امام بغوی نے فرمایاکہ حضرت ابن عباس(رضی اللہ تعالٰی عنہما)نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس(رضی اللہ تعالٰی عنہ)کے بارے میں اور ان کے اس شخص سے جس نے ان کے لئے مجلس میں جگہ کشادہ نہ کی فلانی کا بیٹا کہنے کے باب میں اتری تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا،کون ہے جس نے فلانی کو یاد کیا؟حضرت ثابت نے عرض کیا وہ میں ہوں یارسول اللہ!تو حضور(علیہ الصلوۃ والسلام)نے فرمایا: لوگوں کے چہروں میں بغور دیکھو۔تو انہوں نے دیکھا۔پھر فرمایا:اے ثابت!تم نے کیا دیکھا؟عرض کی:میں نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔سرکار(علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا:تو بے شک تمہیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور تقوی میں۔تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اتری اور جنہوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے حق میں ارشاد نازل ہوا:اے ایمان والو!جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا لا حتی علا علی ظهر الکعبة واذن، فقال عتاب بن اسید بن ابی العیص: الحمد للہ الذی قبض ابی حتی لم یر ھذا الیوم۔ وقال الحارث بن ھشام اما وجد محمد غیر ھذا الغراب الاسود موذنا۔ وقال سھل بن عمرو ان یرد اللہ شیئا یغیرہ۔ وقال ابوسفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبر بہ رب السماء فاتی جبریل فاخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما قالو فدعاھم وسالھم عما قالوا فاقروا فانزل اللہ تعالٰی ھذہ الایة وزجرھم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء [1] قال العلامة النسفی فی المدارک تبعاً للزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرۃ مررسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سوق المدینة فرای غلاما اسود یقول من اشترانی فعلی شرط ان لا یمنعی	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انہوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انہوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انہیں خبر دار کردے گا۔ تو جبریل (علی نبینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوہ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انہیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔ علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایة ۱۳/۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۵/۴

من الصلوات الخمس خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ،فاشتراہ بعضھم فمرض فعادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ،ثم توفی فحضر دفنہ فقالوا فی ذلك شیئا فنزلت [1]۔	وسلم وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے گا۔تو اسے کسی نے خرید لیا۔پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے،پھر اس کی وفات ہو گئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔
وبالجملۃ فمحصل الایۃ نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند اللہ تعالٰی انما ینال بالتقوی فمن لم یکن تقیا لم یکن لہ حظ من الکرامۃ وسلبہ کلیا لایصح الاعن کافر اذکل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشرک،ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند اللہ تعالٰی،ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصددہ،ولیس کذالك بل ھو ینفعنا فی نفس الاحتجاج وتکسر بہ سورۃ بعض الاوھام ان شاء اللہ	مختصر یہ کہ آیت کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوی ہی سے ملتی ہے،تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں اور تقوی کا سلب کلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں،اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑینگے ان شاء اللہ

[1] مدارك التنزیل تفسیر النسفی تحت الایۃ ۴۹ /۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۳

تعالٰی، کما ستطلع علیه، فانتظر، هذه مقدمة۔	تعالٰی، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے، تو انتظار کرو، یہ ایک مقدمہ ہے۔
والمقدمة الاخری	**اور دوسرا مقدمہ یہ ہے**
قال الله سبحنه وتعالٰی: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۠ "[1] اجمع المفسرون من اهل السنة والجماعة علی ان لایة نزلت فی الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وانه هو المراد بالاتقی۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اتری اور الاتقی سے وہی مراد ہے۔
اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابا بکر اعتق سبعة کلهم یعذب فی الله فانزل الله تعالٰی قوله "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ "الی اخر السورة[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان	ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ نے اپنا فرمان ("وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ "تا آخر سورة) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابو بکر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷تا۲۱

[2] الصواعق المحرقة بحواله ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸، الدر المنثور بحواله ابن حاتم والطبرانی تحت الایة ۹۲ /۱۷تا۲۱ دار احیاء التراث العربی ۸ /۴۹۳، الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیة سورة اللیل الفصل الاول دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۳۲۷

ابو بکر یبتاع الضعفة فیعتقھم، فقال ابوہ: ای بنی لوکنت نبتاع من یمنع ظھرك ؟ قال منع ظھری ارید، فنزل "وسیجنبھا الاتقی" الی اخر السورۃ، وذکر محمد بن اسحق قال کان بلال لبعض بنی جمع وھو بلال بن رباح واسم امہ حمامة وکان صادق الاسلام وطاھر القلب وکان امیة بن خلف یخرجه اذا حمیت الظھیرۃ فیطرحه علی ظھرہ ببطحاء مکة، ثم یامر بالصخرۃ العظیمة فتوضع علی صدرہ، ثم یقول له لا تزال ھکذا حتی تموت او تکفر بمحمد (صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم) ویقول وھو فی ذلك البلاء احد احد، و قال محمد بن اسحاق عن ھشام بن عروۃ عن ابیه قال مر به ابوبکر یوما وھو یضنعون به ذلك و کانت دار ابی بکر فی بنی جمع فقال لامیة لاتتقی فی ھذا المسکین؟ قال: انت افسدته فانقدہ مما	رضی اللہ تعالٰی عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انہیں آزاد کر دیتے۔ تو ان سے ان کے والدین نے کہا: اے بیٹے! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمہاری حفاظت کرتے۔ ابوبکر نے فرمایا میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔ تو یہ آیت تا آخر سورت نازل ہوئی۔ اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہے اور بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے، اور امیہ بن خلف انہیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو انہیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا تو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا، تم ایسے ہی پڑے رہوگے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کافر ہو۔ اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔ اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گزر ایک دن بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کررہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو (امیہ بن خلف) اس بیچارے کے معاملہ میں

ترى، قال ابو بكر افعل عندى غلام اسود واجلد منه واقوى على دينك اعطيكه؟ قال قد فعلت فاعطاه ابو بكر غلامه واخذه فاعتقه، ثم اعتق معه على الاسلام قبل ان يهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهيرة (رضى الله تعالٰى عنه) شهد بدرا و اُحُدا وقتل يوم بئر معونة شهيدا، وام عميس و زهرة فاصيب بصرها و اعتقها فقال قريش ما اذهب بصرها الا اللات والعزى فقالت: كذبوا وبيت الله ما تضر اللات و العزى وما تنفعان، فرد الله تعالٰى اليها بصرها و اعتق النهدية وابنتها وكانتا لامراة من بنى عبد الدار فمر بهما وقد بعثتهما سيدتهما تطحنان لها وهى تقول والله لا اعتقكما ابدا	اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچالیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے زیادہ اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا: مجھے منظور ہے تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو لے لیا تو انہیں آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلامون کو آزاد کیا، انکے ساتویں بلال ہیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جو جنگ بد واحد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہو کر شہید ہوئے، اور ام عمیس وزھرہ کی آنکھ جاتی رہی، جب انہیں ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے آزاد فرمایا، تو قریش بولے کہ انہیں لات وعزی نے اندھا کیا ہے، تو آپ بولیں: قریش، کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات وعزی نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے انہیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، تو صدیق اکبر (رضی ال لہ تعالٰی عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انہیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم! تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبکر کلا یا ام فلان، فقالت کلا انت افسدتهما فاعتقهما، قال فبکم ؟ بکذا وکذا قال قد اخذتهما وهما حرتان، ومر بجارية بنى المؤمل وهى تعذب فابتاعها فاعتقها۔	تو ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان! ہر گز نہیں۔ وہ بولی: ہر گز نہیں، آپ نے ان دونوں کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا: تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور رائے دام پر۔ ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں انے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں، اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اسے خرید کر اسے آزاد کر دیا،
وقال سعید بن المسیب بلغنی ان امية بن خلف قال لابی بکر فی بلال حین قال اتبیعه ؟ قال نعم ابیعه بنسطاس وکان نسطاس عبد الابی بکر صاحب عشرة الاف دینار، غلمان وجوار و مواش وکان مشرکا حمله ابوبکر علی الاسلام ان یکون ماله له، فابی فابغضه ابو بکر، فلما قال له امية ابیعه بغلامك نسطاس، اغتنمه ابوبکر وباعه منه فقال المشرکون مافعل ذلك ابوبکر الا لید، کانت لبلال عنده فانزل الله تعالٰی	اور سعید بن المسیب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امیہ بن خلف نے ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے بلال کے معاملہ میں اس وقت جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے نسطاس سید نا ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غلام جو دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے اور اس کا مال اسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت ابو بکر نے اس کو مبغوض جانا، پھر جب امیہ نے کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا ہوں۔ ابو بکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس کو امیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے، ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ایسا صرف اس لئے کیا ہے کہ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا ان پر کوئی احسان ہے، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت

"وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ "[1]۔	اتاری "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ" الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔
وذکر العلامۃ ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء و الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وذکر قصۃ شراء بلال واعتاقہ قال فقال المشرکون ما اعتقہ ابو بکر الالید کانت عندہ فنزلت[2] اھملخصا	اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے: ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔
و فی الازالۃ عن عروۃ ان ابا بکر الصدیق اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ بلالا وعامر بن فھیرۃ النھدیۃ وابنتھا وزنیرۃ وام عیسی وامۃ بنی المؤمل، وفیہ نزلت "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ "[3] الی آخر السورۃ۔	اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ساتھ کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال وعامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسٰی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انہیں کیلئے آیت اتری "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔ تاآخر سورت۔
وعن عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ قال قال ابو قحافۃ لابی بکر اراك تعتق رقابا ضعافا فلو انك اذا فعلت مافعلت اعتقت رجالا جلدا یمنعونك	اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنی باپ سے رواى ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوقحانہ نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو توکاش! تم تندرست و

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایۃ ۹۲ /۱۷تا۲۱ دار الکتب العلمیہ ۴ /۶۴-۴۶۳

[2] ارشاد والعقل السلیم تحت الایۃ ۹۲ /۱۹ دار احیاء التراث العربی ۹ /۱۶۸

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلك اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱ /۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله فنزلت هذه الایة "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ الی قوله وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ "[1]۔	توانا غلام آزاد کرتے جو تمہاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمہاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ " یعنی جس نے دیا اور پرہیزگاری کی۔۔اللہ تعالٰی کے قول وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی تک یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دی اجائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔
وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عندہ من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منهم جزاء ولاشکورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهیرة[2]	اور حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آیۂ کریمہ سے "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ " ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں اتری کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکر گزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، انہیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تھے۔
وعن ابن عباس فی قوله تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ " قال هو ابوبکر الصدیق[3]۔	اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ " کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)۔
قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی الله تعالٰی عنه) ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف	**میں کہتا ہوں** اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت ابوبکر نے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ببردة وعشرة اواق فاعتقه لله تعالٰی، فانزل الله تعالٰی هذه الآیة: ای ان سعی ابی بکر و امیه و ابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینهما[1] وقد قال السید ابن السدید عمار بن یاسر رضی الله تعالٰی عنهما فی اشتراء الصدیق بلالا واعتاقه شعرًا جزی الله خیرا عن بلال وصحبه عتیقا واخزی فاکها وابا جهل عشیة هما فی بلال بسوءة ولم یحذرا ما یحذر المرء ذو العقل بتوحید رب الانام وقوله شهدت بان الله ربی علی مهل فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن لاشرك بالرحمن من خیفة القتل فیارب ابراهیم والعبد یونس وموسی وعیسی نجنی ثم تملی لمن ظل یهوی الغی من ال غالب علی غیر بر کان منه ولا عدل[2]	حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انہیں خاص اللہ کے لئے آزاد کر دیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور امیہ اور ابی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے: اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر کو اور امیہ اور ابوجہل کو رسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب ان دونوں نے بلال کا برا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انہوں نے بلال کا برا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور نے اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈرے سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسٰی وعیسٰی کے رب! مجھے نجات دے، پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آل غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے)

[1] الصواعق المحرقة بحواله ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الایة ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۴۳۶

هذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع[1]

وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر رضی الله تعالٰی عنه"[2]۔

ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر[3]۔ حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضه لم یسغ له انکاره فی تفسیره مجمع البیان، والفضل ماشهدت به الاعداء، الحمد لله رب العلمین۔

ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیره اثبات ان الایة لا تصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماهو دابه رحمه الله تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعة باسرهم ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام والدلیل علیه قوله تعالٰی "ویؤتون الزکوة وهم

اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔

امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا ہم سنیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں"

صواعق میں ابن حضر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للّٰہ رب العلمین۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، توانہوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوة وهم راکعون یعنی وہ رکوع کی

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایة ۱۷/۹۲ دار الکتب العلمیه بیروت ۴ / ۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱ / ۲۰۵

[3] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الثانی، دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸

راکعون۔ فقولہ "الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی" اشارۃ الی مافی تلك الایۃ من قولہ "یؤتون الزکوۃ وھم راکعون" ولما ذکر ذلك بعضھم فی محضری قلت اقیم الدلالۃ العقلیۃ علی ان المراد من ھذہ الایۃ ابوبکر، وتقریرھا ان المراد من ھذا الاتقی ھو افضل الخلق، فاذا کان کذالك وجب ان یکون المراد ابو بکر، فھاتان المقدمتان متی صحتاصح المقصود، انما قلنا ان المراد من ھذا الاتقی افضل الخلق لقولہ تعالٰی "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" والاکرم ھو الافضل فدل علی ان کل من کان اتقی وجب ان یکون الافضل، فثبت ان الاتقی المذکور ھھنا الابد وان یکون افضل الخلق عند اللہ تعالٰی، فنقول لابد وان یکون المراد بہ ابا بکر لان الامۃ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ	حالت میں زکوہ دیتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا قول الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی یعنی وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا ہے، اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا "ویؤتون الزکوۃ" الایۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف ابو بکر ہیں، اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے، تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد بس ابوبکر ہوں، تو جب یہ دونوں مقدمے صحیح ہونگے دعوی درست ہوگا۔ اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے "اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔" اور اکرم ہی افضل ہے۔ تو آیت نے بتایا کہ ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو، تو ثابت ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب سے افضل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالٰی علیه وسلم تعالٰی علیه وسلم اما ابو بکر او علی، ولایکمن حمل هذه الایة علی علی بن ابی طالب فتعین حملها علی ابی بکر ،وانما قلنا انه لایمکن حملها علی علی بن ابی طالب لانه تعالٰی قال فی صفة هذا الاتقی "ومالاحد عنده من نعمة تجزی" وهذا الوصف لا یصدق علی علی ابن ابی طالب لانه کان فی تربیة النبی صلی الله علیه وسلم لانه اخذه من ابیه وکان یطعمه ویسقیه ویکسوه ویربیه،وکان الرسول صلی الله علیه وسلم منعما علیه نعمة یجب جزاءها اما ابو بکر فلم یکن للنبی علیه الصلوة والسلام نعمة دنیویة بل ابوبکر کان ینفق علی الرسول الصلوة والسلام بلی کان للرسول علیه الصلوة والسلام علیه نعمة الهدایة والارشاد الی الدین،الا ان هذا لایجزی لقوله تعالٰی "مااسئلکم علیه من اجر" والمذکور ههنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی،فعلمنا ان هذه الایة لاتصلح	اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا،اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس سب سے بڑے پرہیز گار کی صفت میں فرمایا ہے **ومالاحد عندہ من نعمۃ تجزی** یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے،اور یہ وصف علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انہیں کھلاتے بلاتے، پہناتے اور پالتے تھے اور حضور (رسول) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ واجب ہوا۔رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خرچ اٹھاتے تھے،ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول علیہ الصلوۃ و السلام کا دین کی طرف ہدایت وارشاد کا احسان ہے۔مگر یہ ایسا نہیں جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت ان المراد بھذہ الایۃ من کان افضل الخلق، وثبت ان ذالك الافضل من الامۃ اما ابوبکر اوعلی، وثبت ان الآیۃ غیر صالحۃ لعلی تعین حملھا علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وثبت دلالۃ الایۃ ایضا علی ان ابابکر افضل الامۃ[1] اھ ملخصًا۔

دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کی حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے، اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہو گئی کہ ابوبکر ساری امت سے افضل ہیں اھ ملخصا۔

قلت اما ماذکر الفاضل الامام ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانہ اخذہ من ابیہ فقد ذکرہ محمد بن اسحق وابن ھشام وھذا الفظ ابن اسحق "حدثنی عبداللہ بن ابی نجیح عن مجاھد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمۃ اللہ تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مما صنع اللہ تعالٰی لہ وارادہ بہ من الخیر ان قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان ابوطالب ذاعیال کثیر فقال

میں کہتا ہوں کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی انہوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے، جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۹۲/ ۱۷ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱ / ۲۰۵و۲۰۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس عمہ وکان من ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاك ابا طالب کثیر العیال، وقد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ، فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلا، فنکلھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب، فقالا لہ انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ، فقال لھما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما، فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیًا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بعثہ اللہ تبارك وتعالٰی نبیا فاتبعہ علی وآمن بہ علی وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ [1] انتھٰی۔	اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابوطالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کردیں۔ تو ابوطالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹالیا۔ تو علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء اول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبری بتزویج البتول الزهراء صلوات الله علی ابیها الکریم وعلیها واما ما ذکر من ان ابابکر کان ینفق علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فهذا اوضح و اظهر عند من له خبرة بالاحادیث والسیر۔ اخرج الامام احمد و البخاری عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال: انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه وماله من ابی بکر بن ابی قحافة ولوکنت متخذا من الناس خلیلا لا اتخذت ابابکر خلیلا ولکن خلة الاسلام افضل سدوا عنی کل خوخة فی هذاالمسجد غیر خوخة ابی بکر [1] واخرج الترمذی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مالاحد عندنا ید الاوقد کافیناه ماخلا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه الله بها یوم القیٰمة وما نفعنی	**میں کہتا ہوں** اور نعمت کبری کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علی ابیہا الکریم وعلیہا سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث و کتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان ومال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سواسب دروازے بند کرو۔ اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا) ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۷، مسند احمد حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۷۰

مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر ولوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمد اصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ [1]	بدلہ انہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا، اور خبردار تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔"
واخرج ایضا عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ واعتق بلالا من مالہ [2]۔	اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"
واخرج الامام احمد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: مانفعنی مال قط مانفعنی مال ابی بکر، فبکی ابو بکر وقال ھل انا ومالی الالك یارسول اللہ [3]۔	اور امام احمد وابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"
واخرج الطبرانی عن ابن عباس	اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۱۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

<table>
<tr>
<td>رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماأحد اعظم عندی یدا من ابی بکر واسانی بنفسه وماله وانکحنی ابنته[1]</td>
<td>عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں حدیث روایت کی "مجھ پر ابو بکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں، اس نے اپنی جان ومال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"</td>
</tr>
<tr>
<td>واخرج ابویعلی من حدیث ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا مرفوعا مثل حدیث ابن ماجة عن ابی ھریرة قال ابن حجر قال ابن کثیر مروی ایضا من حدیث علی اوبن عباس وجابر بن عبداللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہم واخرجه الخطیب عن ابن المسیب مرسلا وزاد وکان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسه۔واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشة وعروة ان ابابکر اسلم یوم اسلم له اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقها علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]</td>
<td>اور ابو یعلی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ براویت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انہیں الفاظ سے) روایت کی۔ ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابو سعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: "اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔ اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اٹھادیا اھ۔</td>
</tr>
<tr>
<td>قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه</td>
<td>میں کہتا ہوں یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے</td>
</tr>
</table>

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقة الباب الثانی الفصل الثانی، دار الکتب العلمیه بیروت ص ۱۱۲

کما اخرجه الامام ابن عدی فی الکامل انبأنا المولی الثقة الحجة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة امام الفقهاء و المحدیثن سیدی واستاذی مولانا عبد الرحمن بن عبد الله بن عبدالرحمن السراج عن جمال العلماء السلف الخیر فی منصب الافتاء مولانا جمال بن عبدالله بن عمر المکی عن خاتمة الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن الشیخ احمد علی السندی ثم الزبیدی ثم المدنی عن المولی محمد صالح الفلانی العمر ی عن الشیخ محمد بن السنة الفلانی الفاروقی عن مولای السید الشریف محمد بن عبد الله عن الفاضل المحدث سیدی علی الاجهوری عن الامام شمس الدین الرملی عن شیخ الاسلام زید الدین زکریا الانصاری عن علامة الوری جبل الحفظ شهاب الدین ابی الفضل احمد حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن احمد المهدوی عن یونس بن ابی اسحق عن ابی الحسن علی بن المقیر انا ابوالکریم الشهر زوری انا اسمعیل بن مسعد ة الجرجانی انا ابو القاسم حمزة بن یوسف السهمی الجر جانی وابوعمر و عبد الرحمن بن محمد الفارسی انا ابو احمد عبدالله بن عدی الجرجانی	کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولی ثقہ حجۃ مفتی حنفیّہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی واستاذی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انہوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے روایت کی انہوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انہوں نے مولی محمد صالح فلانی عمری سے انہوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انہوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے فاضل محدث سیدی علی اجهوری سے انہوں نے امام شمس الدین رملی سے انہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انہوں نے علامہ عالم کوہ حفظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انہوں نے ابوعلی محمد بن احمد مہدوی سے انہوں نے یونس بن اسحاق سے انہوں نے ابوالحسن علی بن مقیر سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوکریم شہر زوری سے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابوعمر وعبدالرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی اور ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبد الغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی بکر ما اطیب مالك منه بلال موذنی وناقتی التی ھاجرت علیھا وزجنتی ابنتك و واسیتنی بنفسك ومالك كانی انظر الیك علی باب الجنة تشفع لامتی [1]۔ ھذا وقد استقصینا الکلام عی ھذین الفصلین الذین اشار الیھما النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساۃ الصدیق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسه وماله فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علی غایة التحقیق و التفصیل فارجع الیه ان احببت ھذا تقریر ماذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضا فی الصواعق	نے ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبد الغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انہوں نے روایت کی انس سے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمہارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا موذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دیا اور اپنی جان ومال سے میری مدد کی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کررہے ہو۔ یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصل پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان ومال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر، جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ بھی لائے

[1] الکامل لابن عدی ترجمه ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/۳۷۵، الکام لابن عدی ترجمه الفضل بن مختار بصری دار الفکر بیروت ۶/ ۲۰۴۱

وارتضاہ۔ قلت ولمناقش ان یناقش فیه باربعة وجوه ینتظمها وجهان **الاول** انا لانسلم ان ابابکر لم یکن علیه احد نعمة تجزی فان من اعظم المنعمین علی الانسان والدیه قال تعالٰی "اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ" [1]۔ ومعلوم ان لاشکر الا بمقابلة النعمة ونعم الوالدین من النعم الدنیویة التی تجری فیها المجاز اہ دون الدینیة التی قال اللہ تعالٰی فیها "قُلْ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ" [2] "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" [3] علی انا نعتقد ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قد تمت له خلافة اللہ العظمی ونیابته الکبری فیدہ الکریمة علیا و ایدی العلمین سفلی۔جعل سبحنه و تعالٰی خزائن رحمته ونعمه وموائد جودہ وکرمه طوع یدیه ،و مفوضة الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ینفق	میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں **پہلی وجہ** یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس بدلہ دیا جائے اس لیئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اس کے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا راشاد ہے: حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دینوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور یہ دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کا فرمان ہے (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے، اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافت عظمی اور نیابت کبری کامل ہوچکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض وکرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انہیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں،

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵ / ۵۷و ۳۸/ ۸۶

[3] القرن الکریم ۲۶ / ۱۰۹و ۱۲۷و ۱۴۵و ۱۶۴و ۱۸۰

کیف یشاء وهو خزانة السر و موضع نفوذ الامر فلا تنال برکة الامنه ولا ینقل خیر الاعنه کما قال صلی الله تعالٰی عیه وسلم انما انا قاسم والله المعطی [1]۔ فهو الذی یقسم الخیرات والبرکات وسائر النعماء والآلاء فی لارض والسماء والملك والملکوت والاول والاخر والباطن والظاهر ایقنت بها جماهیر الفضلاء العظام ومشاهیر الاولیاء الکرام کما حققته فی رسالتی الملقبة بسلطنة المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، وفیها من المباحث الفائقة والمدارك الشائقة ماتقربه الاعین وتلذبه الاذان وتنشرح به الصدور والحمد لله رب العلمین فاذن ماکان لابی بکر اور غیرہ من مال وبلوغ امال الابعطاء النبی صلی الله علیه وسلم، فلم تنحصر النعم النبویة علی صاحبها الصلوة والتحیة فی النعم الدینیة التی لاتجزی فکما ان علیا لم یصلح وموردا للایة فکذلك ابوبکر سواء بسواء۔ **اقول:** والجواب عن اما اولا فلانه	اور وہ رازِ الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انہیں سے ملتی ہے اور خیر انہیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ تو وہی خیرات وبرکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین وملک وملکوت اول آخر باطن وظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے (کہ ساری برکت ونعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال ومنال حاصل ہوا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہو الہٰذا نبوی احسانات علٰی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔ **میں کہتا ہوں** اس اعتراض کا جواب اول

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد الله خیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح البخاری کتاب الجهاد باب قول الله تعالٰی فان قدمه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۹، صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتزال طائفة من امتی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

ان صح ماذکر تم لتعطلت الایة راسا ولم یوجد لھا مصداق ابدا اذ لیس فی الصحابة من لم یلدہ ابواہ او لم ینعم علیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی دینه ودنیاہ[1]۔	تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہو یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین و دنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔
واما ثانیًا وھو الحل فلان نعم الدنیا لیست کلھا مما تجزی اذا لمجازاۃ ھو المکافات وحاصل نعمة الوالدین ان الله سبحنه وتعالٰی جعلھا سببا لایجادہ وخروجه من ظلمة العدم الی نور التکون، وبھما جعله بشرا حسینا بعد ان کان ماء مھینا وھذا مما لایمکن ان یجازی اذ لیس فی وسع احد ان یحیی ابویه او یکونھما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایجزی ولد والدہ الاان یجدہ مملوکا فیشتریه فیعتقه اخرجه مسلم وابوداؤد	**اور جواب دوم** اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی نے انہیں بچہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نور ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے، یا عدم کے بعد انہیں موجود کردے، اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۵، سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی بر الوالدین آفتاب علم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجۃ فاشار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی بعض المجازاۃ علی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذبہ تتعطل الاھلیۃ ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبھائم فالعتق کانہ احیاء لہ و اخراج من ظلمۃ البھیمیۃ الی نور الانسانیۃ فعن ھذ عد ادا ء لبعض حقوقھما وکذالك النعم النبویۃ علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ علی حسب ماقر رنا علیك لیست مما تجزی وتجری فیہ ذاك بھذا الانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ذلك المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علی خلافۃ الملك المقتدر تبارك و تعالٰی و نعم الملك لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق بہ القرآن العظیم ومایجازی بہ العبد لابد وان یکون ایضا من عطایاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان مکافات عطائہ بعطائہ	وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے رویت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہٰذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اس کو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے، اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا اس کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقام رفیع اور اس منصب بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہو کر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳، سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸، مشکوۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترك الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

وھو غیر معقول وعن ھذا نعتقد ان اداء شکر اللہ سبحنہ وتعالٰی بعمنی فراغ الذمۃ منہ محال عقلا اذا لشکر نعمۃ اخری فلیشکرھا حتی یخرج عن عھدتہ ویتسلسل الی مالایتناھی، فثبت ان الدلیل لا غبار علیہ من ھذا الوجہ۔	سرکاری عطا سے ہو گی، اور یہ معقول نہیں، یہیں سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کا شکر بہ معنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے تو ثابت ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے
الثانی: ان المقدمۃ القائلۃ ان الامہ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما ابوبکر او علی رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	**دوسری وجہ**: یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون ی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔
مدخول فیھا اذھناك فرقتان اخریان تدعی احدھما تفضیل سیدنا الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی جمیع الامۃ، ومستندھا مایروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہ قال ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر[1] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر بن خطاب[2] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی باھی باھل عرفۃ عامۃ وباھی لعمر خاصۃ[3]	اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے کہ یہاں دو۲ فرقے اور ہیں، ان میں کا ایک دعوی کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری امت سے افضل ہیں، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ اور آپ سے مروی ہے، کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "اللہ تعالٰی نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷

[2] جامع الترمذی البواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵، کنز العمال حدیث ۳۵۸۵۸ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بھا و بامثالھا لایقوم علی ساق اما روایۃ اودرایۃ اومعا کاستمساك المفضلۃ بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر و حدیث الاستخلاف فی غزوۃ تبوك وماضاھاھا فمنھا کذب مختلق ومنھا منکر واہٍ ومنھا ما یایفید ہم شیئا وکذلك مضت سنۃ اللہ فی کل مبتدع یحتج ولا حجۃ ویجنح حیث لامحجۃ۔	سے مباہات فرمائی۔ اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علی خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوہ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر رفمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل روایان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انہیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بدمذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔
والفرقہ الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنھما وکان ملحظھم وان لم یعط ففضھم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ ابعم الرجل صنو ابیہ، وھو حدیث احسن اخرجہ الترمذی [1] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولاشك	اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مد نظر اگرچہ ان کی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی عنہ کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضی الله تعالٰی عنه شیخ المسلمین وسیدهم ومقدمهم وقائدهم وعز نفوسهم و تاج رؤسهم حتی الخلفاء الاربعة من هذا الوجه کما ان حضرة البتول الزهراء واخاها السید الکریم ابراهیم علی ابیهما وعلیهما الصلوة التسلیم افضل الامة مطلقا من جهة النسب واجزائیة وکرامة الجوهر والطینة۔	حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد اور ان کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انہیں فضیلت ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی سید ابراہیم ان کے ولد اور ان پر صلوۃ وسلام ہو، روئے نسب و جزئیت و کرامت جوہر وطینت تمام امت سے افضل ہیں۔
وبالجملہ فلا یتعین احد من الشقوق الاربعة الا بابطال الثلثة الباقیة جمیعا فکیف قلتم ان الایة لما لم تلتئم علی علی تعین ابوبکر مصداقا لها علی ان المسائل السمعیة لاتنال الامن قبل السمع۔	بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوئے علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔
فالناظر المتفحص لامذهب له قبل ان ینظر فی دلیل فیظهر له سبیل فان کان تمام الدلیل موقوفا علی (التمذهب) بمذهب لزم الدور وهذا نظیر ما اجبنا به عن استدلال الائمة الشافعیة علی افتراض الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء	تو صاحب نظر و جستجو کا کوئی مذہب اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ اس کو روشن ہوجائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انہوں نے وضو میں فرضیت ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

على الوجوه وعدم القائل بالفصل كما هو مذكور فى الخلافيات۔	پر دخول فاء اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔
اقول: والجواب عنهان مستندنا الاول الذى عليه المعول فى هذ الباب اجماع الصحابة والتابعين لهم باحسان رضى الله تعالى عنهم اجمعين كما نقله الامام الشافعى ثم البيهقى ثم اخرون ودلت عليه احاديث عند البخارى وغيره كما فصلته فى الكتاب واقمت الدليل الجليل على ان الاجماع تام كامل لم يثبت شذوذمنه ولاندور ، وان الخلاف الذى ذكره ابو عمر بن عبدالبر فليس مما يعرج عليه اويلتفت اليه الا رواية والادراية وان سلمنافالسواد االعظم مبتوع و اتباع الشاذ ممنوع ، وهذا القدر يكفينا للتمذهب فانتفى الدور نعم حديث الفرقتين قوى صحيح ليكن لا يخل بالمقصود فان عمر و عباسا رضى الله تعالى عنهما لم يكونا سلما حين نزول الاية كما يظهر بالرجوع الى التاريخ ، فلم يقصدا بالاية قطعا وبه بطل الشقان الباقيان وأل الدليل	**میں کہتا ہوں** اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس بات میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیر وان کا تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم کی کہ اجتماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبدالبر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سواد اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ و نادر کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر و عباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ مطالعہ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہو گئیں اور آخر کار دلیل

الی الاحصان والارصان والحمد للہ ولی الاحسان غایة الامر ان الفاضل المستدل لم یطلع ھذین القولین اولم یعتد بھما لتناھیھما فی السقوط و الشذوذ علی أنا بحمد اللہ بعد ما ثبت الاجماع علی ان الصدیق ھو المراد فی غنی عن ھذہ التجشمات کما لا یخفی اذا ثبت ھذا فنقول وصف اللہ سبحنه وتعالٰی الصدیق بانه اتقی و صف الاتقی بانه الکرم انتجت المقدمتان ان الصدیق اکرم عند اللہ تعالٰی و الافضل والاکرم والارفع درجة والاعلی مکانة کلھا الفاظ معتورة علی معنی واحد ، فثبت الفضل المطلق الکلی للصدیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ، ھذا تقریر الدلیل بحیث یشفی العلیل ویروی الغلیل والحمد للمولی الجلیل واعلم ان ھذا الاحتجاج اطبقت علیه کلمات العلماء سلفا وخلفا وارتضوہ وتلقوہ بالقبول تلیدا و طارفا ولا شك انه لجدیر بذلك لکن المفضلة لھم کلام فیه بثلثة وجوہ نذکرھا نردھا بحیث لایبقی ولا یذر بتوفیق اللہ العلی الاکبر۔

فنقول الشبھة الاولی ان من المفسرین من فسر الاتقی بالتقی

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انہیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمد اللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کہ ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالٰی کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں، لہٰذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجھوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

کمافی المعالم والبیضاوی وغیرھما من التفاسیر فسقط الاحتجاج عن اصلہ اقول ولا علینا ان نمھد اولا مقدمات تعینك ان شاء اللہ تعالٰی فی الجواب عن ھذا الاتیاب ثم نرفع الحجاب عن وجہ الصواب بتوفیق العلیم الوھاب فاستمع لما یلقی علیہ۔	مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد اتقی کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑا پڑا، میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء اللہ تعالٰی تمہاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرہ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔
المقدمۃ الاولی ماتظافرت لادلۃ من العقل والنقل وناھیك بھما امامین علی ان الالفاظ لاتصرف عن ظواھرھا مالم تمس حاجۃ شدیدۃ لاتندفع الابہ والالم یکن ھذا تاویلا بل تغییرا وتبدیلا ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورۃ تلجئ لارتفع الامان عن النصوص کما لایخفی وھذ بغایۃ ظھورہ اغنانا عن تجشم اقامۃ الدلیل علیہ حتی ان بعض العلماء ادرجوہ فی متون العقائد وانہ لحقیق بہ فان قصاری ھمم المبتدعین عن اخرھم انما ھو صرف النصوص عن الظواھر وارتکاب تاویلات	**پہلا مقدمہ** عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہر معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغیر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کردیا۔ بعض علماء نے اس عقائد کے متون میں رکھا، اور یہ مسئلہ اس کا سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے، کہ عبارات شرعیہ ان کے ظاہری معنی سے پھیر دیں اور فاسد

فاسدۃ واحتمالات کاسدۃ واعذار باردۃ فوجب علینا حسم مادتھا بایجاب حمل النصوص علی مایعطیہ ظاھرھا الابضرورۃ ابدا وھذا ظاھر جدًّا۔	تاویلوں اور کھوتے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقام ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معنی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کامادہ کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔
المقدمۃ الثانیۃ: لیس کل مایذکر فی اکثر التفاسیر المتداولۃ واجب القبول وان لم یسا عدہ معقول ویؤیدہ منقول، والوجہ فی ذلك ان التفسیر المرفوع وھو الذی لامحیص عن قبولہ ابدا نذر یسیر جدا لایبلغ المجموع منہ جزء اوجزئین۔	**دوسرا مقدمہ**: بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اس کی موید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک جز کو بھی نہیں پہنچتا۔
قال الامام الجوینی علم التفسیر عسیر یسیر اما عسرہ فظاھر من وجوہ اظھرھا انہ کلام متکلم لم یصل الناس الی مرادہ بالسماع منہ، ولا امکان للصول الیہ بخلاف الامثال والاشعار ونحوھا فان الانسان یمکن علمہ منہ اذا تکلم بان یسمع منہ او ممن سمع منہ، واما القرآن فتفسیرہ علی وجہ القطع لایعلم الابان یسمع من الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ذلك متعذر الافی	امام جوینی کا قول ہے علم تفسیر مشکل اور کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے، ان میں روشن تروجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم (عزجلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا امکان ہے۔بخلاف امثال واشعار اور ان جیسی اور باتون کے کہ انسان کو بولنے والے کی مراد معلوم ہوسکتی ہے جب وہ بولے بایں طور کہ وہ اس سے خود سنے یا اس سے سنے جس نے اس سے سنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

ایات متعددۃ فلائل، فالعلم بالمراد یستنبط بامارات ودلائل، والحکمۃ فیہ ان اللہ تعالٰی اراد ان یتفکر عبادہ فی کتاب، فلم یامر نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتنصیص علی المراد فی جمیع آیاتہ[1] اھ وقال الامام الزرکشی فی البرھان للناظر فی القرآن لطلب التفسیر ماخذ کثیرۃ امھاتھا اربعۃ الاول النقل عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھذا ھو الطراز الاول لیکن یجب الحذر من الضعیف فیہ والموضوع فانہ کثیر[2] الخ۔

قال الامام السیوطی الذی صح من ذلك قلیل جدا بل اصل الوضوع منہ فی غایۃ القلۃ، وکذلك الماثور عن الصحابۃ الکرام والتابعین لھم باحسان قلائل لھذہ الطوامیر الکبروالا قاویل الذاھبۃ شذر مذر فیھا لاخبر ولا اثر وانما حدثت بعدھم لما کثرت الاراء وتجاذبت الاھواء قام کل لغوی ونحوی وبیانی وکل من لہ

علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں تعذر ہے تو مرادِ الٰہی کا علم امارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہٰذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔ اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے، لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔
امام سیوطی نے فرمایا جو ان کی طرف سے صحیح ہے وہ بہت کم ہے بلکہ اس میں اصل موضوع قلّت ہی ہے۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجۃ الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة بشيئ من انواع علوم القرآن يفسر الكلام العزيز بما سمح به فكره وادى اليه نظره ثم جاء الناس مهر عين وبجمع الاقوال مولعين فنقلوا ما وجدوا وقليلا مانقدوا فعن هذا جاءت كثرة الاقاويل ختلاط الصواب باالا باطيل۔	کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے سائق ہوئے تو جو انہوں نے پایا اسے نقل کردیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔
وذکر ابن تیمیة کما نقله الامام السیوطی قائلا انه نفیس جدا لذلك وجهین، **احدهما** قوم اعتقدوا معانی، ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن علیها۔ **والثانی** قوم فسروا القرآن بمجرد مایسوغ ان یریده من کان من الناطقین بلغة العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن والمنزل علیه المخاطب به، فالا ولون راعوا المعنی الذی رأوه من غیر نظر الی ما یستحقه الفاظ القرآن من الدلالة والبیان۔ والاخرون راعوا مجرد اللفظ و مایجوز ان یرید به العربی من غیر نظم الی مایصلح للمتکلم وسیاق الکلام۔	اور ابن تمیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں: **پہلی** وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرالیا، پھر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔ اور **دوسری وجہ** وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہوسکتے ہیں انہوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالٰی) اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انہوں نے قرآن کے الفاظ کے دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سزاوار ہیں کہ نظر انداز کردیا۔ اور دوسروں نے صرف لفظ او جو عربی کی مراد ہوسکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هوالاء كثيرا ما يغلطون فى احتمال اللفظ لذلك المعنى فى اللغة كما يغلط فى ذلك الذين قبلهم كما ان لاولين كثير اما يغلطون فى صحة المعنى الذى فسروا به القرآن كما يغلط فى ذلك الاخرون وان كان نظر الاولين الى المعنى اسبق ونظر الاخرين الى اللفظ اسبق، والاولون صنفان تارة يسلبون لفظ القرآن مادل عليه واريدبه وتارة يحملونه على ما لم يدل عليه ولم يردبه، وفى كلا الامرين قديكون ماقصدوا نفيه اواثباته من المعنى باطلا فيكون خطاهم فى الدليل والمدلول وقد يكون حقا فيكون خطاهم فيه فى الدليل لا فى المدلول (الى ان قال) وفى الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئا فى ذلك بل مبتدعا لانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذى بعث الله به رسوله[1] اھملخصًا۔	پھر یہ لوگ بسااوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انہوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انہوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ یہی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظ قرآن سے اس کا مدلول ومراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی ومطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا تو ان کی خطا لفظ ومعنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ وتابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سر خطا ہوگا بلکہ بد مذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ وتابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انہیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر ،ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وعن اصحابه ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ قال ابن تمیة ایضا کان النزاع بین الصحابة فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و) عـــہ ان کان بین التابعین اکثر منه بین الصحابة فھو قلیل بالنسبة الی مابعد ھم[2] الخ۔وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء "ثم الف فی التفسیر خلایق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترًا فدخل من ھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صارکل من یسنح له قول یوردہ،ومن یخطر بباله شیئ یعتمدہ، ثم ینقل ذلك عنه من یجیئ بعدہ ظانا ان له اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رایت	اور اسی لئے امام ابوطالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا،اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرمایا کہ فرمایا: پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انہوں نے سندوں کو مختصر کردیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح وغیر صحیح مخلوط ہوگئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اور اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

عـــہ:سقطت ھذہ الواؤ من قلم الناسخ وزدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیه۔الازھری غفرله

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۳۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابن تیمیہ النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۳۷

من حکی فی تفسیر قولہ تعالٰی غیر المغضوب علیھم و لاالضالین"نحو عشرۃ اقوال،وتفسیر ھا بالیھود و النصارٰی ھو الوارد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم وجمیع الصحابۃ والتابعین و اتباعھم حتی قال ابن ابی حاتم الااعلم فی ذلك اختلافا بین المفسرین[1] (الی ان قال)فان قلت فای التفاسیر ترشد الیہ وتامر الناظر ان یعول علیہ۔ **قلت** تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی ان لہ یؤلف فی التفسیر مثلہ[2] الخ۔وفی المقاصد البرھان والاتقان غیرھا عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تالی عنہ قال ثلثہ لیس لھا اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ **قلت** وھذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقۃ لما(عہ) یشھد بہ الواقع الا انہ	ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریبًا دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انہوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرماتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔ **میں کہوں گا** تفسیر امام ابو جعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس کی جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ۔اور مقاصد،برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں،کتب سیر وغزوات وتفسر اھ۔ **میں کہتا ہوں** اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عہ:لعلہ کما۔الازھری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۴و۴۷۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن النور الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۶

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۴۰

لم یقله مالم یر الخلط غالبا علیها کمالا یخفی وهذا فی زمانه فیکف بما بعده وفی مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تیمیة"وفی التفسیر من هذه الموضوعات کثیره کمایرویه الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور والثعلبی فی نفسه کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ماوجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبه کان ابصر منه بالعربیة لکن هو ابعد عن اتباع السلف،والبغوی تفسیره مختصر من الثعلبی لکن صان تفسیره عن الموضوع والبدع [1] اھ،وفیه عن جامع البیان لمعین بن صیفی قد یذکر محی السنة البغوی فی تفسیره من المعانی والحایات ما اتفقت کلمة المتاخرین علی ضعفه بل علی وضعه [2] اھوفیه عن الامام احمد رحمة الله تعالٰی انه قال فی تفسیر الکلبی

یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تو ان کے زمانہ میں تھا تو ان کے بعد کیسی حالت ہوئی ہوگی۔اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے،اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دور تھا،اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن انہون نے اپنی تفسیر کو موضاعات اور بدعتوں سے بچایاہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے" کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب و حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے،اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع ہے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

[2] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

من اوله الی اخره کذب لایحل المنظر فیها [1] اھ	آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔
وقد عد الخلیل فی الارشاد اجزاء قائل من التفسر صحت اسانیدھا وغالبها بل کلها لا توجد الا ان اللهم الانقول عنها فی اسفار المتاخرین" قال وهذه التفاسیر الطوال التی اسندوها الی ابن عباس غیر مرضیة ورواتها مجاهیل کتفسیر جویبر عن الضحاك عن ابن عباس [2] الخ۔ وقال فاما ابن جریج فانه لم یقصد الصحة وانما روی ماذکر فی کل ایة من الصحیح والسقیم، وتفسیر مقاتل بن سلیمان فمقاتل فی نفسه ضعفوه وقد ادرك الکبار من التابعین و الشافعی اشار الی ان تفسیره صالح [3]۔	اور بے شک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جزا یسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں مین ہیں، ابن تمیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔ اور کہا رہے ابن جریج تو انہوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انہوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔ اور مقاتل بن سلیمان کا علماء نے فی نفسہ ضعیف بتایا حالانکہ انہوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ۔
قال المولی السیوطی قدس اللہ سرہ واوھی طرقه (یعنی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما) طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلك روایة محمد بن مروان السدی	امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس سے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۰

[2] الاتقان فی علم القرآن بحواله الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۰

[3] الاتقان فی علم القرآن بحواله الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۷۱

الصغیر فھی سلسلۃ الکذب وکثیرا مایخرج منھا الثعلبی والواحدی، ولکن قال ابن عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحۃ وخاصۃ عن ابی صالح وھو معروف بالتفسیر ولیس لاحد تفسیر اطول منہ ولا اشبع، وبعدہ مقاتل بن سلیمان الا ان الکلبی یفضل علیہ لما فی مقاتل من المذاھب الردیئۃ و طریق الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس منقطعۃ فان الضحاك لم یلقہ فان انضم الی ذلك روایۃ بشربن عمارۃ عن ابی روق عنہ فضعیفۃ لضعف بشر، وقد اخرج من ھذہ النسخۃ کثیرا ابن جریر وابن ابی حاتم، وان کان من روایۃ جویبر عن الضحاك فاشد ضعفا لان جویبرا شدید الضعف متروك[1] الخ۔ قال ورایت عن فضائل الامام الشافعی لابی عبد اللہ محمد بن احمد بن شاکر القطان انہ اخرج بسندہ من طریق بن عبد الحکم قال سمعت الشافعی یقول لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبیہ	تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث قابل قبول ہیں اور خصوصًا ابو صالح کی روایت سے اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں، اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں، مگر کلبی کو ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں ردی خیالات ہیں، اور سند ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات نہ کی، پھر اگر اس کے ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے، اس نسخہ سے بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن حاتم نے تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر شدید الضعف متروک ہے، انہوں نے کہا اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انہوں نے اپنی سند بطریق ابن عبدالحکم روایت کیا کہ ابن عبدالحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تفسیر میں تقریبًا سو حدیثیں

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۱ و ۴۷۲

بمائة حدیث[1]

قلت وهذه معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامة حالها بالنسبة الی کثیر من التفاسیر المتداولة و دنوها الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرة من الضعاف والشواذ والواهیات المنکرة و کثیرا ماتدور اسانیدها علی هولاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی و مقاتل وغیرهم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لااعتناء لهم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیره ممن یحذو حذوه. فلا تسئل عما عندهم من اباطیل لازمام لها ولا خطام دع عنك هذا یالیتهم اقتصروا علی ذلك لکن بعضهم تعدوا ماهنا لك وسلکوا مسالك تجر الی مهالك فادلجوا فی تفسیر القرآن ماتقف له الشعر وتنکره القلوب وتمجه الاذن اذقرر واقصص الانبیاء الکرام والملئکة العظام علیهم الصلوۃ والسلام

ثابت ہیں۔

میں کہوں گا اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرفہ حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنہیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انہوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل انہیں ناپسند کرتے اور کان انہیں پھینکتے ہیں اس لئے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۲

بما ینقض عصمتھم وینقص اویزیل عن قلوب الجھال عظمتھم کما یظھر علی ذلك من راجع قصة ادم وحواء وداؤد و اوریا وسلیمان والجسد الملقی و الالقاء فی الامنیة والغرانقة العلی وھاروت و ماروت وما ببابل جری فباللہ التعوذ والیه المشتکی فاصابھم فی ذلك ما اصاب اھل السیر والملاحم فی نقل مشاجرات الصحابة.اذجاء کثیر منھا مناقضا للدین وموھنا للیقین وازدارد خنا علی وخن وھنات علی ھنات ان اطلع علی کلامھم بعض من لیس عندہ آثار ة من علم ولامتانة من حلم فضل و اضل اما اغترارابکلما تھم جھلا منه بما فیه من الوبال البعید والنکال الشدید واما ظلما وعلوا لاجتراء ہ بذلك علی ابانة مافی قلبه المرض من تنقیص الانبیاء وتفسیق الاولیاء فمضی علیه الکبیر و نشاء علیه الصغیر	انبیاء کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل مین ان کی عظمت کم ہو جاتی ہے یا زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و حوا وداؤد و اوریا اور سلیمان اور انکی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور غرانیق عُلی کے واقعات اور ہاروت و ماروت اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے ان کی شکایت ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو مصنفین واقعات سیرت ومغازی کو صحابہ کے اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہو گئی جن کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان کے کلمات سے دھوکا کر اس کے وبال شدید وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم وسرکشی کی وجہ اسے اس لئے کہ ان باتوں سے انہیں اس کے اظہار کی جرات ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختتل دین کثیر من الناقصین وصاروا شرا من العوام العامین اذلم یقدروا علی مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل علماء نا النصح للثقلین فشد دو االنکیر علی کلا الفریقین اعنی التفاسیر والوهیة و السیر الداهیة فاعلنوا انکارها و بینوا عوارها کالقاضی فی الشفاء والقاری فی الشرح والخفاجی فی النسیم والقسطلانی فی المواهب والزرقانی فی الشرح والشیخ فی المدارج وغیرهم فی غیرها رحمة الله علیهم اجمعین،والحمدلله رب العالمین،ولقد الان القول ابوحیان اذقال کما نقل الامام السیوطی ان المفسرین ذکروا مالا یصح من اسباب نزول و احادیث فی الفضائل و حکایات لاتناسب وتواریخ اسرائیلیة ولا ینبغی ذکر هذا فی علم التفسیر[1] انتهی،

واعلم ان هناك اقواما یعتریهم نزغة فلسفیة لما افنوا عمرهم فیها وظنوها شیئا شهیا فیولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے معالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انہوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انہوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمدللہ رب العلمین، اور یقینا ابوحیان نے بات کو سہل ونرم کیا کہ انہوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہیں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیل کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے موغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

بعيدة ولولم يكن فيها حلاوة ولا عليها طلاوة حتى ذكر بعضهم فى قوله تعالى "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" [1] ماتعلقت به جهلة النصارى واخرون ممن يتلجلجون فى الايمان فيلهجون بكلمة الاسلام وفى قلوبهم من بغض النبى صلى الله تعالى عليه وسلم وانكار معجزاته جبال عظام فانالله وانا اليه راجعون هذا الذى اعيى السيوطى حتى تبرا عنها كلها واقتصر على الارشاد الى تفسير ابن جرير كما مرنقله كما تضجرا الذهبى عن خلاعة اكثر السير والتواريخ فعافها عن اخرها الى دلائل البيهقى قائلا انه النور كله وقد دبت هذه الفتنة الصماء والبلية العمياء الى كثير من متاخرى المتكلمين الذين اشتد عنايتهم بالتفلسف الخبيث ولم يحصلو ابصيرة فى صناعة الحديث حتى انهم يذكرون فى بعض المسائل فضلاعن الدلائل ما ليس من السنة فى شى واما	احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کر گئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انہوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

مابینهم من قیل وقال وکثرة السوال و الشبه و الجدال،فکن حذورا و لاتسئل عن الخیر اوه علی الله الشکوی۔	کو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرت سوال و شبہات وجدال ہیں۔ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت نہ پوچھو آہ اللہ ہی سے فریاد ہے۔
فلقد بلغ الامر الی ان الناظر فی تلك الکتب لایکاد یعرف ان هذا مما جاء به ارسطو و افلاطون اوماجاء به محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد ثقل صنیعهم هذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمه سیدی الشیخ المحقق لما رای ذلك منهم فی مسئلة المعراج لم یتمالك نفسه ان اغلظ القول فیهم الی سماهم ان سماهم ضالین مضلین ولم یکن بدعا فی ذلك بل سبقه فی اقامة الطامة الکبری علیهم ائمة تشار الیهم بالبنان وتقوم بهم ارکان الایمان کما فصله الملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر ان شئت فطالعه فانك اذا رایت ثم رایت عجبا کبیرا ومن هذا القبیل ما ذکره بعضهم فی مشاجرات الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم اذنسب القول بتفسیق کثیر منهم حتی بعض العشرة المبشرة ایضًا	اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزار یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبد الحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انہیں اپنے اوپر قابو نہ رہا انہوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انہیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبری ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھو گے تو بڑی عجیب بات دیکھو گے،اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے،کہ انہوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الی کثیر من اھل السنة والجماعة وھم واللہ ماقالوا ولا اذنوا فالحق ان الدین لایقوم الا بالحدیث والحدیث مضلة الا للفقیہ والفقہ لایحصل باتباع الشبہ وتحکیم العقل السفیہ نجانا اللہ والمسلمین عن شر الجھل و شر العلم فان شر العلم ادھی وامر ولاحول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم وانما اطبنا الکلام فی ھذاالمقام حوطا علی السنن وکراھة للفتن ان تروج علی المؤمنین او ترعرع الی الدین فیفسد الیقین الافعض علیہ بالنواجذ فالنصیح غیر مفتون وایاك ان تخالفہ وان افتاك المفتون۔	جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سنی علماء کی طرف منسوب کردیا حالانکہ انہوں نے قطعاً خدا کی قسم یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل سنت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں رواج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان بگڑ جائے، سنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے پکڑلو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتوی دینے والے فتوی دیں۔
ایقاظ مھم: اعیذك باللہ ان یستفزك الوھم عن الذی القینا علیك فتفتری علینا غیرہ اویوسوسك قلة الفھم انالانکترث للتفسیر ولانلقی لہ	**ضروری تنبیہ:** میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتاہوں اس بات سے کہ تمہیں وہم اس بات سے ڈگمگادے جو ہم نے تم پر القاء کیا، توتم ہم پر اس سے جدا بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالا ولا نسلم له خيره وانما المعنى ان غالب الزبر المتداولة لاتسلم من الدخيل وتجمع من الاقوال كل صحيح وعليل فمجرد حكايتها لايوجب التسليم ولايصد الناقد عن نقد السقيم فماهي عندنا اسوء حالا من اكثر كتب الاحاديث اذنعاملها مرة بالترك ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد كل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتى مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر يدور على نظافة الحديث سندا ومتنا فاينما وجدنا الرطب اجتنينا وان كان فى منابت الحنظل وحيثما راينا الحنظل اجتنبنا وان نبت فى مسيل العسل۔

اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہین تو ان کتابون میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کا مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ برا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھالیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدار کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند و متن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑدیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگا ہو۔

ولقد علمت ان اكثر هذا الداء العضال انما دخل التفاسير من باب الاعضال وفى امثال تلك المحال اذا لم يعرف السند يؤل الامر الى نقد المقال فما كان منها يناضل النصوص ويرد المنصوص اوفيه ازراء بالرسل والانبياء اوغير ذلك ممالا يحتمل علمنا انه قول مغسول

اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوب کورد کرتی ہو یا اس میں رسل وانبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابل قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھو دینے کے قابل ہے اور اگر

وان کان بریئا من الافات نقیا من العاھات قبلناہ علی تفاوت عظیم بین قبول وقبول ولیس ھذا من باب ما نھینا عنہ من الاجتراء علی التفسیر بالاراء ومعاذ اللہ ان نجتری علیہ فان علم التفسیر اشد عسیر ویحتاج فیہ الی ما لیس بحاصل ولا میسر کما قد فصل بعضہ العلامۃ السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وکذلك اذا اتانا منھا ما فیہ العدول عن ظاھر المدلول وصح ذلك عمن لا یسعنا خلافہ اوکانت ھناك خلۃ لا تنسد الا بہ تعین القبول والا فدلالۃ کلام اللہ تبارك وتعالٰی احق بالتعویل من قال وقیل ھذا الذی قصد فلا تنقص ولا تزد۔

خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرات کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل و قال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔

قال الامام السیوطی قال بعضھم فی جواز تفسیر القرآن بمقتضی اللغۃ روایتان عن احمد وقیل الکراھۃ تحمل علی صرف الایۃ عن ظاھرھا الی معان خارجۃ محتملۃ یدل علیھا القلیل من کلام العرب ولا یوجد غالبا الا فی الشعر و نحوہ ویکون المتبادر خلافھا[1] اھ"

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۴

وقال عن برھان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعدا فھو الذی لایجوز لغیر العلماء الاجتھاد فیه، وعلیھم اعتماد الشواھد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظھر وجب الحمل علیه الاان یقوم دلیل علی ان المراد ھو الخفی [1] اھ	اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا: ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد ودلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔
وقال قال العلماء یجب علی المفسران یتحری فی التفسیر مطابقة المفسر و ان یتحرز فی ذلك من نقص عما یحتاج الیه فی ایضاح المعنی اوزیادة لا تلیق بالغرض ومن کون المفسرفیه زیغ عن المعنی و عدول عن طریقه وعلیه بمراعاة المعنی الحقیقی و المجازی، ومراعاة التالیف والغرض الذی سیق له الکلام [2] الخ۔	اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی ومجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔
المقدمة الثالثة: کثیرا ماتری المفسرین یذکر بعضھم تحت الایة وجھا من التاویل والبعض الاخرون وجھا اخر وربما جمعوا وجوھا کثیرة وغالبه لیس من باب الاختلاف	**مقدمہ سوم:** مفسرین کو تم بہت دیکھوگے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کردیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف وتردد کے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

اوالتردد المانع عن التمسك باحدها لاسيما الاظهر الانور منها و انماهو تفنن فی المرام ،اوبیان لبعض ماینتظمه الکلام وذالك ان القرآن ذو وجوه وفنون ولکل حرف منه غصون وشجون و له عجائب لاتنقضی ومعان تمد ولا تنتهی فجاز الاحتجاج به علی کل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه وتعالٰی علینا ومن ابلغ وجوه اعجاز القرآن ولو کان الامر علی خلاف ذلك لعادت النعمة بلیة والاعجاز عجزا والعیاذ بالله تعالٰی وقد وصف الله سبحنه وتعالٰی القرآن بالمبین، فلیس تنوع معاینه کتذبذب المحتملات فی کلام مبهم مختلط لایستبین المراد منه، ولقد قال الله تبارك وتعالٰی "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴿۱۰۹﴾" [1] وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی مااخرج ابو نعیم وغیره	باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری سے تمسک کامانع ہو خصوصاان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یاکلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کردینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہوجاتی اور اعجاز عجز ہوجاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو، محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقینا اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے محبوب! تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ابونعیم وغیرہ نے حضرت

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علی احسن وجوھہ [1] رضی اللہ تعالٰی عنھما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ [2] الحدیث۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی ومطالب اور ظاہری وباطنی پہلو رکھتا ہے،اس کے عجائب بے انتہا ہیں اس کی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث)
قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لایفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا،وقد قال بعض العلماء لکل ایۃ ستون الف فھم [3] انتھی ملخصًا۔وللہ در الامام البوصیری حیث یقول ؎ لھا معان کموج البحر فی مدد وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم فلا تعد ولا تحصی عجائبھا ولا تسام علی الاکثار بالسام [4]	سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے،اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔ اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں،اور وہ حسن وقیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہوسکے نہ شمار میں آئیں، اوراس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۷و۴۴۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[3] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات،ہند،ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانیه لاینافی بعضا ولا یوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا تری العلماء لم یزالو محتجین علی احد التاویلات، ولم یمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها اخر لاتعلق لها بالمقام، وعلام كان یصدهم وقد علموا ان القرآن حجة بوجوهه جمیعا ولیس هذا لاتفننا وتنویعا هذا هو الاصل العظیم الذی یجب المحافظة علیه. انبانا المولی السراج عن المفتی الجمال عن السنة السندی عن الشیخ صالح عن محمد بن السنة وسلیمان الدرعی عن الشریف محمد بن عبدالله عن السراج بن الالجائی عن البدر الکرخی والشمس العلقمی کلهم عن الامام جلال الملة و الدین السیوطی قال فی الاتقان ناقلا عن ابن تیمیة الخلاف بین السلف فی التفسیر قلیلل وغالب مایصح عنهم من الخلاف یرجع الی اختلاف تنوع الاختلاف تضاد۔ وذلك صنفان: **احدهما** ان یعبر واحد منهم عن المراد بعبارة غیر عبارة صاحبه تدل علی معنی فی المسمی غیر المعنی الاخر من اتحاد المسمی	اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے متنافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھوگے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انہیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو باز رکھے حالانکہ انہیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلاف وجوہ تو محض تفنن کلام و تلون عبارت ہے، ہمیں خبر دی مولی سراج نے مفتی جمال سے انہوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انہوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے سراج بن الالجائی سے انہوں نے بدر کرخی وشمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انہوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے: ان میں سے **ایک صنف** یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

کتفسیر هم الصراط المستقیم "بعض بالقرآن ای اتباعه وبعض بالاسلام فالقولان متفقان لان دین الاسلام هو اتباع القرآن ولکن کل منها نبه علی وصف غیر الوصف الاخر کما ان لفظ الصراط یشعر بوصف ثالث، وکذلك قول من قال هو السنة و الجماعة وقول من قال هو طریق العبودیة وقول من قال هو طاعة الله ورسوله و امثال ذلک، فهؤلاء کلهم اشاروا الی ذات واحدة ولکن وصفها کل منهم بصفة من صفاتها۔	الصراط المستقیم کی تفسیر کی کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراط مستقیم مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریق بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ ورسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کردی۔
الثانی ان یذکر کل منهم من الاسم العام بعض انواعه علی سبیل التمثیل وتنبیه المستمع علی النوع، لاعلی سبیل الحد المطابق للمحدود فی عمومه و خصوصه مثاله ما نقل فی قوله تعالٰی ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایة فمعلوم ان الظالم لنفسه یتناول المضیع للواجبات والمنتهك للحرمات و المقتصد یتناول فاعل	**دوسری صنف** یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخالف کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حد تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، والسابق يدخل فيه من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون اصحاب اليمين والسابقون السابقون اولئك المقربون، ثم ان كلامنهم يذكر هذا فى نوع من انواع الطاعات كقول القائل السابق الذى يصلى فى اول الوقت، والمقتصد الذى يصلى فى اثنائه والظالم لنفسه الذى يؤخر العصر الى الاصفرار او يقول السابق المحسن بالصدقة مع الزكوة، والمقتصد الذى يؤدى الزكاة المفروضة فقط، والظالم مانع الزكوة[1] اھ۔	واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے کہا: سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک موخر کردے، اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل زکوۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو زکوۃ نہ دے اھ۔
وعن الزركشى "ربما يحكى عنهم عبارات مختلفة الالفاظ فيظن من لافهم عنده ان ذلك اختلاف محقق فيحكيه اقوالا و ليس كذلك بل يكون كل واحد منهم ذكر معنى من الاية لكونه اظهر عنده او اليق بحال السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن الشيئ بلازمه ونظيره والاخر بمقصوده	اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسااوقات علماء سے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیت کا ایک معنی ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۳۸

وثمرته والکل یؤل الی معنی واحد غالبا[1] الخ وعن البغوی والکواشی وغیرھما التاویل صرف الایة الی معنی موافق لما قبلھا وبعدھا تحتملہ الایة غیر مخالف للکتاب والسنة من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر کقولہ تعالٰی "انفروا خفافا وثقالا" قیل شبابا وشیوخا، وقیل اغنیاء و فقراء، قیل عزابا ومتاھلین، وقیل نشاطا وغیر نشاط وقیل اصحاء ومرضی وکل ذلك سائغ والایة تحتملہ[2] الخ، وھذا فصل عمیق بعید لوفصلنا فیہ الکلام خرج بناء عما نحن بصددہ من المراد، فیما اوردناہ کفایة الاولی الاحلام لاسیما من لہ اجالة نظر فی کلمات المفسرین وتمسکات العلماء بالقرآن المبین۔	وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی و کواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو، اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو، ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنہیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالٰی کے قول "انفروا خفافا وثقالا (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔ اور کسی نے کہا غنی وفقیر۔ اور کسی کا قول ہے۔ شادی شدہ اور مجرد۔ اور کسی کا قول ہے: چست وسست۔ اور کسی نے کہا: صحت مند و بیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع وعریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کردے گا جس کے ہم درپے ہیں، اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے، کفایت ہے۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۴

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۸

المقدمة الرابعة:هذا التاویل الذی فتحنا ابواب الکلام علی ایھا نه اعنی تفسیر الاتقی بالتقی انما هو مروی عن ابی عبیدة کما صرح به العلامة النسفی رحمه الله تعالٰی فی مدارك التنزیل[1] وحقائق التاویل وابوعبیدة هذا رجل نحوی لغوی من الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنی کان یری رأی الخوارج وکان سلیط اللسان وقاعا فی العلماء وتلمیذه ابو عبیدالقاسم بن سلام احسن منه حالا وابصر منه بالحدیث انبأنا مفتی مکة سیدی عبدالرحمن عن جمال بن عمر عن الشیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی عن ابن السنة عن المولی الشرف عن محمد ابن ارکماش الحنفی عن حافظ ابن حجر العسقلانی قال فی التقریب معمر بن المثنی ابو عبیدة التیمی مولاهم البصری النحوی اللغوی صدوق اخباری وقدرمی برای الخوارج من السابعة مات سنة ثمان ومائتین وقیل بعد ذلك وقد قارب المائة[2] انتهی۔

چوتھا مقدمہ: یہ تاویل جس کے ضعف بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے۔چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں کی ہے،اور یہ ابوعبیدہ ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم،جوساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے،اس کانام معمر بن المثنی ہے،خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا،اور یہ بدزبان علماء کا بدگو تھا،اور اس کے شاگرد ابوعبید قاسم بن سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انہیں حدیث میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔مجھے مفتی مکہ سیدی عبدالرحمٰن نے جمال بن عمر سے خبر دی انہوں نے شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی انہوں نے ابن السنۃ سے انہوں نے مولی شریف سے انہوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا معمر بن مثنی ابو عبیدہ تیمی بنو تیم کا آزاد کردہ، بصری نحوی، لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے،اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا،اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد وفات ہوئی اور عمر تقریبًا سوسال ہوئی انتہی۔

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی)تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] تقریب التهذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۰۳

وقد قال ابن خلکان کما نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة عـــه الهدایة ابو عبید بغیر تاء مذکور فی باب الجنایات من کتاب الحج اسمه القاسم بن سلام ذا باع طویل فی فنون الادب والفقه، قال القاضی احمد بن کامل کان ابو عبید فاضلا فی دینه متفننا فی اصناف العلوم من القراءات والفقه العربیة و الاخبار حسن الروایة صحیح النقل روی عن ابی زید والاصمعی وابی عبیده وابن الاعرابی والکسائی والفراء وغیرهم وروی الناس من کتبه المصنفة بضعة وعشرین فی الحدیث والقراءات والامثال ومعانی الشعر وغریب الحدیث وغیر ذلك ویقال انه اول من صنف فی غریب الحدیث، وقال الهلال مَنَّ الله تعالٰی علی هذه الامة باربعة فی زمانهم الشافعی فی فقه الحدیث وباحمد بن حنبل فی المحنة ولولاه لکفر الناس وبیحیی بن معین فی ذب الکذب عن الاحادیث وبابی عبید القاسم بن	اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبدالحیٰ نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قراءت وفقہ وعربیت وتاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انہوں نے ابوزید واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی وفراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث وقراءت وامثال ومعنی شعر واحادیث غریبہ وغیرہا میں تئیس سے انتیس تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا اللہ تعالٰی نے اس امت پر اپنے اپنے زمانہ میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عـــه: فی الاصل بیاض وعبارة المقدمة منقولة من المترجم ۱۲ النعمانی۔

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاته بمکة وقیل بالمدینة سنة اثنتین اوثلث وعشرین ومائتین وقال البخاری سنة اربع وعشرین۔ ویوجد فی بعض نسخ الهدایة فی الموضع المذکور ابو عبیدة بالتاء واسمه معمر بن المثنی وقد ذکرنا ترجمته فی الاصل وقال العینی فی شرحه ابو عبید اسمه معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابو عبیدة بالتاء واسمه القاسم بن سلام البغدادی، والاول اصح انتهی، وهذا مخالف لما فی تاریخ ابن خلکان وغیره من التواریخ المعتمدة من ان ابا عبید بغیر التاء کنیة القاسم وبالتاء کنیة معمر[1]۔ واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سیدنا عبدالله مسعود وحبر الامة سلطان المفسرین عبدالله بن عباس وعروة بن زبیر وشقیقه عبدالله وافضل التابعین سعید	کافر ہوجاتے، اور یحیٰی بن معین سے یوں منت رکھی کہ انہوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کردیا اور ابوعبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے موضع مذکور میں ابو عبیدۃ بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابو عبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابوعبیدۃ بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے، اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ ابن خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔ رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نقش پائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عالم امت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

[1] مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة لعبد الحی مع الهدایة المکتبة العربیة کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عھنم اجمعین فقد رویناً لك ماقالوا فی الایۃ۔	تو ہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے لئے روایت کر چکے۔
المقدمۃ الخامسۃ: لعلك یا من یفضل علیاً علی الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین تفرح و تمرح ان ھؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی من عداہ وحاشاہم عن ذلک،الاتری انہم کما فسروا الاتقی بالتقی کذلك اولوا الاشقی بالشقی فاین ھذا من قصدك الذمیم الذی ترید لاجلہ تغییر القرآن العظیم وانما الباعث لھم علی ذلك ما ذکرہ ابو عبیدۃ بنفسہ۔	**پانچواں مقدمہ:** اے تفضیلیہ شاید تو خوش ہو اور فخر کرے یہ مفسرین اتقی سے تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے بری ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے جس طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے، ان کے لیے اس تفسیر پر ابو عبیدہ کا قول مذکور باعث ہوا۔
انبانا سراج العلماء عن المفتی ابن عمر عن عابد سندی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن ا لعلاء عن حسن العجیمی عن خیر الدین الرملی عن العلامۃ احمد بن امین الدین بن عبد العال عن ابیہ عن جدہ عن العزعبد الرحیم بن الفرات عن ضیاء الدین محمد بن محمد الصنعانی عن قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن	ہمیں سراج العلماء نے خبر دی مفتی ابن عمر سے انہوں نے روایت کی عابد سندی سے انہوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انہوں نے حسن العجیمی سے روایت کی انہوں نے خیر الدین رملی سے انہوں نے علامہ احمد بن امین الدین بن عبد العال سے انہوں نے اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انہوں نے عز عبد الرحیم بن فرات سے انہوں نے ضیاء الدین محمد بن محمد صنعانی سے انہوں نے قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انہوں نے مولی

المولی حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارك التنزیل قال ابو عبیدۃ الاشقی بمعنی الشقی وھوالکافر، والاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن لانه لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابا لنجاۃ اتقی الاتقیاء وان زعمت انه تعالٰی نکر النار فاراد نارا مخصوصۃ بالاشقی، فما تصنع لقوله وسیجنبھا الاتقی الذی لان الاتقی یجنب تلك النار المخصوصۃ لا الاتقی منھم خاصۃ[1] انتہی۔	حافظ الدین ابو البرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابو عبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیاء سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محل اثبات میں ہو تو اس سے مراد فرد مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔
وتلخیص المقام: ان قوله سبحنه وتعالٰی "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۶﴾"[2] لایمکن اجراءہ علی ظاھرہ لانه یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان	**مقام تلخیص**: یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کے قول "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۶﴾" (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہر معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الایۃ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/۱۴ تا ۱۶

لایدخلها احد غیرہ کالفجار والکافرین القاصرین عنه فی الشقاء والاستکبار وھذا باطل قطعا فاختار الواحدی والرازی والقاضی المحلی وابو السعود واخرون ماملحظه ان لیس المراد بالاشقی رجل مخصوص یکون اشقی الاشقیاء بل المعنی من کان بالغا ^{عــــہ} فی الشقاء	کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بد نصیبوں سے بڑا بد نصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بد نصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بد نصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہٰذا واحدی و رازی و قاضی و محلّی وابو السعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عــــہ: قوله بالغا فی الشقاء الخ"انت خبیر بانا قررنا کلامھم بحیث یندفع عنه یراد قوی کان یتخالج فی صدری تقریر الایراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوۃ کما ان له قسطا عظیما من السعادۃ، ولیس ان الشقاء یختص بالکفرۃ. الاتری ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم سمی الخبیث الشقی عبدالرحمن بن ملجم الذی قتل السید الکریم المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنه وخضب الحیة الکریمة بدم راسه الاقدس اشقی الاخرین کما ورد بطریق عدیدۃ عن سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجهه وانما کان ھذاك الخبیث رجلا من الخوارج واذا کان الامر ھکذا

(قولہ بد بختی میں حد کو پہنچا ہوا الخ) تم خبر دار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بد بختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بد بختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو ان کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بد بخت فرمایا، جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث (باقی برصفحہ آئندہ)

متناهیا فیه وهم الکفار عن	اس مفہوم کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فما لهولاء اولو الاشقی بالشقی ثم خصوه بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضهم یدخل النار قطعا، فلو انهم اجروه علی العموم یسلموا من ذاك و تقریر الجواب انهم لما فطموا الافعل عن معناه الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداه کرهوا ان یذهبوا به مذهبا ابعد من حقیقة کل البعد، فاردوا به البالغ فی الشقاء المتناهی فیه ابقاء لمعنی الزیادة المدلول علیها بصیغة التفضیل، والوجه فی ذلك ان هناك ثلثة امور، الاول الاتصاف بالمبدء وهو مفاد اسم الفاعل، و الثانی الکثرة فیه و هو مدلول صیغة المبالغة، و الثالث الزیادة فیه عن غیره و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا (یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقینا جہنم میں جائیں گئے تو اگر انہوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب انہوں نے افعل، (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انہیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہذا انہوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغہ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل (باقی بر صفحہ آئندہ)

اخرهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الاخر الى السعادة الابدية وهى الايمان، و هؤلاء القائلون لما رأوا مادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم ،وزعم الواحدى انه معناه الحقيقى فقال كما نقل الرازى معنى"لايصلاها" لايلزمها فى حقيقة اللغة يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقايسا شدتها وحرها ،وعندنا ان هذه الملازمة لاتثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لايدخلها اوان دخلها تخلص منها[1] انتهى	سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ وُرہا مومن فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوت فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادت ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بدعمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لہٰذا یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لایصلاھا" کا معنی حقیقت لغت میں "لایلزمھا" ہے کہتے ہیں کہ صلی الکافر النار جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے، اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمۃ فقط کافر کیلئے ثابت ہے، رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا۔ انتہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) هو الموضوع له اسم التفضيل فالثانى و كالوسط بين الاول والثالث و العدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذى حملهم على ذلك فيما اظن و الله تعالٰى اعلم منه عفاالله تعالٰى عنه امين۔	کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوئم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالٰی اعلم منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ۔ آمین!

[1] مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) تحت الاية ۹۲/ ۱۵تا۱۶ المطبعة البهية المصرية ۳۱/ ۲۰۴

اقول: وما احسن هذا تأویلا اواصفاه لو لاان یکدره ماسأذکره قریبا فارتقب ورکن الرازی الی وجه اخر من التأویل وهوان یخص عموم هذا الظاہر بالایات الدالة علی وعید الفساق [1] **اقول:** هذا جمع بین التأویل والتخصیص وهو مستغنی عنه اذ لو قیل بالتخصیص فکما دلت الایات علی وعید الفساق کذالك دلت علی ایعاد سائر الکفار بدلالة اظهر واجلی۔ اللهم الاان یقال فیه تکثیر التخصیص جدا والقصر علی فرد و احد اشد بعد و هذا عـــه ولقد سلك	میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہر معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔ **میں کہتا ہوں** یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کر دینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عـــه: اعلم ان العبد الضعیف لما فرغ من تحریر هذه المقدمات الخمس وبلغ الی اخر ما کتبنا فی جواب الشبة الاولی استعار تفسیر فتح العزیز المتعلق بجزء عم یتساءلون من	تمہیں معلوم ہو کہ بندہ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساء لون سے متعلق ہے عاریت لی تو (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۱۵/۹۲و۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳/۲۰۴

القاضی الامام ابو بکر کما	قاضی امام ابوبکر نے جیسا کہ امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیہ من ھذا المقام ورایت المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز ذکر الدفع ھذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجھین اخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصۃ بالکفار، والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطھیرا، وتادیبا کان کلا دخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعدہ خروج فالحصر بھذا المعنی وھو حق صحیح بلا امتراء انتھی۔

بالحاصل **اقول**: ما انعمھما من وجھین وادفعھما لکل شین لکنك یا عریف انت خبیر بانھما یجریان ایضا بعد شیئ من تغیر العبارۃ فیما اذا حملنا الاشقی علی معناہ الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء اللہ تعالٰی فیا لیت المولی الفاضل لما تنبہ علی ھذین کما تنبھنا تجنب التاویل کما اجتبینا اذ البدایۃ بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بھذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولی فاضل استاذ استاذی عبدالعزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا، تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق وصواب ہے۔

الحاصل **میں کہتا ہوں** یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تغیر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنوگے ان شاء اللہ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرف ان دونوں وجھوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجھوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی برصفحہ آئندہ)

اثر عنه الفخر الرازی فی مفاتیح الغیب مسلکا حسنا اذحاول ابقاء الاشقی علی معناه الحقیقی اعنی من لایدانیه احد فی الشقاء وذکر لتصحیح الحصر وجهین یرتاح بهما اللبیب ویندحض کل شك مریب: **الاول** ان یکون المراد بقوله تعالٰی "نارا تلظی" نارا مخصوصة من النیران لانها درکات بقوله تعالٰی ان المنفقین فی الدرك الاسفل من النار" فالاٰیة تدل علی ان تلك النار المخصوصة لایصلها سوی هذا الاشقی، ولاتدل علی ان الفاسق وغیر من هذا صفته من الکفار لایدخل سائر النیران [1] انتهی۔ **اقول**: فکان کقوله تعالٰی "وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾" [2] ای اعظم النیران جمیعا علی احد وجوه التاویلات	میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انہوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہوجائے: **پہلی وجہ** یہ کہ قول خدا تعالٰی نارا تلظی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں،" اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہی۔ **میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی کے فرمان "وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطا بعد کادان یصیب، وماتوفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب ۱۲منه عفا اللہ تعالٰی عنه امین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشان چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الاٰیة ۹۲/ ۱۴و۱۵ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱و۱۲

وردہ الرازی بان قولہ تعالٰی "نارا تلظی" یحتمل ان یکون ذلك صفة لکل النیران وان یکون صفة لنار مخصوصة لکنہ تعالٰی وصف کل نار جھنم بھذا الوصف فی ایة اخری فقال "اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ"[1]	اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا، اس کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ" وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی۔
اقول: یترأی من ھذہ العبارة للایراد وجھتان: **الاولی** ان المورد کانہ ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفة التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاء نی غلام عاقل بصفة العقل، ومن ھذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النیران فلا یراد ح ظاھر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اخر والتلظی لا یختص بنار دون نار۔ الاتری ان اللہ سبحنہ وتعالٰی وصف النار مطلقا "اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ"[2] ولکن لم یکن القاضی الامام	**میں کہتا ہوں** اس عبارت سے اعتراض کی دو[2] جہتیں نظر آتی ہیں۔ **پہلی** تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابو بکر آتش جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی زید عاقل میں صفت عقل سے مخصوص ہے اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی مطلقاً آتش جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے: "اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ" (یعنی وہ تو

[1] القران الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

[2] القران الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

ليريد هذا وانما ملحظه الى ان التنكير للتعظيم فقوله تعالٰى نارا اى نارا عظيما ليس كمثله ناركانه اشير بالتنكير الى انها بشهرة امرها وشيوع فزعها واخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الاذهان الا اليها،فاغنت شهرتها و انتشار ذكرها عن تعريف اسمها كما يفيد ذلك تنكير المليك فى قوله تعالٰى "فِىۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ"[1] وتنكير الظلم فى قوله تعالٰى "اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ"[2] اى ظلم لاظلم كمثله وهو الشرك۔ انبانا مولانا السيد حسين جمل الليل امام الشافعية بمكة المحمية عن خاتمة المحدثين محمد عابد السندى عن صالح الفلانى عن	بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی) لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰی کے فرمان نارا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں، تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کردیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ مليك الله تعالٰی کے قول "فى مقعد صدق عند مليك مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ" میں یہ فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔ ہمیں خبر دی مولانا سید نا حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انہوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انہوں نے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن سنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النهر والی عن ابی الفتوح عن یوسف الهروی عن محمد بن شاه بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله لما نزلت الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون[1] قال اصحاب رسول الله تعالٰی علیه وسلم اینا لم یظلم فنزل الله ان الشرك لظلم عظیم۔	محمد بن سنہ سے انہوں نے احمد عجلی سے انہوں نے قطب الدین نہروالی سے انہوں نے ابوالفتوح سے انہوں نے یوسف ہروی سے انہوں نے محمد بن شاہ بخت سے انہوں نے ابونعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے، بخاری نے فرمایا ہم سے ابوعدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم اولئك لهم الامن وهم مهتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے امان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ "ان الشرك لظلم عظیم" بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ ت) نازل فرمائی۔
انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامة عثمان بن حسن الدمیاطی	ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد دحلان مکی شافعی نے خبر دی انہوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انہوں نے امیر کبیر

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام، باب قول تعالٰی ولم یلبسوا ایمانهم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶، انوار التنزیل و اسرار التأویل (تفسیر البیضاوی) ۶/۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۶ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر العلامۃ محمد المالکی الازھری والشیخ عبداللہ الشرفاء الشافعی و سیدی محمد الشنوانی الشافعی واخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہ الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینالا یظلم نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ "یابنی لاتشرك باللہ ان الشرك لظلم عظیم"[1] وھکذا اخرجہ الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسہ عین ھذا التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی"[2] قال التنکیر فی عبد یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاملا فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدلایفی العالم بشرح	علامہ محمد مالکی ازہری اور الشیخ عبداللہ شرفائی الشافعی اور سیدی محمد الشنوانی الشافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تالی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے ! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد وترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ت) میں اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ عبدا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹/۹۶ و۱۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۲۰

بیانیه وصفة اخلاصه فی عبودیته [1] انتہٰی **والثانیة** ان توصیفه بالتلظی ینافی هذا التخصیص لانه وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترك فیه الافراد جمیعا و انما الممتنع عکسه، اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص به فرد خاص، الا تری الی قوله تعالٰی "مَامُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوۡلٌ ۚ" [2] مع انه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم الرسل واکرمهم بالاطلاق، والرسالة وصف عام یشترك فیه المرسلون جمیعا، ولیس فی الایة مایدل علی القصر ینافی العموم علی ان التلظی مقول بالتشکیك فیجوز ان یراد هنا تلظ خاص لیس کمثله تلظ کما قال الله سبحنه وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ" [3] اطلق الضلال و	کر سکتا۔ دوسری یہ کہ آگ کو تلظی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقًا ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اس کا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو گیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقًا افضل واعلی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۹۲/۹و۱۰ المطبعۃ البہیتہ المصریۃ مصر ۳۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

ارادا الضلال البعید وھو الکفر۔ اخرج الامام احمد و الطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن ھذہ الایة فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم [1] والعجب ان الرازی جنح بنفسه الی نحو من ھذا فی قوله تعالٰی "نار حامیة" قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبة الیھا کانھا لیست حامیة وھذ القدر کاف فی التنبیه علی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا [2] الخ، فما للشعیر یوکل ویذم۔ **اقول:** لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید و زیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی، کما قالوا فی الرحمن والرحیم وغیر ذلك مع فیه من التشدید	"ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔ امام احمد و طبرانی وغیر ہمانے ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نار حامیۃ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جو کھایا جائے اور برا بھی کہا جائے۔ **میں کہتا ہوں** اور تمہیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے او رتلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹۔۲۰۱، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب بیروت ۷/ ۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۱۰۱/۱۱ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۷۴

لفظ المنبئی عن الشدۃ معنی کما فی قتل وقتل وقاتل وقتال مع ان باب الادعاء واسع وقصر الوصف علی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المھاجرین "أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ"[1] ویمکن ان تجعل من ھذا القبیل امثال قولہ تعالٰی "إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"[2]۔ وقد حققنا المسالۃ فی خاتمۃ رسالتنا سلطنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما لا مزید علیہ ھذا وکان قلب ابی عبیدۃ رکن الی ھذا الوجہ الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا لہ مابدا فانحجم کما حکینا لك کلامہ ستسمع منا جوابہ ان شاء اللہ تعالٰی۔

الثانی من وجھی القاضی "ان المراد بقولہ تعالٰی نارا تلظی النیران اجمع، ویکون المراد بقولہ تعالٰی لا یصلھا الا الاشقی ای ھذا الاشقی بہ احق، وثبوت ھذا الزیادۃ فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصود رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے "أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ" (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بے شک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کہ اس قبیل سے قرار دو۔
اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابو عبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔
قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے **دوسری** یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارا تلظی سے مراد تمام آتشیں ہیں اور اللہ تعالٰی کے قول لایصلھا الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۸
[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقی [1] انتهی والی نحو من هذا یمیل ماجزم به الزمخشری فی الکشاف مقتصرا علیه ونقله الامام النسفی رامزا الیه من ان الایة واردة فی الموازنة بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المؤمنین فارید ان یبالغ فی صفتیهما المتناقضتین، فقیل الاشقی وجعل مختصا بالصلی کان النار لم تخلق الاله، وقیل الاتقی وجعل مختصا بالنجاة کان الجنة لم تخلق الا له [2] انتهی۔

سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی، اور اس سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اسکی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔

اقول: وهذا هو الحصر الادعائی الذی وصفنا لك ولا شك انه دائر سائر بین البلغاء یشهد بهذا من تتبع دواوین العرب وکلامهم فی المدح والهجاء ومعلوم ان الزمخشری له ید طولی وکعب علیا فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازی انه ترك الظاهر من غیر دلیل [3] انتهی غیر مستحسن

میں کہتا ہوں یہی وہ حصر ادعائی جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر وسائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

[2] مدارك التنزیل التفسیر الکبیر تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

وای شیئ اکبر دلالۃ من الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس تاویل الاشقی بالشقی اقرب الی الظاھر من ھذا الحصر من شیوعہ وکثرۃ وقوعہ نظما ونثرا وتصحیح الکلام قرینۃ کافیۃ فی امثال ھذا المقام الاتری انک اذا سمعت رجلا یقول زید ھو الکریم علمت اول وھلۃ من دون تامل ولامھلۃ ان مرادہ ان لیس کریم مثلہ لا ان لاکریم مثلہ وھذا ظاھر جدا، ھذا مایتعلق بحکم الاشقی، ولاشک ان الکلام ھھنامحتاج بظاھرہ الی تاویل او توجیہ لکن ابا عبیدۃ زاد فی الشطرنج بغلۃ ثم تتابع فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامہ من دون تنقیح کما حکینا لک دیرنھم من کلام الامام العلامۃ السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی حملہ علی ذلک ان ظن ان ایۃ الاتقی ایضا محتاجۃ الی التاویل حیث قال وان زعمت انہ تعالٰی نکر النار الی اخر الخ مانقلنا عنہ فلم یثبت ان اخذ الاتقی بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقہ علی ذلک الزمخشری وغیرہ لکنھم

اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ حصر عرف میں شائع ہے اور نظم ونثر میں بکثرت واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤگے کہ زید جیسا کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں اور یہ خوب ظاہر ہے تو یہ حکم اشقی سے متعلق تھا اور یہ کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابو عبیدہ نے شطرنج کے مہروں میں بغلہ (خچر) بڑھادیا پھر متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت کی حکایت کی، اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایاالخ تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت ہر مومن کو شامل ہوجائے اور اسی بات میں زمخشری وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم یوافقه علی التاویل کما سمعت وھذا کلام لایقوم علی ساق اذلیس فی قوله تعالٰی وسیجنبھا الاتقی مایدل علی الحصر والقصر انما یصف الله سبحنه وتعالٰی عبدا له اتقی بانه یجنب النار و یبعد عنھا لانه لایجنب النار الاھو و رحم الله الرازی حیث تفطن لھذا فذکر فی الاشقی قولا انه بمعنی الشقی ولم یذکرہ فی الاتقی راسابل صرح بخلافه حیث قال"ھذا لایدل علی حال غیر الاتقی الا علی سبیل المفھوم والتمسك بدلیل الخطاب[1]	میں ان لوگوں نے اس کی موافقت نہ کی جیسا کہ تو نے سنا اور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبھا الاتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو، اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو، یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔ اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انہوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہٰذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔
اقول: بل ولا یتمشی علی مذھب القائلین بمفھوم الصفة ایضا فان الکلام مسوق لمدح الاتقی کما یدل علیه سبب النزول ومقام المدح والذم مستثنی عندھم ایضا کما ھو مذکور فی کتب الاصول فیا للعجب من القاضی البیضاوی الشافعی	**میں کہتا ہوں** بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحت اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سبب نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح وذم بھی مستثنی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انہوں نے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۱۷/۹۲ المطبعة البھیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

کیف تمسك ھھنا بالمفھوم،مع انه لیس محله بالاتفاق واشدالعجب من القاضی الامام ابی بکر الشافعی اذ زل قلمه فمال الی افادة الحصر مع انه یخالف ائمته فی القول بالمفھوم راسا،وھکذا یرینا الله ایاته فی الافاق و فی انفسنا کیلا یغتر مغتر بدقة انظارہ ولا یسخر ساخر من عاثر فی افکارہ اذ نری کل صارم ینبو وکل جواد یکبو فعلام یزھو من یزھو و سقی الله عھد من قالوا وما ادراك من قالوا سادة کرام قادة الامة ابراھیم النخعی ومالك بن انس وغیرھما من الائمة اذ قالوا ولنعم ماقالوا کل احد ماخوذ من کلامه ومردود علیه الا صاحب ھذا القبر [1] صلی الله تعالٰی علیه وسلم نسال الله الوقایة فی البدایة والنھایة،والحمدلله رب العالمین۔	کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں،اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے،اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے اور اللہ تعالٰی ان کے زمانے کو سیراب کرے جنہوں نے فرمایا اور تمہیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے فرمایا سرداران بزرگ امت کے مقتدا ابراہیم۔۔۔ومالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ انہوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ ان کی ہر بات قبول ہے ہم اللہ تعالٰی سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں،والحمد للہ رب العالمین۔

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون دار احیاء الثرات العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

والان اٰن ان نستکمل الرد علی ابی عبیدۃ فیما فرعنه وفیما اطمان علیه **فاقول** وباللّٰه التوفیق زعم الرجل اولا ان تاویل الاشقی بالشقی ینجیه عما فیه اذ اٰل الکلام الی ان لایصلی النار الاکافر وھذا حق لاغبار علیه۔ قلنا نظرت الموصوف وترکت الصفة یقول اللّٰه سبحنه وتعالٰی "لَا یَصْلٰهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ۟ۙ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۟ؕ" [1] ومعلوم ان من الکفار من لم یکذب النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مدۃ عمرہ لابجنانه ولابلسانه وانما اکفرہ ان سبق الکتاب وخذل التوفیق والعیاذ بوجه المولی الکریم۔ **اقول:** و ھذا ابو طالب عم رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم افنی عمرہ فی حفظه وحمایته وبلغ الغایة القصوی	اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کارد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو **میں کہتا ہوں** اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔ ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحنہ وتعالٰی فرماتا ہے لایصلھا الاالاشقی الذی کذب وتولی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے،اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیات اور توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔ **میں کہتا ہوں** یہ ہیں ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنہوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں فنا کردی اور وہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵۔۱۶

من مجته وولايته قد كان حبه صلى الله تعالٰى عليه وسلم اخذ بمجامع قبله،حتی کا ن یفضله علی الاطفال الصغار من بنی صلبه،و لما بعث الله تعالٰی نبيه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فدعا المشركين الى التوحيد،وهجم عليه الاعداء من كل شاء وبعيد، قام يناضل عنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فاعظم بر ه ولازم نصره وقاسى ماقاسى من شدائد لاتحصى فى مهاجرة المشركين من عشيرته الاقربين۔وهو الذى لما تمالات قريش على المصطفى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ونفر و اعنه من يريد الاسلام انشاء قصيدة تدل على عظم حبه المصطفى وشدة بغضه اعدائه اللئام كما روى ابن اسحق وغيره من الثقات ومنها هذه الابيات۔

اعبد مناف انكم خير قومكم
فلا تشركوا فى امركم كل واغل
فقد خفت ان لم يصلح الله امركم
تكونوا كما كانت احاديث وائل
اعوذ برب الناس من كل طاعن
علينا بسوء او ملح بباطل

علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابو طالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکون کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔ یہ وہ ابو طالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں:

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو، بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤگے میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعی لنا بعیبة
ومن ملحق فی الدین مالم یحاول
وثور ومن ارسی ثبیر امکانه
وراق لبر فی حراء ونازل۔
وبالبیت حق البیت فی بطن مکة
وباللّٰه ان اللّٰه لیس بغافل
کذبتم وبیت اللّٰه نبزی محمدا
ولما نطاعن دونه ونناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله
ونذهل عن ابناء نا والحلائل
لعمری لقد کلفت وجدا باحمد
واجبته داب المحب المواصل
فمن مثله فی الناس ای مؤمل
اذا قاسه الحکام عند التفاضل
حلیم رشید عاقل غیر طائش
یوالی الاها لیس عنه بغافل

اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہ حرامیں عبادت کے لئے چڑھنے اور اترنے والے سے۔ اور اللہ تعالٰی کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم، بیشک اللہ تعالٰی بےخبر نہیں۔ اللہ کے گھر قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کریں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انہیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔ جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف وبے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللہ لولا ان اجی بسبة تجر علی اشیاخنا فی المحافل لکنا اتبعناہ علی کل حالة من الدھر جدا غیر قول التھازل فاصبح فینا احمد فی ارومة تقصر عنہا سورة المتطاول حدیث بنفسی دونہ وحیتہ ودافعت عنہ بالذرا والکلاکل[1]	تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔ تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔ تو احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔ میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں او رسینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔
ولقد کان یتبرك بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ما روی العلماء من سنة قریش وحدیث الاستسقا[2] و قد حث الناس علی اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و اخبر عن امور لم تقع فصدق	اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بے شک ابوطالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

[1] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۸۰ تا ۲۷۲

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

سبحنه وتعالیٰ ظنه ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد له موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیه افضل الصلوۃ والتسلیم حتی انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول الله اتیناك ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیه الی السماء فوالله ماردیدیه بکریمتین حتی التقت السماء بابر اقها وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحه حیث یقول ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل [1] فقال لله در ابی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قوله، فقال علی کرم الله تعالیٰ وجهه یارسول الله	ہوا جیسا انہوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابوطالب کا قول یاد آیا جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ ؎ سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔ پھر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا۔ تو حضرت علی

[1] صحیح البخاری، ابواب استسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷، دلائل النبوۃ للبیهقی باب الاستسقاء النبی صلی الله علیه وسلم دار الکتب العلمیه بیروت ۶/ ۱۴۱

کانك تری قوله وابیض یستسقی، و ذکر ابیاتا فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجل کما اخرجہ البیہقی فی دلائل النبوۃ [1] عن سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فانظر الی قوله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "للہ در ابی طالب"وقوله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم " لوکان حیا لقرت عیناہ" وقوله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ینشدنا قوله" ولم ینقل عنه مرۃ انه رد علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذبه فیه بل ھو القائل فی تلك القصیدۃ مخاطبا لقریش ؎ لقد علموا ان ابننا لامکذب لدینا ولا یعنی بقول الاباطل [2] ولذا کان اھون اھل	کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جسمیں انہوں نے عرض کی"وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔اور سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کے قول"للہ در ابی طالب" (اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں،اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ ہمیں کون ابوطالب کے شعر سنائے گا۔اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار کی کسی بات کو رد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو،بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔ اور اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۴۱

[2] السیرۃ النبویۃ لسید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبد المطلب المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/ ۸۳

النار عذابا کما فی الصحاح و نفعته شفاعة الشفیع المرتجی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی اخرج الی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر الکافرین الذین لا تنفعهم شفاعة الشافعین، ویالیته لواسلم لکان من افضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولکن قضاء اللہ لایردو حکمه لایعقب وللہ الحجة السامیة ولاحول ولاقوة الا باللہ العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة فی بعض فتاونا واظهرنا بطلان قول من قال باسلامه واذا کان ذلك ظهر ان الحصر فی الشقی المکذب ایضا غیر مستقیم الی هذا اشار القاضی الامام حیث قال لایمکن اجراء هذه الایة علی ظاهرها، و یدل علی ذلك ثلثة اوجه۔

سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی (امید گاہ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انہیں نے نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انہیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے بر خلاف ہے جنہیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزوجل حکیم کے دیئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں۔

احدها انه یقتضی ان لایدخل النار "الا الاشقی الذی کذب وتولی" فوجب فی الکافر

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بد بخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸

الذی لم یکذب ولم یتول ان لایدخل النار[1] الخ۔ **قلت** وبما قررنا المقال بان لك انخساف ماقال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبا للنبی فی دعواہ ویکون متولیا عن النظر فی دلالۃ صدق ذلك النبی[2] الخ وظھر ایضا ان ھذ التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین ولایسد خلۃ ولایشفی غلۃ وعلیك بتلطیف القریحۃ۔ وزعم **ثانیا** ان اٰیۃ الاتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتھا فارتکب ماکان فی مندوحۃ عنہ کما حققنا۔ وزعم **ثالثا** ان تاویل الاتقی بالتقی مما یفیدہ ویغنی زعما منہ ان غیر التقی المذکور	کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تولازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و عراض سرزد نہ ہو (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔ **میں کہتا ہوں** جس طور پر اپنے مقالہ کی تکذیب کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انہوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوی میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے روگردانی اسے لازم ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو اکساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔ اور **ثانیًا** اسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاج تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔ اور **ثالثًا** گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

[1] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الاٰیۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۳

[2] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الاٰیۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

فی الایۃ لایجنب النار۔

آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتش دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔

اقول: ولا یرد علیہ ماسیظن ان این رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والھالکین علی الاصرار لایسمعون حسیس النار بمحض رحمۃ العزیز الغفار و فیض شفاعۃ الشفیع المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم .اذا التقوی درجات وفنون اولھا اتقاء الکفر وھذا یستوی فیہ المؤمنون وقد افصح ابوعبیدۃ عن مرادہ اذقال الاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن[1] انتھی۔

میں کہتا ہوں اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتاچکیں کہ بہت سے بد عمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی بھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوی کے درجات واقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس میں مومن برابر ہیں اور ابوعبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کردی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ۔

اقول: وبہ اندفع مایترای من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامہ معقول مقبول و الجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیھما حکم الفطر ۃ الاسلامیۃ۔لکنی **اقول:** اولا فح ماذا تصنع باللام الداخلۃ علی الاتقی

میں کہتا ہوں اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انہیں بہ حکم مسلمان جانیں گے) لیکن **میں کہتا ہوں** کہ اولا جب اتقی بعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

[1] مدارک التنزیل التفسیر النسفی بحوالہ ابی عبیدہ تحت الایۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انہا ان لم تکن للعھد فللاستغراق ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب[1]، ولا ینفع ارادۃ اللزوم بالصلی اذا الکنایۃ للنار دون الصلی ولقد اغرب من تفطن لبعض من ھذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر و المعاصی اقول نعم الان یصح الاستغراق و لکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذمن الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ھذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔	کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکا ہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔اور یہ معلوم ہے کہ مومنون میں وہ ہیں جنہیں عذاب ہوگا اور وہ آتش دوزخ سے نہ بچائے گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ **یجنبھا** (اس دوزخ سے دور کیا جائیگا میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے) اور جس کا ذہن ان باتوں مین سے بعض کی طرف پہنچا اس نے عجیب و غریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، تو انھوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مددگار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دور رہے گا اور اسے عذاب نہ ہوگا)
واقول ثانیا اغمضنا ھذا کلہ وترکناکم وشانکم فاذھبوا بالکلام الی ما تشتھیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفۃ ھھنا ایضا غفولکم عنھا	اور **ثانیًا میں کہتاہوں** کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

فی "الْاَشْقَى ۙ۝ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝" [1] فان الله سبحنه وتعالٰی لم یرسل الاتقی ارسالا بل خصه "الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝" [2] ومعلوم ان التقی الفقیر لا مال له و انه مجنب عن النار لاشک،فان کان الکلام علی الحصر کما زعمتم فالحصر لم یستقیم بعد والا فما ذا یلجئکم الی التاویل والعدول عن ظاہر التنزیل، عن ھذا نقول ان الوجه ترك التکلف وصون اللفظین لاسیما الاتقی عن التغییر و التصرف لانعدام الحاجة فی احدی الآیتین و اندفاعها بطریق اسلم فی الاخری کما یفیده الوجهان اللذان ذکرهما القاضی الامام مع ماشاهدنا ان التاویل یراد ولا مفاد ویقاد ولا ینقاد بید انی مایدرینی لعل الجدال یوری نارا موقدة تطلع علی الافئدة فیقوم قائل ان وجهی القاضی ایضا یعکر علیها بشی فلا مناص من تشدید الارکان	کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلع نہ رکھا بلکہ اسے اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے کو راہ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتش دوزخ سے بے شک دور رہے گا۔ تو اگر کلام بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تکلف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصا اتقی کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چمکیں تو کوئی قائل کھڑا ہو جائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ دو [۲] وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

[1] القرآن الکریم ۹۲/۱۵، ۱۶

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۸

وتجدید الارصان علی حسب الامکان۔ **فاقول:** وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاول وصف الاتقی بانه یجنب تلك النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانه لیس ارذل القوم مما لا یستملح۔ **اقول:** والمخلص الاستخدام وهو شائع فی فصیح الکلام بل عدوہ والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منهم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کما ذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القران العظیم قوله تعالٰی "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ "[2]	کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدر امکان ضروری ہے۔ **تو میں کہتا ہوں** اور میرا رب ولی نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ بڑی آگ سے دور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور اس سے نجات دہندہ وہ استخدام ہے اور وہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام وتوریہ ف کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسام بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"

ف: توریہ ابہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید، اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو **مورّی بہ** اور معنی بعید کو **مورّی علیہ** کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النور الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۲و۱۳

المراد بالانسان ابو نا ادم علیه السلام وبضمیر ولدہ، ومنه قوله تعالٰی "اَتٰی اَمْرُ اللہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ "[1]۔ المراد بامر اللہ بعثة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوہ فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر اللہ قال محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2] نفعنا اللہ تعالٰی بعلومه، امین۔	آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔
اقول: فان قلت اذا اردتم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء فما انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء اللہ تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجھد البلاء بما ثابر علیه من اللدادو	**میں کہتا ہوں** اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اسے ڈرانے کا کیا مقصد ہے، تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر وعناد ہے اور ہر ناہت اور

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا انتم یا ایھا الناس ان لم تنیبو االی الحق ودمتم کدوامه ان تعادلوه فی الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامه فکانت الایة علی حد قوله تعالٰی "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ " [1] فانھم انما اصابھم ما اصابھم لمثل ھذا الاعراض فماذا یؤمنکم ان مضیتم علی دابھم ان تعذبوا بعذابھم وحصل الانذار بانه تعالٰی اخبر ان ھناك عدوا اشقی من یوجد وله جزاء اسوء مایکون والناس غیر دارین انه من ھو، ولم یذکر الله تعالٰی من صفاته الاالتکذیب و التولی، فحق ان تنقطع قلب کل مکذب وینفلق کبد کل متول خوفا وفرقا ان یکون ھو ھو فمن ھذا الوجه جاء الانذار لسائر الناس فاتقنه فانه من احسن السوانح بتوفیق الملك العلیم الفاتح جل جلاله	گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ بڑ بدبخت جمارہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر نہ جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول " پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی، کے طور پر ہے اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالٰی نے بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کا ایک دشمن نہایت بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالٰی نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور، منہ موڑنے کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجا ہے کہ ہر جھٹلانے والے کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ہی نہ سب سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس وجہ سے یہ تخویف سے لوگوں کے لئے آئی، اس نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے عقدہ کھولنے والے جل جلالہ) کی توفیق سے ایک

[1] القرآن الکریم ۴۱ / ۱۳

وهذا الکلام یجری بعضه فی الوجه الثانی ایضا لکن هنا دقیقة غامضة وهی ان امثال هذا الحصر الادعائی انما تناسب المقام اذا کان سوق الکلام لذم هذا الاشقی الملام، فکانه قیل انه بلغ من الشقاء مبلغا تضمحل دونه سائر الشقاوات فکانه لایلج النار الا هو، اما اذا سیق مساق الانذار لجمیع الکفار أو قصد ذٰلك ایضًا مع قصد الذم فلعله لایستحسن حینئذ حصر العقاب فی رجل واحد، تأمل فانه موضعه و العبد الضعیف لهذا یجد نفسه ارکن الی الوجه الاول دون الثانی، وفیه الغنیة و حصول المنیة، و الحمدلله معطی الامانی، ثم لما بلغت هذا المقام رجعت العزیزی بعد ما استعرته من بعض الاعزة فرأیت المولیٰ عبد العزیز تجاوز الله تعالیٰ عنا وعنه تنبه لهٰذا الاستبعاد الذی ذکرته فی الوجه الاول وجهی القاضی وحق له ان یتنبه لانه العلم فی الذکاء و الفطانة، ثم اجاب عنه بجوابین:

الاول یقارب ما

اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اوہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے بدبخت وقابل ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو گویا یوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی تخویف کے لئے ہو یا، مذمت کے ساتھ یہ قصد بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقام غور ہے اور یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطافرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز کو (اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا اور انہیں متنبہ ہونا ہی چاہئے اس لئے کہ وہ ذکاوت وفطانت کا پہاڑ ہیں، پھر اس کے دو جواب دیے:

پہلا تو وہی جو علماء نے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفيق اليه من القول بالاستخدام۔ **والثانی** ان التجنيب من تلك النار المخصوصة بالكفار ايضا لها عرض عريض وغاية القصوى مختصة بالاتقى وسائر المومنين وان كانوامجنبين لكن لا كمثله[1] انتهى معرّبًا۔ **اقول:** الوجه الوجه الاول وعليه عندى المعول واما ماذكر من الوجه الثانى فليس بشيئ عندى وانكان هو المرضى لديه حتى اورد الاول بصيغة التمريض وذلك لان كون التجنيب مقولا بالتشكيك مسلم فى مطلق النار التى يمكن ان يدخلها بعض المومنين ومعنى العرض العريض فيه كما يسبق اليه ذهنى القاصر أن الذنوب مقتضاها الأصلى الذى لوخليت هى وطبايعها ماأقتضت الا اياه انما هو اصابة الجزاء الذى اوعدبه عليها وهذا ظاهر جدًّا، فكل من	استخدام کا طریقہ۔ دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگ سے دور رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔ **میں کہتاہوں** وجہ تو پہلی ہے اور میرے نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے دور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہوسکتے ہیں اور تجنیب (ناردوزخ سے دور رہنا) میں بڑی وسعت کا معنٰی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی، اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنبا ولو مرة استحق بذنبه هذا أن يؤاخذه الملك جل جلاله، ولا تقبض حسناته المكتاثرة على العزيز االمقتدر اذ نفع الحسنات انما يعود اليه، فكيف يمن على الله تعالٰى بما عمله لنفع نفسه، فكيف يجعله ذريعة الى ابطال منشور الجزاء عن رأسه وقد قيل له بأفصح بيان ان كما تدين تدان[1] غاية الامران يقسم لبثه فى الدارين علٰى مقدار لبثه فى العملين كمًا وكيفًا، فيجوز ان تسمه النار بما يعدل هذا المقدار، وقد اعتقدنا نحن معشر اهل السنة و الجماعة رزقنا الله سبحٰنه وتعالٰى حظ الرحمة و الشفاعة أنه تبارك وتعالٰى له ان يؤاخذ عبده كل جريرة ولو صغيرة كما ان له ان يتجاوز عن كل كبيرة، فضل وذٰلك عدل وما الله بظلام للعبيد۔ ثم ان المولٰى جل وعلا بغاية عدله وضع الجزاء مشاكلًا للعمل ولذا يديم تنغيم المومن وتعذيب الكافر	ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالٰی کی پکڑ کا مستحق ہے اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالٰی کو اپنے بھلے کے لئے کیے ہوئے کام کا احسان جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سرے سے باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تُو کرے گا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں بندہ کی مدت اقامت کو نیک وبد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبار قدر و کیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت و شفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کو حق ہے کہ وہ بندے سے ہر جرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا عدل اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کو انکی نیت اور مخفی ارادے کا

[1] کنزالعمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذقد علم من نیتھما ومکنونات طویتھما أنھما عازمان علی ادامة ماھما من الکفر والایمان حتی لو دامو افی الدنیا لداموا علیه الا تری الی قوله تعالٰی "وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْهُ"[1] ولذٰلك لما انسلخ ابو طالب عن الکفار بشراشرہ واثبت قدمیه علی تلك الملة الخبیثة نجا الدیان سبحٰنه وتعالٰی سائر بدنه من النار وسلط العذاب علٰی قدمیه کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرھما فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته وسیأته یساوی لبثه فی العذاب بلبثه فی دار الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق اٰثامه ومن الم بسیئة ثم انقلع عنھا فجزاءہ المشاکل ان یدنی الی النار ثم یبعدعنھا لیذوق من الفزع والغم قدر ماذاق من اللذة فی اللمم ھذا حکم العدل وحکم العدل ھو الاصل لکن المولی الجواد الکریم	علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفروایمان پر قائم ودائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے "اوراگرواپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے "اورجب ابوطالب کفار سے تمام وکمال جدا ہوئے اوراپنے قدم اس خبیث ملت پر جمائے رکھے جزادینے والے رب سبحٰنہ وتعالٰی نے ان کے سارے بدن کو نار سے نجات دی اورعذاب کو ان کے قدموں پر مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کامقتضٰی یہ ہے کہ جس کی نیکیاں اوربرائیاں برابر ہوں اس کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے برابر ہوا،جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے جدا رہے تواس کی جزامشابہ عمل یہ ہے کہ وہ نار کے قریب کیاجائے پھر اس سے دور رکھاجائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادۂ گناہ میں لذت کے بمقدار چکھے،یہ حکم عدل ہے اور حکم عدل ہی اصل ہے،لیکن جُودو کرم والے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸،صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

الذی "کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ" [1] وجعل لها السبقة علی الغضب منة ونعمة تشفع الیه شفیعان رفیعان وجیهان حبیبان لایردان ولا یخیبان رحمته الکاملة العامة الشاملة وهذا النبی الکریم المبعوث من الحرم بفیض الجود والکرم صلی الله تعالٰی علیه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جمیلة ورحمات جلیلة فضلا من لدیه من دون وجوب علیه، وحاشاه أن یجب علیه شیئ "وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ" [2] وبشر "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ" [3] وان اللمم معفوعنا ان شاء الله تعالٰی "اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ" [4] وان الله تجاوزلنا عما همت به انفسنا مالم نعمل اونتکلم و أن من تعادلت کفتاه لم یدخل النار وان لا یهلك علی الله المارد متمرد وهذا کله تفضل وتکرم من المولی الحی جلت	مولٰی نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا اور اس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم واحسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت وجاہت والے وپیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالٰی کی رحمتِ تمام وعام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیض جود وکرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالٰی ان باتوں سے در گزر فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک انکو انجام نہ دیں یا انہیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالٰی کے یہاں صرف نہایت سرکش نرا نافرمان ہی ہلاک ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴

[4] القرآن الکریم ۵۱/ ۳۲

الاہ وتوالت نعماؤہ ولہ الحمد کمایحب ویرضی۔ فکل من اذنب اولم ثم جنبہ المولی النار فانما جنبہ علی استحقاق منہ لجزاء ماعملہ کما قال تبارك و تعالٰی " اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ "[1] بل لا معنی للمغفرۃ الا تجاوز صاحب الحق عن استیفاء حقہ کلًا اوبعضًا فھذا تجنیب بعد تقریب وأنجاء بعد الجاء مع مافیہ ایضامن تفاوت الرتب کمالا یخفی،اما الذی بلغ من التقوٰی غایتہ القصوی حتی تنزہ عن کل مایکرہ وفنی عن الخلق وبقی بالحق و ارتفع شانہ عن اتیان عصیان ونظر بالرضی الی ما یبغض الرحمٰن،فھذا محال ان یکون من النارفی شیئ أو النارمنہ فی شئی لاسیما اتقی الاتقیاء وأصفی الاصفیاء	(یعنی کافر)اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل وکرم ہے۔اس کی نعمتیں جلیل ہیں اوراس کے احسان پیہم ہیں،اور اسی کے لیے حمد ہے۔ جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جاکر رُک گیا پھر اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اس کے عمل کی جزادینے کو دور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا ہے انکے ظلم کے باوجود"بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحب حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر درگزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجا کر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقوٰی کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہوگیا اوراس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہوگئ تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیاء سے زیادہ

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضا فی جمیع احواله، ولم یسوء النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعلة من افعاله، فذاك العبد ذاك العبد کلت الالسن عن شرح کماله وتاهت العقول فی تیه جلاله جالت و عالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت هو هو، فغایة القول فیه أنه أولی العباد وأول المراد بقول الجواد "اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَۙ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَاۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ"[1] هذا معنی العرض العریض للتجنبی من مطلق النار علی حسب مایطیقه البیان، ولا یتاتی مثله فی النار المخصوصة بالکفار اذ انما هی جزاء الکفر والمؤمنون کلهم متساوون فی التباعد عنه اذ الکفر والایمان لایزید ان ولا ینقصان و

صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشم رضا رہی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اولٰی اور خدائے جواد کے قول "بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا" کی پہلی مراد ہے، مطلق نار سے دور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر وایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱تا۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البُعد عن جزاء الکفر ایضًا، واما قوله تبارك وتعالٰی "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ"[1] فھٰذا بالنظر الی الظاھر اذ الاٰیة فی المنافقین لقوله تعالٰی "يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ"[2] یعنی أنھم کانوا یتظاھرون بالایمان فیظن الجاھل بما فی السرائر انھم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنھم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ"[3] تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انھم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون ھذا القول منھم تکاسلًا واخلادًا الی ارض الدعة، فھذا معنی القرب و البعد او المراد بالکفر والایمان اھلوھما	مسئلہ (کفروایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول "اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو یہ باعتبار ظاہر کے ہے اسلئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان چونکہ منافقین کفر سے دوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفر وایمان سے مراد صاحبان کفر وایمان ہیں اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

اذتقلیلھم سوادالمومنین بالانعزال عنھم تقویۃ للمشرکین کذا قال المفسرون ھذا ماعندی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ وبالجملۃ فھبت نسائم التحقیق علی ان الوجہ ابقاء اللفظین علی ظاھرھما، وانما تحتاج الی امرین لایعد شیئ منھما تکلفًا ولاتغیرًا۔ **الاول** ان تنکیر نارًا للتعظیم وھو کما تری شائع فی الکلام الفصیح قرانا وقدیما وحدیثا واخذ التلظی بمعنی اشد مایکون حملا للمطلق علی فردہ الکامل وھوایضامنتشر مستطیر۔ **والثانی** الاستخدام وھو کما سمعت اعلٰی اومن اعلی انواع البدیع او ارجاع الضمیر الی نفس الموصوف مجردا عن الصفۃ وھذا لیس من التاویل فی شیئ علی ان غرضنا یتعلق باٰیۃ الا تقی ولا مساغ فیہ للتاویل بتا وقطعًاھکذاینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق والحمدللہ رب العالمین۔ اذا وعیت ھذا ودریت مافیہ	کہ منافقوں کا مسلمان کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہے مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو انکے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اوران میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔ **پہلی بات** یہ کہ یہاں "نارًا" نکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلام فصیح میں شائع ہے اور **تلظی** (آگ کی بھڑک) مطلق کو فرد کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنی میں لیا جائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔ اور **دوسری بات** استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سنا اقسام بدیع میں سب سے اعلٰی ہے یا منجملہ اعلٰی اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقی سے ہے، اوراس میں قطعًا تاویل کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اس کے

وألقيت السمع وانت نبيه هاَن عليك الجواب عن هٰذه الشبهة الاولٰى بوجوه۔	مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے:
الاول ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا بضرورة واين الضرورة۔	**پہلی وجہ** یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بہ ضرورت، اور ضرورت کہاں۔
الثانی ما مالوا اليه لم يزدد الا قدحًا فوجب ان نضرب عنه صفحًا، وابوعبيدة فيما عانٰى لا أصاب ولا أغنٰى فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالٰى بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًا ولا تابعيًا ولا سنّيا ولا مصيبًا فی ماطلب ولا مجديا فی ما اليه هرب۔ ايها الناس انی سائلكم عن شيئ فهل انتم مخبرون أرأيتم لو ان الآية وردت بلفظ التقی وفسره بالاتقی ابوعبيدة اللغوی فتعلقناه بقوله وندبناكم الی قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الانصاف شيئ عزيز ولايؤتی الا ذاحظ عظيم۔	**دوسری وجہ** یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنٰی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا، نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سنی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفَر میں نفع بخش۔ اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دو گے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابو عبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شیئ ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔
الثالث سلمنا كونه فی الاٰية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلی	**تیسری وجہ** یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافی بین نجاۃ التقی ونجاۃ الاتقی والقرآن محتج به علی کل تاویل واحد الوجهین یوجب التفضیل و الوجه الاٰخر لاینافیه فوجب القبول والقول بما فیه۔ ولذٰلك تری علمائنا رحمهم الله تعالٰی لم یزالوا محتجین بالاٰیة الکریمة علی تفضیل العتیق الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وهم ادری منا ومنکم بما قاله أبو عبیدة وغیره ثم هذالم یقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ینکر علیهم احد ذٰلك فثبت ان مقصودنا بحمدالله حاصل ومزعومکم بحول الله باطل، والحمدلله رب العٰلمین ایاه نرجو وبه نستعین۔

روشن ہے تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔
اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے اس مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمداللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

الشبهة الثانیة: ما نقله المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز بن ولی الله الدهلوی سامحنا الله وایهما بلطفه الخفی وفضله الوفی فی تفسیر فتح العزیز بعد ما ذکر استدلال اهل السنة والجماعة بالاٰیة الکریمة علی الطریق المشهور بین علماء الدهور، قال وقالت اهل التفضیل ان الاتقی محمول علی التقی منسلخ عن معنی التفضیل اذلولاه لشمل باطلاقه النبی صلی الله تعالٰی

دوسرا شبہہ: وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ مولا فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

علیه وسلم فیلزم ان یکون الصدیق اتقی منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو باطل قطعًا بالاجماع فقال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقی علی التقی یخالف اللسان العربی والقراٰن انما نزل بها فحمله علی مالیس منها غیر سدید، وما ذکروا من الضرورة مندفع بان الکلام فی سائر الناس دون الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لما علم من الشریعة ان الانبیاء اعلی کرامة واشرف مکانة عندالله تبارك و تعالٰی فلایقاسون بسائر الناس ولا یقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حین جریان الکلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة یخص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصیص العرفی اقوی من التخصیص الذکری کقول القائل خبز القمح احسن خبز لن یفهم منه تفضیله علٰی خبز اللوز لأن استعماله غیر متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الکلام انما انتظم الحبوب دون الفواکه[1] هذا کلامه فی التفسیر الفارسی اوردناه نقلًا بالمعنٰی۔	سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعًا اجماعی طور پر باطل ہے، شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے اور انکا مرتبہ سب پر بلند ہے تو انہیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیاجائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے، تو شریعت کا عرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو امت کے ساتھ خاص کردیتا ہے اور تخصیص عرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لیے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول: وباللہ التوفیق اما ماذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع، الا تری الی قولہ تعالٰی "ھُوَالَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَھُوَ اَھۡوَنُ عَلَیۡہِ ؕ" [1] ۔ ولیس شیئ اھون علی اللہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القران، والی قولہ تعالٰی "اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا ﴿۲۴﴾" [2] ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولاٰیۃ جاریۃ علی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر أن

میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع ومدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول "اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمہاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہیے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بناپر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب سے عـــہ) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عـــہ: آیت کا ترجمہ ہم نے "کنزالایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دوجگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر واحسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح وہ ہے جو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر واحسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۴

الافعل حقیقته فی التفضیل ولا یسار الی الانسلاخ عنه الا لضرورة دعت بقرینة قامت کما فی الاٰیتین اللتین تلونا وحیث لاضرورة ولا قرینة کما نحن فیه لانقول به والمصیر الیه اشبه بالتحریف منه بالتفسیر کما قد حققنا وھذا القدر یکفی للرد علیھم، واما ماذکر من حدیث التخصیص عرفا فجری منه علی تسلیم ماادعی الخصم من أن اللفظ بصیغته یشمل الانبیاء علیھم الصلوٰة والسلام وان بغیت الحق المرصوص فلا شمول ولا خصوص لأن الاتقٰی ان عم عم افراده وھم المفضلون المرجحون دون المرجوحین المفضل علیھم۔	کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزاء کے طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کا معنٰی حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا اور اس قدر انکے رد کے لئے کافی ہے، اور رہی وہ تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی تو مدعی کا وہ دعوی کہ لفظ اپنے صیغہ کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر جاری ہوئی اور اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے اس لئے کہ اتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام وشامل ہے۔ اور اس کے افراد وہ ہیں جنہیں فضیلت وترجیح دی گئی ہے نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔
وسر المقام بتوفیق الملك العلام ان الافضل لابد له من مفضل علیه والمضل علیه یذکر صریحا اذا استعمل مضافا او بمن اما اذا استعمل باللام فلا یورد فی الکلام	اور اس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ لازم ہے اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ مستعمل ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے،

ولكن اللام تشير اليه على سبيل العهد فى ضمن الاشارة الى المفضل لان ذات ماله الفضل كما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لاتتعين الا وقد تتعين المفضل عليه فعهدها يستلزم عهده واذلم يكن هناك عهد فى اللفظ فالمصير الى العهد الحكمى وقد عهد فى الشرع المطهر تفضيل بعض الامة علٰى بعض لاتفضيلهم على الانبياء الكرام فلا يقصده المتكلم ولا يفهمه السامع فلم يدخلوا حتى يخرجوا ،تأمل، انه دقيق ،وقد كنت أظن هكذا من تلقاء نظرى الى ان رايت علماء النحو صرحوابما ابدى فكرى ولله الحمد۔	لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیاجاتا لیکن لام تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغہ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآل کار حکماً تعیین ماننا ہے اور شرع مطہر میں بعض امتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے،اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنٰی کئے جائیں،اس کلام میں غور کرے، بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجہ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔
قال المولى السامى نورالملة والدين الجامى قدس الله تعالٰى سره وضعه لتفضيل الشيئ على غيره فلا بدفيه من ذكر الغير الذى هو المفضل عليه وذكره مع من و الاضافة ظاهر ،واما مع	حضرت بلند مرتبت نورالملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شَے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔رہا لام تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہراً مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام

اللام فھو فی حکم المذکور ظاھرًا لانہ یشار باللام الی معین بتعیین المفضل علیہ مذکور قبل لفظًا اوحکمًا کما اذطلب شخص افضل من زید، قلت عمر و الأفضل ای الشخص الذی قلنا انہ افضل من زید، فعلی ھذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعھد انتھٰی۔	تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمر والفضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغہ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا انتھی۔
قلت وتنقیح المرام بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنہ(**لطیفتان**)بمثل ماصرّح المولی الجامی [1] صرح الرضی الاسترآبادی الذی لم تکن فی مصرہ عمارۃ عصرہ الابنحوہ لکنا لم ناثر عنہ لان علی قلبہ آفۃ لاحدلھافھم من فھم ھذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جوابًا آخر عن بعض الاجلۃ الاکابر ولعلہ یریدبہ اباہ وھو أن الاتقی ھٰھنا	**قلت** (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو لطیفے) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استرآبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج ونحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے، اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اتقی اس جگہ اپنے معنی پر ہے یعنی جو تقوٰی میں اپنے

[1] شرح الجامی الاسماء والوافقھا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علٰی معناه اعنی من فضل فی التقوی علٰی کل من عداه نبیاً کان او غیره الا انه یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه یوصف به فی اٰخر عمره حین خلافته بعدارتحال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وسیدنا عیسٰی علٰی نبینا علیه الصلوٰۃ و السلام لما کان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء،ولا یجب للتقی ان یکون اتقی فی جمیع الاوقات وبالنسبة الٰی کل احد من الاحیاء والاموات والالم یوجد له فی العٰلمین مصداق اذلایتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیه باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیة و القطبیة و الولایة والنبوة ولهذا یدعی بهٰذه الاوصاف من تشرف بها فی اواخر عمره وان لم یکن له ذٰلك من بدو امره،فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی آخر عمره الذی هو وقت اعتبار الاعمال وبه یثبت المدعی بلا تکلف ولا تاویل[1] اھ بالتعریف وقد ارتضاه المولی الفاضل جانحا الیه وساکتا علیه۔	ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء و اموات سے افضل ہو،ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقوٰی متصور نہیں،اور ہر منصب جو شرعًا محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل و صلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقوٰی میں سب سے افضل ہو،اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوی بے تکلف وتاویل ثابت ہو جاتا ہے،عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اس کی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۳۰۴۔۳۰۵

اقول: وان جعل الله الفطانة بمرأى العين من قلب وكيع اتقن وأيقن ان هذا لايزيد على تلميع هب ان حديث"العبرة بالخواتيم"[1] حق واجب التسليم لكن اليس العقل السليم شهيدًا بانه اذا ذكر أحد من الاحياء الموجودين بنعت من النعوت لايفهم منه الا اتصافه فى الحال لا انه يصير هكذا بالمآل والتبادر دليل الحقيقة والافتياق الى قرينة تصرف الافهام، و تظهر المرام و امارة المجاز فماذا يحوجنا اليه مع استقامة الحقيقة من دون تكلف ولا تأويل، اما على طريقتنا فالامر أبين واجلى، واما على طريقة الشيخ العزيز عبد العزيز فلان امثال تلك التخصيصات تكون مرتكزة فى الاذهان من دون حاجة الى البيان، وليس دلالة هذا التلويح أدون من ارشاد التصريح ولهذا لا ينزل العام عن درجة القطعية كما فى الكتب الاصولية واعجب من هذا عده تكلفا وتأويلا مع شيوعه فى	**اقول:** (میں کہتاہوں) اور اگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم یقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث کا ارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تو اس سے اس کا فی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا، اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنٰی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف وبغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے، اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں، اور اسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیسا کہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸، کنز العمال حدیث ۵۹۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حدیثا وتنزیلا فلو کان من باب التکلف فما اکثر التکلف فی افصح الکلام وکلام من ھو افصح الانام علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام، واغرب من ھذا زعم طریقتہ بریئۃ من التکلف مع انھا تحتاج الی ماھو ابرد وابعد فان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن بالحقیقۃ أتقی لا الموجودین فی حین من الاحیان لحیات سیدنا عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام علی أرجح الاقوال وزعم التحاقہ بالاموات لارتفاعہ الی السمٰوٰت کلمۃ ھو قائلھا ما علیھا دلیل ولا برھان، وان سلم فاین انت من سیدنا الخضر علیہ السلام مع أن المعتمد المختار نبوتہ وحیاتہ[1] فان قلت انہ مختف عن الابصار معتزل عن الامصار فالتحق بالاموات کان عذرًا أفسد من الاول فافھم علی أنا قد اثبتنا اطلاق السفۃ علی من سیکون کذا تجوز ولا تجوز الابقرینۃ ولا قرینۃ الاتخصیص الانبیاء

عرفی کو تکلف وتاویل میں شمار کیا باجودیکہ یہ قرآن وحدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کس قدر تکلف ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں اور آسمانوں میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا ایسی بات ہے جو انہوں نے کہی اور اس پر کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو باوجودیکہ معتمد ومختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۲/ ۳۱۱

شرعًافباتکائه حمل الکلام علی الحقیقة اولٰی ام المصیر الی التجوز معتمدا علٰی تلك القرینة نفسها، وقدبقی بعد خبایافی زوایالانذکرها مخافة للطویل فحق الجواب والحق فی الجواب ماذکر العبدالذلیل وولی التوفیق ربی الجلیل۔	حقیقت پر محمول کرنا اولٰی ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنہیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندہ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔
ثم اقول: وهناك نکتة اخری أحق واحری بقبول النهٰی لم ارمن تنبه لها وهی ان افعل التفضیل لا محید له من مفضل علیه فالمحلی منه باللام اما ان یکون مفادہ التفضیل علی جمیع من عهد التفاضل فیما بینهم فی امثال هذا المقام کالحبوب فی قولنا خبزالبرهوالاحسن والاکثرفیما نحن فیه،او علی بعضهم دون بعض اولا ولا بل احتمالا علی الاول حصل المقصود والثانی باطل بالبداهة الاتری الی قوله تعالٰی "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾"[1] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی دعائه دبر الصلوة اسمع و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر حرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے ناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کررہے ہیں، یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری، بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے قول "اپنے رب اعلٰی کی پاکی بولو

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱

استجب اللہ اکبر والاکبر علی روایۃ الرفع، اخرجه ابوداود، والنسائی وابن السنی وقول ابن امسعود رضی اللہ تعالٰی عنه[1] بین الصفاء والمروۃ "رب اغفر و ارحم انك انت الاعزاالاکرم، رواہ ابن ابی شبیۃ[2] بل الی قول کل مصل فی سجودہ سبحٰن ربی الاعلٰی" وعلی الثالث کانت الآیۃ مجملۃ فی حق المفضل علیھم والمجمل ان لم یبین عد من المتشابھات ولم یعد ھا أحد منھا لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیه افضل الصلٰوۃ والسلام، اخرج الامام ابو عمر بن عبدالبر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سئل ای الناس اول اسلامًا قال اما سمعت قول حسان بن ثابت۔	کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداود، نسائی اور ابن السنی نے، اور صفاومرہ کے درمیان ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے اور مہر فرما بیشک توہی عزت والاکرم والا ہے" کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر پر ہر آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا، لیکن ہم نے بحمداللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے پایا۔ امام ابوعمر ابن عبداللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے انہوں نے شعبی سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

[1] سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۱، عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول فی دبر صلٰوۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ۴۶۰ حدیث ۱۵۵۶۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۴

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقۃ فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا بعد النبی واوفاھا بما حملا والثانی التالی المحمود مشھدہ واول الناس منھم صدق الرسلا [1] انتھی	(ترجمہ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو انکے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفر ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وسلم)
انبانا عبدالرحمن عن ابن عبداللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنۃ عن الشریف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبداللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسٰی بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبدالبر، قال فی الاستیعاب یروٰی أن رسول اللہ	ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبد اللہ مکی سے انھوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انھوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابوالعباس سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو محمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابو عمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "ھل قلت فی ابو بکر شیئا؟ قال نعم، وانشد ھذہ الابیات وفیھا بیت رابع وھی:ـ"	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے:
والثانی اثنین فی الغار النیف وقد طاف العدو بہ اذصعد والجبلا۔	(ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔"
فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذٰلك فقال احسنت یاحسّان[1]	تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔
وقدروی فیھا بیت خامس:ـ وکان حب رسول اللہ قد علموا خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا[2] انتھٰی۔	اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا: (ترجمہ) "(شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انہیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"
قلت ویروی بدلہ ع من الخلائق لم یعدل بہ بدلا[3]	**قلت** (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی: (ترجمہ "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔")
وحدیث ابن عباس رواہ	اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳
[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳
[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضًا فی المعجم الکبیر [1] وعبداللہ بن احمد فی زوائد الزھد، واما الحدیث المرفوع اعنی بہ استماع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ وتحسینہ علیہا فاصلہ مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن [2] ابی حبیب وعند ابی سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزھری ورواہ الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قولہ کمثل حدیث [3] ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل لا یبین بالرأی ولھذا ان لم یبین وانقطع عـــہ نزول القراٰن عاد متشابھا، ثم ان	روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کر انہیں سراہنا تو اس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبداللہ کی حدیث میں بطریق غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہٖ حبیب بن ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ سے سنی انہوں نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی انکا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ کے بلفظہٖ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتا ہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے، اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہٰذا اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا

عـــہ: یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲منہ۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴و۸۷، کنز العمال حدیث ۳۵۶۷۳و۳۵۶۸۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۵۲۳و۵۱۳، الدر المنثور بحوالہ ابن عدی وابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۴۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیك وتعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی الله تعالٰی عنه علی کل من عداه فی التقوٰی والحمدلله علٰی ماا ولٰی۔	تو مجمل متشابہ ہو جائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہو گئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔
اقول: واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بدمنه قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذاالحاجة، نعم هذا مفاد صیغة المبالغة وشتان مهما فلیتنبه لهذا والله تعالٰی الموفق۔	**میں کہتاہوں** اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شَے سے الگ رکھنا ہے جس وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں، اور اس کے لئے حاجت بھی چاہیے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔
الشبهة الثالثة: وهی تتعلق بالکبرٰی من قیاس اهل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ"[1] هو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان	**تیسرا شبہہ:** اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ" میں محمول الاتقٰی ہے۔ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہے ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا لیس من الشکل الاول فی شیئ ولا ثانیًا ایضًا لعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم الکبرٰی جاءت جزئیۃ لاتصلح لکبرویۃ الشکل الاول فمفاد الاٰیتین لایضرنا ولا ینفعکم ومن الشبھۃ ھی اللتی بلغنی عن بعض المفضلۃ عرضھا علٰی بعض المتکلمین منا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق ما استخفہ تشکیکا و اضعفہ دخلًا رکیکًا غلط ساقط باطل عاطل لا یستحق الجواب ولکن اذا قیل وسئل فلا بد من ابانۃ الصواب فاعلم ان اللطیف الخفی وفقنی لازھاق ھذا التلبیس الفلسفی باثنی عشر وجھا امھاتھا ثلثۃ وجوہ کل منھا یکفی ویشفی۔

الاول لو کان لھذا القائل علم بمحاورات القراٰن او الحدیث او بما روی العلماء فی شان النزول او التفسیر المرفوع الی جناب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او کلمات العلماء والائمۃ الفحول او رزق حظا من فھم الخطاب ودرک المفاد و

ہر اکرم اتقی ہے، اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبرٰی کا عکس کردیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو شکل اول کے کبرٰی بننے کے لائق نہیں، تو دونوں آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمہیں مفید نہیں، اور یہ وہی شُبہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے عرض کیا۔

اور **میں کہتاہوں** اور توفیق اللہ ہی سے ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل و عاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ وجوہ سے توفیق بخشی ان بارہ کی اصل تین وجہیں ہیں ان میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن وحدیث کے محاورات یا شان نزول میں علماء کی روایات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب ومرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظم قرآن کی سمجھ اور مفاد و معنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلم ان حمل الاکرم ھو المعتبروصدرالکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوہ اوقفنی اللہ تعالٰی علیھا بمنہ وعمیم کرمہ۔	کو محمول بناناہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک وتعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطف عام سے مطلع کیا۔
فاقول اولاً: کانت الجاھلیۃ تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب ھو الا فضل فجاء ت کلمۃ الاسلام برد کلمۃ الجاھلیۃ " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ اَتْقٰکُمْ " [1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لافی صفتہ وھذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمۃ فقال قائل الحامض الذ فنقول رداعلیہ الابل الذھا احلاھا فانما ترید ان الاحلی ھو الالذ والوجہ ان الاتقی فی الاٰیۃ کالاحلی فی قولك ھذہ مرأۃ لملاحظۃ الذات والاکرم حکم علیہ کالالذوانما الخبرماحکم بہ	**فاقول**: (میں کہتاہوں) **اوّلاً** اہل جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتاہوا آیا " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ اَتْقٰکُمْ " (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والاوہ ہے جو سب سے بڑاپرہیزگار ہے) تو نزاع تو اس میں ہے کہ وصف اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والاپوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذّھا اخلاھا (کھٹاسب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کے کو تم یوں کہو: نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقٰی تمارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۳

لاماحکم علیه ولقد دری من له قلیل ممارسة بکلام العرب ان الذهن اول ماتلقی الیه امثال هذا الکلام لایسبق الا الی ان المراد مدح الاتقیاء والترغیب فی التقوی والوعد الجمیل بان من یتقی یکن کریمًا علینا عظیمًا لدینا وهٰکذا فهم المفسرون فهذا الزمخشری النکتة فی الادب الشامة فی معرفة کلام العرب یقول فی تفسیره "المعنی ان الحکمة التی من اجلها رتبکم علٰی شعوب وقبائل هی ان یعرف بعضکم نسب بعض فلایعتزی الٰی غیراٰبائه،لاان تتفاخروا بالاٰباء والاجداد وتدعواالتفاوت والتفاضل فی الانساب،ثم بین الخصلة التی بها یفضل الانسان غیره ویکتسب الشرف والکرم عندالله تعالٰی فقال ان اکرمکم عندالله اتقاکم "وقرئ ان بالفتح کانه قیل لایتفاخر بالانساب فقیل لان اکرمکم عند الله اتقاکم لاانسبکم[1] الخ وبمثله قال الامام	محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔اور بیشک وہ سمجھتا ہے جسے کلام عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقوٰی کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدہ جمیل کہ جو تقوٰی اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت و کرامت والا ہوگا۔اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تِل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمھاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔تو اپنے آباء و اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء واجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعوی کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت وبزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اور ایک قراءت ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسبت پر فخر کیوں نہ کیا جائے،تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیة ۴۹/۱۳ دار الکتب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]۔

واقول ثانیًا القرآن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیھا الا اطلاع اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ و الھلاک والکرامۃ والھوان والردوالقبول والغضب و الرضوان لالبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعًا کقلب الموضوع ولقد کان ھذا الوجہ من اول ماسبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما او مانا الیہ حیث یقول"فان قیل الاٰیۃ دلت علٰی ان کل من کان اکرم کان اتقی" وذٰلك لایقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم .قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد

اور اسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔

اقول ثانیًا: قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کئے بغیر نہیں ہو سکتا جیسے کہ نجات وہلاکت، عزت وذلت اور مردود ومقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اور آدمی کا پرہیزگار یامددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتا ہے تو اکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہ کو سن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب" دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا، اتقی (بڑا پرہیزگار) ہوگا، اور یہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑا عزت دار) ہو۔ ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصف معلوم ومحسوس ہے

[1] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

ووصف کونه افضل غیر معلوم ولامشاهد والاخبار عن المعلوم بغیر المعلوم هوالطریق الحسن، اما عکسه فغیر مفید، فتقدیر الاٰیة کانه وقعت الشبهة فی ان الاکرم عندالله من هو؟ فقیل هو الاتقٰی، واذا کان کذٰلك کان التقدیر اتقٰکم اکرمکم عند الله [1] انتهی۔	اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس، تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عنداللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)
قلت ولعلك لایخفی علیك مابین التقدیرین من الفرق وما بین هذا الوجه و وجوهنا الباقیة من التفاوت العظیم "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ" [2] و لحمدلله رب العٰلمین۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔
ثم اقول عسٰی ان یزعجك الوهم الصؤل فیلجئك ان تقوم تقول الیس التقویٰ من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمہیں وہم بے چین کرے پھر تمہیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقویٰ افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کا ارشاد

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۴۹/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة ۲۸/ ۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

تعالٰی "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ"[1] وقال تعالٰی "وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲"[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، یشیر الٰی صدرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔" اخرجہ مسلم[3] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجہ الطبرانی[4] عن ابن عمرو البیہقی عن الفاروق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما، فکیف قلتم انہا من المحسوسات۔	ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔" اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں۔" اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔
قلت بلٰی ان التقوٰی مقامہا القلب وعن ھذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامۃ باسرھا وجب ان یکون اعرفہا باللہ تعالٰی	**قلت** (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذا استولی علیه سلطان شیئ اذعنت له الجوارح طرًا ولعمت علیها آثاره جهرًا وهذا مشاهد فی الحیاء والحزن والفرح و الغضب وغیرذٰلك من صفات القلب قال المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب"اخرجه الشیخان[1] عن نعمان ابن بشیر رضی الله تعالٰی عنه، وقال صلی الله تعالٰی علیه و سلم"اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدواله بالایمان"اخرجه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان والحاکم والبیهقی[2] عن ابی سعید	لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے، توجب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتاہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہوجاتے ہیں اور اعضاء پراس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اورحیاء وغم، خوشی وغضب وغیرہ صفات قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتاہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتاہے پورا جسم سدھرجاتاہے اورجب وہ بگڑتاہے تو پورا جسم بگڑجاتاہے، سنتے ہو وہ قلب ہے۔"اس حدیث کو بخاری ومسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیااور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤتواس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔"اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم وبیہقی نے ابوسعید

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترك الشبهات قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیة ۹/ ۱۸امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۵، سنن ابن ماجة کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۸، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوٰة بشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۲، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰة باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/ ۶۶، موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعة السلفیه ص ۹۹

الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اقول ثالثاً کل ماذکر فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقٰی۔اما اذا عکس فلایتاتی ولایاتی الرمی علی المرمی،اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبدلانہ عبداسود فقلتم عاد ذلیلاً وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیا کان کریما عندنا وان کان عبدا اسود اجدع۔وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم ،اما علی ما زعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحٰنہ و تعالٰی انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا عادہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضر دفنہ،وھذاالطریق کما تری اذا کان ینبغی الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم مالم یسلموہ کالتقوٰی علٰی تقریرنا۔

خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول ثالثاً: جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی،ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقوٰی سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے،اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالٰی کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہوا اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقوٰی ہماری تقریر پر۔

واما الکرامة فلم تکن ثابتة عندھم والالما قالو ما قالوا، علی ان المقدمة المذکورة فی الاٰیة تبقی ح عبثًا والعیاذباللّٰه تعالٰی فان الرد علیھم تم بالمطویة القائلة انه رجل کریم عنداللّٰه تعالٰی وبعد ذٰلك ای حاجة الی ان یقال کل کریم متق، اذلم یکن نزاعھم فی التقویٰ بل فی الکرم۔ وبالجملة یلزم اخذالمدعی صغری واستنتاج مالیس بمدعی وھٰکذا یجری الکلام فی روایة مقاتل واستحقارقریش سیدنا عتیق العتیق اعتقنااللّٰه بھما من عذاب الحریق، اٰمین۔	رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافروہ کچھ نہ کہتے جو انہوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ باللّٰه، اس لئے کہ کفار پر رَد تو اس قضیۂ مطویہ (پوشیدہ) سے تام ہولیا جس میں یہ دعوٰی ہے کہ وہ غلام، اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے کہ کافروں کا نزاع تقوٰی میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔ بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغرٰی ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے امین۔
ولنقرر **بعبارة اُخری** قال "کل جدید لذیذ" کان طریق استدلالھم علٰی حقارته رضی اللّٰه تعالٰی عنه بانه عبد ولاشیئ من العبد کریمًا فھو لیس بکریم و الاٰیة نزل فی الردعلیھم فلابدمن نقض احدی المقدمتین من قیاسھم لکن الصغرٰی لامردلھا، فتعین ان الاٰیة انما تبطل الکبرٰی باثبات	اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں اس لئے کہ "کل جدید لذیذ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں ہوتا، تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار کے رد میں اُتری لہٰذا ان کے قیاس میں دو مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن صغرٰی کا رد نہیں ہوسکتا۔ اب متعین ہوا کہ آیت کبرٰی کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضها، وهو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباته الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی الله تعالٰی ومن یتقی الله تعالٰی فهو کریم. اما علی طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وهذا هو القیاس الذی انتم دفعتموه وهکذا یتمشی التقریر فی روایة ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما بکلا الوجهین۔

ولنقرره **بعبارة ثالثة** استحقر ثابت بن قیس رضی الله تعالٰی عنه بعض اهل المجلس بقوله یا ابن فلانة ای یادنی النسب فرد الله سبحٰنه وتعالٰی علیه بانك ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لایکون کریمًا فقولك هذا صادق لکن علام استحقرت هذا بخصوصه اذیجوز ان لایکون هذا من ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا، اذلو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضهم دنی النسب فلم یکن کریمًا عندك لکن التالی باطل

کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبرٰی کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام، اللہ تبارک وتعالٰی سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔ رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کرچکے۔ اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔

اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیر انہیں، "یا ابن فلانہ" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر کی یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کا رد یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وھو ان کل متق کریم فالمقدم مثله.ھذا علیٰ طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الا ستثنائیة ان کل کریم متق وھو لایرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن ھذا فان الفیض مدرار۔ والحمدلله۔

کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اس کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ استثنائیہ [عہ] یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کرے گا۔اس تقریر کو خوف ضبط کرلو اس لئے کہ فیض (کادریا) زوروں پر ہے،اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔

اقول رابعًا الاحادیث التی جاءت تفسیرا الاٰیة اوترد موردمشرعھا اوتلحظ ملحظ منزعھا انما تعطی ما ذکرنا من المفاد وتابی عما بغیتم من الافساد و منھا ماانبانا المولی السراج عن الجمال عن عبدالله السراج ح وعالیًابدرجة عن ابیه عبدالله السراج عن محمد بن ھاشم ح ومساویاللعالی عن الجمال عن السندی ح وشافعھنی عالیابدرجتین

اقول رابعًا وہ احادیث جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولیٰ سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عہ: مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے،اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے۔(تعریفات جرجانی ص۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الٰی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عنداللہ اتقٰیھم [1]۔	مساوی ہے انہوں نے روایت کی جمالی سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا: لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ توآپ نے فرمایااللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔
اقول: انظر الٰی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح المحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ماھو بای نعت یزھو فاجاب الاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب	**اقول:** (میں کہتاہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تویوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیاہے۔"اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، توسرکار نے

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

السوال وعلیك بتزکیة الخیال ومن تمام نعمة الله تعالٰی ان فسرالشراح الحدیث بما یعین المراد ویقطع کل وھم یراد۔	آیۃ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔
قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقھم لان اصل الکرم کثرة الخیر" فلما کان المتقی کثیر الخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الاٰخرة کان اعم الناس کرمافھو اتقٰھم [1]، انتھی۔	اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرت خیر ہے، توجب متقی دنیا میں خیر کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، توسب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوٰی والا، انتھی۔
انظر این ذھبت شبھتك الواھیة فھل تری لھا من باقیة، ومنھا ما انبانا المولٰی عبد الرحمن عن الشریف محمد بن عبدالله کما مضی عن علی بن یحیٰی الزیادی عن الشھاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن	دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور از انجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبد الرحمٰن نے، انہوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں،

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/ ۲۰۳

العزعبدالرحیم بن فرات عن الصلاح بن ابی عمر عن الفخربن البخاری عن فضل الله ابی سعید التوقانی عن الامام محی السنة البغوی انا ابوبکر بن ابی الهیثم انا عبدالله بن احمد بن حمویة انا ابراهیم بن خزیم ثنا عبدالله بن حمید انا الضحاك بن مخلد عن موسٰی بن عبیدة عن عبد الله بن دینار عن ابن اعمر ان النبی صلی الله علیه وسلم طاف یوم الفتح علی راحلته یستلم الارکان بمحجنه فلما خرج لم یجد مناخًا فنزل علی ایدی الرجال ثم قام فخطبهم فحمدالله واثنی علیه، وقال الحمدلله الذی اذهب عنکم غبیة الجاهلیة وتکبرها باٰبائها انما الناس رجلان بر تقی کریم علی الله وفاجر شقی هیّن علی الله ثم تلا "یا ایها الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی "ثم قال اقول قولی هذا واستغفرالله	عز عبدالرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ ابو سعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابی السنۃ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابو بکر ابن ابی ہیثم نے عبداللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اس کو موسٰی ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا، ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری سے اتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک وتعالٰی کی حمد وثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آباو اجداد کا غرور دور کیا۔ لوگوں میں دو قسم کے مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت والا، دوسرا بدکار، بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں ذلیل، پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم [1]۔ **اقول:** انظر کیف قسم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخلق الٰی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔ ومنھا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دعائہ:"اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ۔"[2] قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیك ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم [3]اھ **اقول:** والوجہ حذف	لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔" **اقول:** دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا، ایک نیک، پرہیزگار، اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اور انہیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعوی کی صریح دلیل ہے۔ ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُعا کے یہ کلمات مروی ہے ہیں: "اے اللہ! مجھ علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطا فرما۔" مناوی نے (دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطا فرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہو جاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ **میں کہتا ہوں** صحیح یہ ہے کہ لفظ من

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۸۵ و ۲۰۲، الجامع الصغیر حدیث ۱۵۳۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۲۱

من وکانه اراد ماتريد الامة عند الدعاء به تاسيا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ ومنها ما اورد الزمخشری فی الکشاف ثم الامام النسفی فی المدارك عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ [1] اھ وھذا ابین واجلی۔ **واقول خامسا:** العلماء مافهموا من الاٰیة الا مدح المتقين ولم يزالوا محتجين بها علٰی فضيلة التقوی واهلها فلو كان الامر كمازعمتم لا ندحض هذه التمسكات بحذافيرها، اذ لماكان المعنی ان كل كريم متق وھو لایستلزم ان كل متق كريم فای مدح فيه للمتقين وبم ذا يفضلون علی الباقين، الاتری ان كل كريم انسان وحيوان وجسمان	کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی میں دعا کرتے ہوئے امت کرتی ہے۔ من جملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰی سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے۔ **اقول خامسا:** علماء نے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہل تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتے اس لئے کہ جب معنی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵، مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

ولایکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔

اور جسم ہے اوراس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔

فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ماذکرتم من الاوصاف۔

فان قلت (تواگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جوآپ نے ذکر کئے۔

قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بھم ولم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریمًا وفیه المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقة المحمدیة بعد ماسرد الاٰیات فی فضیلة التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمة کیف کان المتقی عندالله تعالٰی اکرم[1] انتھٰی۔

قلت (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایاجاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اوریہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں توان آیات کریمہ میں غور کروجو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔

قال المولی الشارح العارف بالله سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرحھا الحدیقة الندیة اشارة الی الاٰیة الاولٰی من قوله تعالٰی "ان اکرمکم عندالله اتقٰکم"[2] انتھٰی۔

کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔

واقول سادسًا: الی یاموفق تحقیق بالقبول احق اخرج

واقول سادسًا: اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

[1] الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۹

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الفصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1] واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلًا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الکرم التقوٰی و الشرف التواضع[2] واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الحیاء زینۃ والتقی کرم"[3] انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلھا واملحا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ	سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اوراس کی مروت اس کی عقل ہے اوراس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیادرآنحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اور شرف تواضع ہے۔" اور ترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا: "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے۔" احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۵، المستدرك للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۲۳، لمستدرك للحاکم کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دارصادر بیروت ۷/ ۱۳۶، السنن الکبرٰی کتاب الشھادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۹۵

[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/ ۲۸

[3] نوادرالاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دارصادر بیروت ص ۲۰۰

عقلہ فانما وصف العقل بالمروۃ لاالمروۃ بالعقل و کذا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "حسبہ خلقہ و الشرف التواضع" فانما حکم علی الخلق بانہ الحسب وعلی التواضع بانہ الشرف حسما لما یدعیہ المدعون من ان المال ھو الشرف، ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروۃ عقل والشرف تواضع لم یقبل قولہ منہ، وان عکس قبل فھکذا فی الفقرتین اعنی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الکرم التقوٰی وکرم المرء دینہ۔	کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کردے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کرم تقوٰی ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا۔)
وانا اعطیك ضابطۃ لھذا کلما رأیت فی امثال [عہ] ھذا المقام اسمین معرفین باللام محمولا احدھما علی الاٰخر فان صح ان یحمل الاٰخر علی الاول مجردا عن اللام فاعلم انہ یجوز ان یکون محمولاً فی تلك القضیۃ ایضًا والا لا نظیرہ قول الشاعر ؎	اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بنا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر شاعر کا شعر ہے:

عہ: اشاربہ الی انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنو ابناءنا وبنو بناتنا ابناء الرجال فانك ان قلت احفادنا ابناء لنا صدقت وان قلت ابنائنا احفادلنا کذبت فکان بنونا ھو المحکوم بہ و السر فی ذلك ان المحمول یجوز تنکیرہ ابدًا وافادۃ القصر علٰی تسلیمہ^{عـــہ} کلیًّا امر زائد علٰی نفس الحکم و الموضوع لاینکر تنکیرا محضا فلذٰلك لا یقال الکرم تقوٰی اوالکرم دین وانما تقول بالتعریف لان الاٰخر ھو الموضوع حقیقۃ لاجل ھذا ان عکست ونکرت صح اما رایت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما قدم التقوٰی فی حدیث الحکیم نکر الکرم و لما عکس فی الحدیث الاٰخر عرف التقوٰی، اللھم لك الحمد علٰی تواتر اٰلائك ولا اخالك یاھذا مغمورا فی غیابات الغباوت بحیث یعسر علیك الانتباہ لما فی تلك الاحادیث	"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔" اس لئے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادہ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے، اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقوٰی یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جز ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اس کو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جز کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جز ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کردو اور پہلے جز کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تقوٰی کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقوٰی" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عـــہ: اشارہ الی انہ مع اشتھارہ فی کثیر من الناس الخ (المصنف)

التی جاءت مرۃ بتقدیم الکرم واخرٰی بتصدیر التقوی من لمعات بوارق یکاد سناھا یختف ابصار الشبھات ولا سیما حدیث الترمذی مع ماتقرر فی الاصول ان اللام ان لاعھد فللاستغراق باٰل الجنس ایضا مفید اذحکمہ لابدوان یسوی فیہ الافراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ایسا بھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلّیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقوٰی کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہوچکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔
اقول: سابعًا ان قیل لک اکرم الناس اتقاھم ثم من دونہ فی التقوٰی وھٰکذا یأتی ینزل تدریجا لاجرم ان تسلمہ وتقول ھذا لاریب فیہ لکنک لم تدران قد انصرفت عما اقترفت وقداعترفت بما انحرفت، قل لی ماذا محصل قولک ان اکرم الناس یوصف اولًا بانہ اتقی وثانیًا بانہ قلیل التقوٰی وثالثًا بانہ اقل، ھل ھذا الا کلام مجنون تفوہ بلفظ فی الجنون وما دری وماعقل وھذہ الشناعۃ	**اقول: سابعًا** اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقوی میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کروگے اور کہوگے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے۔ جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا۔ اور انحراف کا اعتراف کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقوٰی کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جب کہ جزِ ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں۔ جو جنون میں لفظ

تکدر علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث. قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "احب الاعمال الی اللّٰه الصلٰوۃ لوقتھا ثم بر الوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللّٰه "اخرجه الائمة احمد [1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی و النسائی عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه فالمعنٰی علی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولًا بانه صلٰوۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون،	بولتا ہے اور سمجھتا ہے ورنہ اسے خبر ہوتی، اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ پھر ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنٰی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلٰوۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سُننے والوں نے سُنی۔

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوۃ لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶، صحیح البخاری کتاب الجھاد باب فضل الجھاد لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۰، صحیح البخاری کتاب الادب باب قوله تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللّٰه افضل الاعمال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۰ و ۴۱۸۔۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱، جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۴، جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی بر الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۳، سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلوۃ لمواقیتھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب المحافظة علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۱

تذئیل ایاك وان تظن ان تقدیم الخبر فی امثال ھذا المقام قلیل فی فصیح الکلام حتی یعد تاویلا للمرام بل ھو شائع تکثر بل ھو الاکثر الاوفر، ولو سرد نالك من الاحادیث الواردۃ علٰی ھذا المنوال لنافت علی مئاتٍ ورمیتنی بالاملال، ثم منھا ما فی نفس الحدیث دلیل علی مانرید کتقدیم الصفات و تاخیر الذوات وغیر ذٰلك ومنھا ما شرح الشارحون بعکس الترتیب من دون حاجۃ الی ماھنالك فعلم انہ طریق شائع، کثیرًا مایجری الکلام علیہ وتتبادر الافھام الیہ بلا احتیاج الی صوارف ولا توقف علٰی موقف ولو لا انا علی حذر من الاطناب لاریناك منھا العجب العجاب، لکن لا باس ان تذکر طرفًا من احادیث اکثرھا من القسم الثانی لانھا اوضح فی المقصود وضوحًا جیلًا و نقدم علیھا حدیثا ذکر فیہ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقدمتین فاستنتج منھما العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین

تذئیل خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر ہے۔ یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے، بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی میں سینکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے۔ پھر ان میں سے وہ بھی ہے جو نفسِ حدیث میں ہمارے مدعا کی دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا بلا ضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمہیں ان احادیث کا عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے علماء نے نتیجہ نکالا، جس طرح دو آیتوں میں

لیکون ھذا اشد تنکیلا. انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبدالقادر بن طریف انا ابو اسحاق التنوخی انا ابوالحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعه عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابوالفتح عبدالملك ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابوعامر محمود بن القاسم الازدی وابوبکر احمد بن عبدالصمد الغورجی انا ابو محمد عبدالجبار الجراحی المروزی انا ابوالعباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی، انا الترمذی ثنا محمد بن یحیی نا محمد بن یوسف نا سفٰین عن ھشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر کم خیر کم لاھله	ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے، وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبدالقادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابواسحٰق تنوخی نے۔ ہمیں خبر دی ابوالحجاج یوسف ابن زکی مزی نے۔ ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے۔ سماعًا ابوحفص عمر بن طبرزد سے سن کر۔ ہمیں خبر دی ابوالفتح عبدالملک ابن قاسم کروخی نے۔ ہمیں خبر دی قاضی ابوعامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبدالصمد غورجی نے۔ ہمیں خبر دی ابو محمد عبدالجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انہوں نے روایت کی ہشام بن عروہ سے انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے۔ انہوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔ انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

وانا خیر کم لاهلی واذا مات صاحبکم فدعوه۔هذا حدیث حسن صحیح [1]	نے "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لیے تم سب سے بہتر ہوں جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
قلت ومروی ایضاعندابن ماجة [2] من حدیث ابن عباس وعندالطبرانی فی معجمه [3] الکبیرعن معٰویة بن ابی سفٰین رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین قال الامام العلامة الشارح عبدالرؤف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیرللامام المولٰی جلال الحق و الدین السیوطی رحمة الله تعالٰی علیهما فانا خیر کم مطلقاوکان احسن الناس عشرة لهم [4] انتهی۔	**قلت** (میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدّین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں۔اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔"
اقول: یاهذاان ابدیت فرقابین هذاالقیاس والقیاس	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اِس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۹،موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص۳۱۸،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۰،الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۹/ ۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر کم خیر کم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۳

الذی تنکر صحته لشکرك المفضلة ابدا ما کانوا و لکن هیهات هیهات انّی لك ذٰلك اخرج احمد و الشیخان عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش [1]	تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکر گزار ہوں گے، لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی، انہوں نے نبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔
قال الفاضل الشارح فالمحکوم له بالخیریة الصالحة منهن لا علی العموم [2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا به اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللّٰه تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم خیر الاصحاب عند اللّٰه خیر هم لصاحبه وخیر الجیران عنداللّٰه خیر هم لجاره [3] قال الفاضل الشارح "فکل	فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لیے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔امام احمد۔ترمذی اور حاکم بسندِ صحیح حضرت عبداللّٰہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللّٰہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللّٰہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی هریرة المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳، صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وایّ النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساءِ قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۴۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸، المستدرك للحاکم کتاب المناسك خیر الاصحاب عنداللّٰه الخ دارالفکر ۱/ ۴۴۳، الجامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبه و جاره فهو افضل عند الله و العکس بالعکس [1] اھ اخرج احمد و ابن حبان والبیهقی عن سعید بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی [2] قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاہ الذاکر وسترہ عن الناس فهو افضل من الجهر [3] اھ. اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم افضل الصدقة سر الی فقیر [4] قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی "وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" [5] اھ"	ہمسایوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لیے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے۔ اور اس کے بر عکس ہو تو حکم بر عکس ہے انتھی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتھی، طبرانی، ابن ماجہ، ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا، "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ "وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ"۔ انتھی

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعید بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۲، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیہ ص ۵۷۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹، الجامع الصغیر حدیث ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۸۰

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۸۵

اقول: انظر فقد اخرت الاٰیة وقدم الحدیث، اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ	**اقول:** دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) موخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ
اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجهاد ثم حجة برة تفضل سائر العمل[3]۔	امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد۔ پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"
اقول: انظر الی ھذہ الکلمة الاخرة صدر بالافضل ثم اخرہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو موخر لائے۔
اخرج ابو الحسن القزوینی فی امالیه الحدیثیة عن ابی امامة	ابو الحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

---

[1] مسند احمد حنبل حدیث جدابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۴۲۴، المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیثِ ماعز رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۴۲، المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۳۴۴و ۳۴۵

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان اشد الناس تصدیقًا للناس اصدقھم حدیثا وان اشد الناس تکذیبًا اکذبھم حدیثا"[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقاد قبح الکذب والکذوب یتھم کل مخبر بالکذب لکونہ شانہ۔[2] اھ	وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔"سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے۔اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لیے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے،اھ
اخرج احمد فی کتاب الزھد عن سلمان الفارسی واقفًا علیہ و ابن لال وابن النجار عن ابی ھریرۃ والسجزی فی الابانۃ عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر الناس ذنوبًا یوم القیمۃ اکثرھم کلامًا فیما لایعنیہ[3] قال الفاضل الشارح"لان	امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت سلیمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابو ہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے،ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا"سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہوں گے۔جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔" فاضل شارح نے فرمایا اس لیے کہ

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۴۴،الجامع الصغیر حدیث نمبر ۲۲۰۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحدیث حدیث ان اشد الناس تصدیقا دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۱۱

[3] الجامع الصغیر بحوالہ ابن لال و ابن نجار حدیث نمبر ۱۳۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۶،کتاب الزھد ۸۱۱ دارالکتاب العربی دارالکتب العلمیہ بیروت ص۲۱۹

عربی	اردو
من کثر کلامه کثر سقطه فتکثر ذنوبه من حیث لا یشعر [1]"اھ اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی و ابن حبان بسند صحیح عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اولی الناس بی یوم القیمة اکثرهم علیّ صلٰوة [2]۔ قال الفاضل الشارح"ای اقربهم منی فی القٰیمة و احقهم بشفاعتی اکثرهم علیّ صلاة فی الدنیا لان کثرة الصلوة علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم تدل علی صدق المحبة و کمال الوصلة فتکون منازلهم فی الاخرة منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بحسب تفاوتهم فی ذٰلك [3] اھ **اقول:** انظر شرح اولًا لفظ الحدیث	جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلافِ شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔ امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بہ سندِ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا" قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے۔ تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قُرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ **اقول:** دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القٰیمة مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوة علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴، الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لایستقیم الاعلی جعل الاولٰی محکومًا بہ،وابین من ھذا ان العلماء المحدثین افاض اللہ علینا من برکاتھم استدلوا بھٰذا الحدیث علٰی فضل اھل الحدیث،وانھم اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانھم اکثر الناس صلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایذکرون حدیثا الاو یصلون فیہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشرًا وخمسًا او مرتین اومرۃ لا اقل کما ھو معلوم مشاھد والحمد للہ۔	کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتی ہے جب کہ حدیث میں (وارد) لفظ اولٰی کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک و تعالٰی ہمارے اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے علماء حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا۔اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہیں اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یادو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے۔**والحمدللہ**،
ارایتك ھذا الاستدلال الیس علی طبق احتجاجنابا لاٰیتین حذوا بحذو وسواء بسواء۔ثمّ من تمام نعمۃ اللہ ان جاء حدیث عند البیھقی برجال ثقات عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعۃ فان صلوۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ فمن کان اکثرھم علی	مجھے بتاؤ کیا استدلال ان دونوں آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق نہیں۔پھر اللہ تبارک و تعالٰی کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے توسب سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

اردو	عربی
میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لیے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں سر وہی ہے جو ہم نے بتایا۔تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں۔اور اذہان کی سبقت انہیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا مؤخر،اور یہ سب واضح و روشن ہے۔قریب ہے کہ اس کو بدیہی و اولیٰ کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے۔اس لیے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں۔تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انہیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ ان کے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں۔لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لیے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے	صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ"[1] فعلم انہ لایبالٰی فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الا لتباس والسرفیہ ما القیناعلیك ان ھذہ احکام شرعیۃ لایطلع علیھاالا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات،ولا تسبق الاذھان الا الٰی ذلك مقدمۃ جاءت اومؤخرۃ وھذا کلّہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی واولٰی لایسوغ انکارہ الا لجاھل خرف اومتجاھل متعسف،ونخشی ان یعد اکثار نا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیھا بالعبث عند العلماء لان اٰذانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلك المحاورات،وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام ،فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من(ھٰھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم)یحط ببالھم نحوھذہ الخدشات، لکنی،اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالٰی واضح لدیھم

[1] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۳/ ۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبھا فھو یقصد اسرھا ویقتفی اثرھا لا تعلو شرفا ولا تھبط وادیا الا اتبعھا۔

تکمیل: ومن ھٰھنا بان لك ان ماقالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذاکان معرفتین او متساویین امر اکثری لاکلی وانما المعنی علی اللبس واذ لیس فلیس، بذٰلك صرح الشراح و لا یغرنك اطلاق المتون فانھا ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقه فکیف بغیرہ من الفنون۔

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیه محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامة خیر الدین الرملی عن ابی عبدالله محمد بن عبدالله الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار "ان العجب من اصحاب المتون

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے۔جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنٰی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے۔جب کہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں۔شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہر گز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں،

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے۔وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے۔وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے۔وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے۔وہ روایت کرتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنفِ تنویر الابصار سے، انہوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحابِ متون سے تعجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے

فانھم یترکون فی متونھم قیودا لابدمنھا وھی موضوعة لنقل المذہب فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق فیجری الحکم علٰی اطلاقه وھو مقید فیرتکب الخطاء فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء [1] انتھی	متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضاکے دوران بہت سارے احکام میں۔ انتھی۔
انبأنا السراج بالسندالمذکور الی العلامة الغزی عن العلامة زین بن نجیم المصری قال فی البحر الرائق "قصد ھم بذٰلك ان لایدعی علمھم الا من زاحمھم علیه بالرکب ولیعلم انه لایحصل الا بکثرة المراجعة وتتبع عباراتھم و الاخذعن الاشیاخ [2]۔ انتھی	ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے۔ انہوں نے روایت کیاعلامہ زین ابن نجیم مصری سے۔انہوں نے بحر الرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کامزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرت مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخِ فن سے حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انتھی۔
اقول: وقد و اللہ رأینا تصدیق ھذا فی کثیرمن ابناء الزمان ممن تصدربالدعوی وتصدی للفتوی،وما عندہ ما یرد عن الطغوی فمنھم من افتی بتوریث المنکوحة بالنکاح الفاسد واٰخر ببطلان تزویج الام الصغیرةمن دون حضرة العم	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں وہ پائی جو زبانی دعوی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انہیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیة القسمة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب صفة الصلوۃ العربی بیروت ۱/ ۳۰۳

منع انہ متوقف لاباطل، واخر باعطاء المسمّٰی من نکحت فی عدۃ اختہا واٰخر بتحریم بیع ہذہ القراطیس الافرنجیۃ المقدرۃ بقدر معلوم من الدراھم بما یزید علی ہذا المقدار اوینقص ظنامنہ انہ ربوٰمع عدم الا تحادجنسا ولا قدرًا۔ واٰخر بتجویز اخذ الربٰو من کفار الھند زعمامنہ انھادار الحرب مع عدم الانقطاع عن دار الاسلام من کل جانب وشیوع بعض الشعائر الاسلامیۃ قطعًا۔ واٰخر بحل ماقطع من حیوان حی اٰخذا من قول الھدایۃ وما ابین من الحی"وان کان میتافمیتہ حلال"[1] حتی انتہت ریاسۃ الفتوٰی و انتمت السیادۃ الکبرٰی الٰی من اباح بنت الاخ رضاعًا، وتقدمہ مجتھداٰخر فجوز نکاح العمۃ النسبیۃ فالی اللہ المشتکی من فساد الزمان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وسیعلم ہذامن جرب

غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کردینا باطل ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے۔ اور کسی دوسرے نے فتوٰی دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا۔ اور دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پر روپوں کی ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے کا فتوٰی دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بناء پر کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتوٰی دیا کہ ہندی کافروں سے سُود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ حالانکہ یہ ملک دارالاسلام ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی شعار یقینا جاری ہیں۔ اور ایک نے فتوٰی دیا کہ زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا مردار حلال ہے۔" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک کہ ریاست اسی فتوٰی تک پہنچی اور سیادتِ کبرٰی اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز ٹھہرادیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ تو عنقریب اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا،

[1] الھدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ ومالا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۲۴۱

مثل تجربتی، اسأل اللہ تطہیر جنانی و تقویم لسانی وتسدید بنانی فبہ اعتصامی وعلیہ کلانی اٰمین،	اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یاالٰہی۔ قبول فرما،
تسجیل: ولعلك تقول لقد کشفت النقاب ورفعت الحجاب فبین لی ماالنکتة فی تقدیم الخبر وانما حقه ان یوخر، **قلت** نعم فیه نکت بدیعة منها ان المحکوم به لما کان خفیا والمحکوم علیه مدرگا جلیًا اشبه الاول بالمعرف والاخر با لتعریف فاستحسن تقدیمه لیکون الاخیر کالتعریف له۔ ومنها تشویق السامع لان النفوس متطلعة الی علم مالا تعلم فاذا سمعت بما ھو خفی لدیها ورجت ان یذکر بعدہ ما یظهره علیها توجهت للاستماع وتفرغت للاطلاع فکان الکلام اوقع وامکن والنفس الیه امیل و اسکن۔ ومنها ان الاعمال لا تقصد فی الشرع لذواتها بل لما یترتب علیها	**تسجیل:** اور شاید تم کہو بے شک تم نے نقاب اٹھادیا اور حجاب کو دُور کردیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ **میں کہوں گا** ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جب کہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتداء) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کے لیے تعریف کے مانند ہو جائے اور انہیں نکتوں میں سے سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لیے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لیے ہمکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لیے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لیے فارغ ہوں گے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشین اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لیے مقصود نہیں ہوتے۔

من ثمراتھافضلا من المولی سبحٰنه وتعالی۔فکانت الثمرات ھی المقاصدوحق المقاصدان تقدم الی غیر ذلك ممالا یخفی علی اولی الالباب وفیماذکرنامایغنی عن الاطناب والحمدللّٰه رب العٰلمین ھذا کله مما حبانی الملك الجواد تبارك وتعالٰی فقد بان لك صدقی فی قولی ان ھذاالزاعم لاخبرۃ له بمناھج الکلام فی النصوص ولاباسباب النزول فی ھذا الخصوص ولا بالتفسیر المرفوع الی الجناب الرفیع و لابتصریح القادۃ فی کلامھم البدیع ولا بشیئ مما خلا والحمد للّٰه جل وعلا۔	بلکہ ان ثمرات کے لیے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالٰی کے فضل سے لہٰذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں۔اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے۔یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک و تعالٰی نے مجھے عطا کی۔اب تمہیں میری سچائی ظاہر ہو گئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے۔اور نہ جنابِ رفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں۔والحمدللہ جل وعلا۔
من وجوہ الجواب عن ھذا الارتیاب اقول:بتوفیق الوھاب لئن جئنا علی المماکسة والاستقصاء لما ترکنا کم ان تزعموا ان الایة لا تقتضی باکرمیة الاتقی وان سلمنا الموضوع	اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ۔میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی۔اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آیت میں اکرم ہی

هوالاکرم وذٰلك لان اتقٰکم واکرمکم لایصدقان بل لایصلحان لان یصدقا الاعلی واحد ولا یجوز تعددهما بمعنی الصدق مرة علی هذا واخری علی ذاك فاذا ثبت اتحادهما فی الوجود کما هو مقتضی الحمل وجب التعاکس اذلما اتحد مصداقهما وقد علمنا بطلان التعدد کانا کعلمین لجزئی واحد،لك ان تجعل ایهما شئت مرآة لملاحظة وایهما شئت محمولًا علیه و له نظائر جمة تقول افضل الانبیاء اولهم خلقا واکرم الرسل اٰخرهم بعثًا۔واحسن الجنّٰت اقربها الی العرش واعظم شجرة فی الجنة طوبٰی۔ ومنتهی جبریل سدرة المنتهٰی،وافضل الصلوة الصلوة والوسطی،وابوك ابوه۔وامك امه،و اول من دخل اٰخرمن خرج،واقل الاعداد اول الاعداد،و الشمس النیرالاعظم۔واعلی	موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی اس پر صادق ہوں کہ جب ان کا وجود میں اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری ہوا اس لیے کہ جب دونوں کا مصداق ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان لیا تو یہ دنوں ایک ذات واحد کے دو علم کی مثال ہوئے تمہیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو ذات کے لیے مراۃ ملاحظہ بناؤ۔اور جن کو چاہو محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں ہیں تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے۔اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔اور جنت میں سب سے بڑا پیڑ طوبٰی ہے۔۔اور جبریل کا منتٰی سدرۃ المنتٰی ہے اور سب نمازوں سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے۔ اور تمہارا باپ اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں ہے۔اور سب سے پہلے داخل ہونے والا سب کے بعد نکلنے والا ہے۔اور عدد میں سب سے کمتر پہلا عدد ہے۔اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما،واخص الكليات اقلها افرادًا و فلك جوز هو فلك القمر و سيارة لا تدوير لها ذكاء و المتحيرة السوداء زحل،والخانس الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك ممالايعد ولايحصى ومحال ان تبدى مثالا يحمل فيه افعل مضافا على افضل مضافا الى اضيف اليه الاول مع جريا نهما على معناهما الحقيقى ثم لايصح العكس،

فاذا صدقت القضية بالنظر الى الواقع كفانا هذا الانتظام القياس واستنتاج المدعى،والسرفى ذلك ان الموجبات انما تنعكس الى مالا يصلح لكبروية الاول لجواز عموم المحمول واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج اوالذهن ايضًا بطل عمومهما بحسب ذلك الظرف(فلايجوزان يكون احدهما اعم من الأخر بمعنى شموله له ولغيره فى ذلك الظرف)فلم يبق باعتباره الا التساوى)اوالتباين ولا ثالث لهما،فان صدقت الحملية القائلة ان هذا ذاك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے۔اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک جوز فلک قمر ہے۔اور وہ سیارہ جس میں گولائی نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانے والا سرخ سیارہ مریخ ہے۔اس کے علاوہ بہت ساری مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں۔اور محال ہے کہ تم ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف ہو کر دوسرے افعل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس صحیح نہیں۔

توجب قضیہ نظر بنفس الامر صادق ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول کے کبرٰی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جب کہ دو مفہوم وہاں ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعوی ہو کہ بے شک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ یہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فيتباينان فتبطل الاولیٰ هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زید ابوك والاٰخر قوله ابی ابوك امکن لنا ان نعمل من قولیه شکلاً ینتج ان زیدا ابی لانه اذا صدق قوله ابی ابوك لزم صدق ابوك ابی والا لتعددا بواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشکل بان زیدا ابوك وابوك ابی فزید ابی، وافعل التفضیل مضافاً الی جماعة اذا کان باقیاً علی معناه الحقیقی المتبادر منه شانه هذا، اذلا یکون الفرد الاکمل من جماعة الاواحدا ولن یصدقن ابدا قضیتان قائلتان بان هذا اکملهم و ذلك اکملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتها فان العقل	حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا توآپس میں دونوں متباین ہوں گے تو پہلا قضیہ باطل ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہو کر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اس کے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول باطل ہو جائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔ اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنی حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لیے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہر گز کبھی ایسے دو۲ قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعوی کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضل ہے۔ اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لیے کہ عقل

یجیز صدقھا علٰی افراد کثیرۃ ثبیرۃ واذا وجدلھا فی الخارج فرد لم یستبعد وجود اٰخر بخلاف افعلھم فانما یقبل الاشتراك علٰی سبیل البدلیۃ واذا صدق فی الخارج علی فرد حال العقل صدقه علی اٰخر منحازًا عنه کدأب اسماء الاشارۃ سواء بسواء فصدق العکس ھٰھنا ابین واجلی،واما قول اھل المیزان لا تنعکس الموجبۃ الاجزئیۃ معنا ہ ان کلما جعلت موضوع موجبۃ کلیۃ محمولًا و محمولھا موضوعًا و اتیت بسورا لکلیۃ کانت القضیۃ کاذبۃ،فان الواقع یکذبه بل المعنی عدم الاطراد،وھم لا اقتصر نظر ھم علی الکلیات لایعتدون الا بالمطرد المضبوط الذی لایتخلف فی مادۃ من المواد،وعدم الاطراد لا یستلزم المراد العدم،ولا اقول:انه عکس منطقی،و لاانھاتلزم القضیۃ لزومًا عا مًالکنھاتلزم فی امثال المقام لاشک،فتصدق القضیۃ بالنظر الی الواقع	شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفعَلُھُم کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا روشن تر اور ظاہر تر ہے۔رہا منطق والوں کا یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب ہوگا اس لیے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط ہو مواد میں سے کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور عدمِ اطراد اطراد عدم کو مستلزم نہیں ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے۔نہ یہ دعوی کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن اس مقام کے امثال میں بلاشبہہ عکس لازم ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سمّاھا المیزانیون عکسًا اوّلًا وھذا القدر یکفی لانتظام الشکل فان صادقتین مستجمعتین للشرائط لا تنتجان الاصادقۃ ولایلزم اثبات الصدق علی انھا عکس منطقی لقضیۃ صادقۃ وانکار ھذا من اخنی المکابرات۔ثم ھذا العکس لم یرشدنا الیہ الا الاٰیۃ الکریمۃ اذھی التی دلتنا علی اتحادھما فی الوجود فاذا کان ھذا فی مفھومین لاتعدد لمصداق شیئ منھما ان ارشادًا الی التعاکس قطعًا کما اذا سمعت رجلًا یقول ابی زید جازلك ان تقول کان الرجل یقول زیدا بی لان زیدًا لایتعددو ابو الرجل لایتعدد فاذا کان ابوہ زیدا کان زید اباہ کذا ھذا من دون شك ولا اشتباہ الحمد ﷲ علی نعمائہ وعلیك بتسکین الھواجس یافلسفیاہ۔

صادق ہے اہل منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظام شکل کے لیے کافی ہے اس لیے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے۔پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی کہ اس لیے کہ اس نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجوب میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقینًا دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں۔تو جب اس کا باپ زید ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے۔اسی طور پر بلا شک و شبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لیے اس کی نعمتوں پر حمد۔اور اے فلسفی تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ،

الثالث من وجوہ الجواب اقول:و ربی ھادی الصواب اخترناعن ھذاکلّہ وسلمنا ان مفاد الاٰیۃ الاولی قولنا

وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ،میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا۔آیت اولیٰ کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقٰی وینعکس بعکس النقیض الٰی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علی ان المراد بالاتقی فی الایة الثانیة اعنی قوله تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾" [1] اتقی الصحابة جمیعًا فوجب ان لایکون احد من الصحابة اتقی منه۔ ولامساویًا له فی التقوٰی اذا ثبت ھذا فنقول کل صحابة فھو لیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منه لیس باکرم منه۔ انتج ان کل صحابة فھو لیس باکرم من ابی بکر وصغری القیاس معدولة کما لوحنا الیه بتقدیم اداة الربط علی حرف السلب ولك ان تجعلها موجبة سالبة المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین ویرشدك الٰی مایزیح وھمك جعل السلب فی الکبرٰی مراة الملاحظة افراد الاوسط۔ وان شئت لم تعکس الاٰیة الاولٰی ایضا ونسجت الشکل	کل اکرم اتقٰی (یعنی ہر اکرم سب سی بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقٰی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کردیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک و تعالٰی کے قول "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾" میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دور کردے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لیے مراۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی۔ اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں۔ اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

عربی	اردو
علی منوال الثانی بان تقول لاشیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و کل اکرم من ابی بکر اتقی منه انتج ان لا شیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و لعلّك ان تقررہ قیاسًا استثنا ئیًا یرفع المقدم لرفع التالی فتقول لوکان احد من الامة اکرم من الصدیق لکان اتقی منه لان کل اکرم اتقی لکنهم لیسوا باتقی منه للایة الثانیة فلیسوا باکرم منه وفیه المقصود۔	مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لیے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ۔ تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔
تنبیه: سیقول السفهاء من الناس ماولکم عن دعوٰئکم التی کنتم علیها فان الثابت علی هذہ التقاریر الثلثة الاخیرة انما هو نفی اکرم من الصدیق وهو لا یستلزم اکرمیته رضی الله تعالٰی عنه اذ یحتمل التساوی۔	**تنبیہ:** اب کہیں گے بے وقوف لوگ اس دعوی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لیے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لیے کہ تساوی کا احتمال ہے۔
اقول: اوقد قالوا فلئن قالوا فلقد زاغوا۔	**اقول:** کیا ان بے وقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا۔
امااولًا فنصوص الشرع و محاورات البلغاء طافحة بسوق الکلام الی غرض التفضیل علی الاطلاق علی هذاالمساق یقولون لیس احد افضل من فلان ویریدون انه افضل الکل وذلك لان التساوی	**اولًا** نصوص شرع اور اہلِ بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لیے کہ تساوی حقیقی عادتًا گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بکلام شراح الحدیث۔

واما ثانیاً: فلك ان تضم الیه اجماع الامة علی وجود التفاضل والحق لایخرج عن اقوالھم۔

واما ثالثاً: ھو الطراز المعلم ان العارف باسالیب الکلام یفھم من الایة الاولی تسبب التقوی لایراث الکرامة وقصر حصولھا علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الایة اللاحظة الی ملحظ الکریمة انبأنا سراج الحنیفة بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبدالرحمن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترھیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ان انسابکم ھذہ لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤہ لیس لاحد فضل علی احد الابالدین او

محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔

ثانیاً: تمہیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔

ثالثاً: اور وہ وجہ طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیتِ اولیٰ سے سمجھتا ہے کہ تقویٰ عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقویٰ کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی کہ جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیتِ کریمہ کے مطمح نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔ ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شریف سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد ابن ارکماش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں احمد ابن ابی طالب حجار سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے۔ انہوں نے فرمایا، کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یہ نسب کسی کے لیے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح۔رواہ احمد والبیہقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ ولفظ البیہقی قال لیس لا حد علی احد فضل الابالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الابدین اوتقوٰی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا۔قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض[1] اھ قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجُمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الاّ بالتقوٰی[2] اھقولہ صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم کجُمام الصاع جُمام بالضم مایملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبّات الصاع تکال فیعرف مقدار ھا و استواء ھا بمثلھا کیلًا من	حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے۔اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے۔اور آدمی کے بُرا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔اور ایک روایت میں ہے۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے۔اور آدمی کے لیے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیاء کنجوس ہو۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "طف الصاع" اضافت کے ساتھ کا معنی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے۔انتہی۔ **قلت**(میں کہتا ہوں)اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے،اور ان کے لفظ یہ ہیں۔تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتھی۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جُمام صاع" جمام بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ تم قدر میں ایک دوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبّوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۶ و ۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الآیۃ ۴۳/ ۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجة الی الوزن لتساویها ثقلًا واکتنازًا وبه قال المنذری عن ابی ذر رضی اللّٰه تعالٰی عنه"ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال له انظر فان لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوٰی۔رواه احمد و رواته ثقات مشهورون الا ان بکر بن عبداللّٰه المزنی لم یسمع من ابی ذر۔اھ[1]

ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انہیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔اور اسی مضمون کو منذری نے ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا"بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے۔مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوٰی کی وجہ سے۔"اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سنا۔انتہی،

قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمهور۔وبه قال عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال خطبنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبة الوداع فقال۔یا ایها الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد۔الا لا فضل لعربی علٰی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علٰی اسود ولا لا سود علٰی احمر الا بالتقوٰی ان اکرمکم عند اللّٰه اتقٰکم الاھل

قلت(میں کہتا ہوں)اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ الوداع دیا کہ فرمایا"اے لوگو۔بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوٰی سے۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت، قالوا بلٰی یارسول اللہ، قال فلیبلغ الشاھد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیھقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل[1] انتھی	سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچادیا۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون۔ مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔
قلت ولا یضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی۔[2] وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقوٰی کلاھما مقولان بالتشکیک فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت و المتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان ^{عــہ} سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقوٰی	**قلت** (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے۔ بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقوٰی دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقوٰی زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقوٰی کم ہوگا کرامت کم ہوگی۔ اور تقوٰی میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا۔ تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے۔ اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقٰی" کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

عــہ: ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ اما تدارك الرحمۃ ففضل الٰھی یختص بہ من یشاء ما اسلفنا تحقیقہ (۱۲ منہ) غفرلہ۔	یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہا تدارک رحمت تو یہ فضلِ الٰہی ہے اللہ تبارک و تعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث کل متساویین فیھا متساویان فیه والایة الثانیة ایضاتنحل الٰی ثلث مقدمات"ابوبکر اتقی الکل"وھو المنطوق ولا یزید علیه احد فی التقوٰی و لایساویة احدفیه و عندھذا لیسھل علیك دفع الاشکال ونظم الاشکال لقطع الاحتمال والحمد للّٰه المھیمن المتعال ھذا ما الھمنا المولٰی تبارك وتعالٰی بمنیع فضله ورفیع کرمه ومنحنا من عظام اٰلائه وحسان نعمه فی تقریر دلیل اھل السنة والجماعة ودفع شبھات(اھل)البطالة والخلاعة وارجوان تکون عامة ما فی تلك الخیام من عرائس بیض تجلو الظلام وبسائم تکشِرعن برد الغمام۔اکون انا ابا عذرتھا وماذون الدخول فی حجرتھا وان قال الاول لیس علی اللّٰه بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد۔ فقلت اناقدقدر اللّٰه فلاتنکر۔ان لحق العاجز بالقادر کیف وقدفازبافضاله ال۔کل فماظنك بالقادری۔	یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنه فی التقوٰی (عزت میں دوسرے سے کم تر اس سے تقوٰی میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیھا متساویان فیه (ہر وہ شخص جو تقوٰی میں برابر ہیں وہ عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے جو نگہبان و برتر ہے۔۔۔۔۔۔یہ وہ ہے جو ہمیں اللہ تبارک و تعالٰی نے الہام فرمایا اپنے فضل عظیم اور کرمِ رفیع سے۔اور بخشا ہمیں اپنے عظیم احسانوں سے۔اور حسین نعمتوں سے اہلسنت و جماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت و ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لیے۔اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے اکثر کا میں ہی صاحب ہوں۔اور ان کے حجرے میں دخول کا مجاز ہوں۔ اور مجھ سے پہلے نہ کہا تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں جمع کردے۔تو میں نے کہا بے شک اللہ نے مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو قادر سے ملحق کردیا۔یوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے۔ قادری کے ساتھ۔

خاتمہ:رزقنا الله تعالٰی حسنها امین فان قلت لقد تفضل الله علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلة اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الٰی هذا الاستدلال۔مع مافی الاٰیة من تاویل واحتمال۔اذ ذهب ذاهبون الٰی ان الا تقی بمعنی التقی وان زیفت قولهم بتحقیق نقی۔	**خاتمہ**:اللہ تبارک و تعالٰی ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین۔تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے۔اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے۔آیا میں فضیلت صدیق کا یقین لاؤں۔اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجود یہ کہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لیے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول ستھری تحقیق سے غلط ثابت کردیا۔
قلت نعم اقطع ولاتبال بما قیل او مایقال اذ قاطعان لایأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق هو المراد بالاتقی باجماع الامة قاطبة ولم ینقل فی ذلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والاٰیة الاُخرٰی نص فی المرام لا شك اما ما ذکرت من حدیث من ذهب الٰی ما ذهب فقد سمعت ان الاٰیة لا مساغ فیها للتاویل واحتمال بلا دلیل لاینزل التنزیل عن درجة برهان قاطع جلیل،الا تری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذٰلك هو قطعی قطعًا کما صرح به ائمة الاصول۔	**قلت**(میں کہتا ہوں)ہاں یقین کر اور قیل و قال کی پرواہ نہ کر۔اس لیے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا۔اور تم سن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں۔تو یہ اجماع قطعی ہوا۔اور دوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں۔رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے۔تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقیناً قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

وتحقیق المقام علٰی ما الهمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین۔ **احدهما:** قطع الاحتمال علی وجه الاستیصال بحیث لایبقی منه خبرولا اثر وهذاهو الاخص الاعلٰی کما فی المحکم والمتواتر وهو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیها بالنص المشهور۔ **والثانی:** ان لایکون هناك احتمال ناش من دلیل و ان کان نفس الاحتمال باقیًا التجوز و التخصیص و سائر انحاء التاویل کما فی الظواهر والنصوص والاحادیث المشهورة والاول یسمی علم الیقین و مخالفه کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما هو مذهب فقهاء الاٰفاق، والتخصیص بضروریات الدین ما هو مشرب العلماء المتکلمین۔ و الثانی علم الطمانیة و مخالفه مبتدع ضال ولا مجال الی اکفاره کمسئلة وزن الاعمال یوم القیمة قال تعالٰی "وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ" [1] ویحتمل النقد احتمالًا لاصارف	**اور مقام کی تحقیق** اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا یہ ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ **ایک** تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہو جائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ اور یہ اخص اعلٰی ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔ اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے۔ تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔ **دوسرا:** یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفس احتمال باقی ہو۔ جیسے کہ مجاز اور تخصیص۔ اور باقی وجوہِ تاویل۔ جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیث مشہورہ میں ہے۔ اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقًا۔ جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریات دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہی اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں۔ جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔ اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے" اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۸/۷

الیه ولا دلیل اصلا علیه فیکون کقولک "وزنته بمیزان العقل" وهو رائج فی العجم ایضًا تقول "سخن سنج" ای ناقدا لکلام۔ و مسئلة رؤیة الوجه الکریم للمؤمنین۔ رزقنا المولٰی بفضله العمیم۔ قال تعالٰی "وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ "[1] ویحتمل احتمالًا کذلك ارادة الامل و الرجاء وهو ایضًا مما توافقت علیه العرب والعجم تقول "دستِ نگر من ست" ای یرجو عطائی ویحتاج الٰی نوالی وهٰکذا مسئلة الاسراء الی السمٰوٰت العلی و الشفاعة الکبرٰی للسید المصطفٰی علیه افضل التحیة والثناء فکل ذل ثابت بنصوص قواطع بالمعنی الثانی۔ ولذا لا نقول بالکفار المعتزلة والروافض اولالین المأولین۔ و هکذا الظن له معینان اذ مقابل الاعم اخص والاعم اخص کما لا یخفی۔ اذا عرفت هذا فمسئلتنا هذه ان ارید فیها القطع بالمعنی الاخص فهذا	جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلًا اس پر کوئی دلیل ہے۔ اب آیت کا معنٰی تمہارے قول "میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا" کے مثل ہوگا۔ اور یہ عجم میں رائج ہے۔ تم کہتے ہو "سخن سنج" یعنی کلام کو پرکھنے والا۔ اور مومنین کے لیے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ۔ مولائے کریم اپنے فضل عظیم سے نصیب فرمائے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا "کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے "احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید ورجاء کے ارادے کا۔ اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و عجم سب متفق ہیں۔ تم کہتے ہو "دستِ نگر من ست" یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کُبری محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں۔ اور اسی لیے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں اس لیے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

[1] القرآن الکریم ۷۵ /۲۳و۲۲

جبل وعرصعب المرتقی۔اذماوردفیھا فامانص او ظاھر وکلاھما یقبلان التاویل ولو قبولًا ضعیفًا بعیدًا او ابعد اضعف مایکون کالاتقی فیما نحن فیه یحتمل التجوز بالبالغ فی التقویٰ والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل"فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسّرًا محکمًا فاحاد تطرق الیھا الاحتمال من قبل النقل لکنا مالنا ولھذا القطع، اذلا نقول باکفار المفضلة ومعاذ اللہ ان نقول اما الا بتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیه لایسوغ انکارہ الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیه النصوص تظافرا جلیا و بلغت الاخبار تواترًا معنویا والاحتمالات الرکیکة السخیفة الناشیة من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بھٰذا المعنی کما صرحت به علماء الاصول و زادنا نورًا الٰی نورو رشادًا الٰی رشاد اجماع الصحابة الکرام و

پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا۔اس لیے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی۔جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقویٰ اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے"فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے)اور جو احادیث مفسر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام۔اس لیے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں۔لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لیے کہ اسپر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے۔جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لیے نُور پر نور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعین العظام ما نقله جمهور الائمة الاعلامه، منهم سیدنا عبدالله بن عمر و ابو هریرة من الصحابة ومیمون بن مهران من التابعین والامام الشافعی من الاتباع وغیرهم من لایحصون لکثرتهم۔و حکایة ابن عبدالبرلا معقولة فی الدرایة ولا مقبولة فی الروایة کما حققناه فی مطلع القمرین مع ما ارشدنا القرآن العظیم واحادیث المصطفٰی الکریم علیه افضل الصلوة والتسلیم الٰی دلائل جمة توخذ منهما بالاستنباط ووفق لها هذا الفقیر الضعیف کما عقدنا لها الباب الثانی من الکتاب البیر فلولا الاواحد من هذه لشفی وکفی ودفع کل ریب ونفی، فکیف اذا کثرت وجلت وعقدت و حلت ورعدت و برقت و اضاء ت واشرفت فلا وربك لم یبق للشك محل ولا للریب مدخل والحمدلله الاعلی الاجل۔ اما قول من قال انا وجدنا النصوص متعارضة فهذا اخبار عن نفسه فکیف یحتج به علی من نظر وابصر ونقد واختبر فقتلها خبرا واحاط بمالدیها علمًا علی

تابعین عظام کے اجماع نے۔ جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے جمہور آئمہ اعلام نے۔ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ صحابہ میں سے۔اور میمون ابن مہران تابعین میں سے۔اور امام شافعی تبع تابعین میں سے۔اور ان کے سوا جن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے۔اور ابن عبدالبر کی حکایت نہ توازراہِ درایت معقول ہے اور نہ روایت مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفٰی کریمہ علیہ الصلوۃ والسلام نے کی۔یہ دلائل قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ ہیں اور ان کے لیے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی جیسا کہ ہم نے اس کے لیے اپنی کتاب کبیر کا باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور ہر شک کی دافع و نافی ہوتی تو کیا گمان ہے جب کہ یہ دلائل کثیر و جلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا محل باقی رہا نہ شبہہ کا مدخل۔والحمدللہ الاعلی الاجل۔رہی اس کی بات جس نے ہاہم نے نصوص کو متعارض پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے۔تو وہ کیسے حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے جان لیا اور انکے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انه ان ارادا التعارض الصوری وقد یطلق علیه ایضًا کقول الا صولیین یقدم المحکم علی المفسّرو المفسر علی النص والنص علی الظاھر عند التعارض مع انه لاتعارض لضعیف مع قوی فھذا لا یضرنا ولا ینفعه وان اراد الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی حد سواء فنقول معنا ناش عن غفول وعلی قائله اومن یمشی بمشیه ان ینور دعواہ ببینة مبینة وانی لھم ذالك ولیت شعری الام یودی ضیق العطن اذا رأی احادیث لاتخیر وابین الانبیاء [1] ولا تفضلونی علٰی یونس بن متی [2] وافضل الانبیاء آدم [3] وذالك (ای)خیر البریة ابراھیم [4] ایقول بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی	کیا۔علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلًا تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا۔اور کاش میں سمجھتا کہ کہ بندش کی تنگی کا انجام یا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں دیکھتے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو،اور آدم افضل انبیاء ہیں۔ اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں۔کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵،صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۶۰،

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العالمین جمیعاً ام یرجع الی نفسہ فیدری ان التعارض شیئ ومجرد وجود النفی والاثبات شیئ اخر۔	کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے۔
وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولٰی تبارك وتعالٰی امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما ارادا لقطع بالمعنی الاعم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لا مریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ۔فان تخالج فی صدرك ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔	اور اس تحقیق انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک و تعالٰی نے ہم کو عنایت کی ہم کو آئمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص۔ اور حق یہ ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔اب اگر تمہارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔
قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صریح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]	**قلت**(میں کہتا ہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جب کہ وہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں۔اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے۔ جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ۔اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانہ کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

[1] شرح الموقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الرضی قم ایران ۸ /۳۴۴تا۳۰۱

وغیرہ من المتکلمین الفحول وکذا قد شھد علٰی نفسہ بالرسۃ الکبرٰی فی مناصب الجھل والسفاھۃ من قال اذلم تکن قطعیۃ قلنا ان نطوی الکشح عن تسلیمھا قل لھم اترکوا الواجبات باسرھا ثم انظروا مایأتیکم من وعید الشریعۃ وتأثیمھا واذ قد علمت ان ھذا التحقیق یرفع الخلاف ویورث التطبیق فعلیك بہ اتفقت الاقوال اواختلفت اذ کلمۃ جامعۃ خیر من آراء متدافعۃ فان رأیت شیئا من کلمات المتاخرین تابی ھذا النور المبین فاعلم ان تخطیۃ ھذاالبعض خیر من تخطیۃ احد الفریقین من آئمہ الدین،لاسیما القائلین بالقطع فھم العمد الکبار للدین الحنیف۔وبھم تشید ارکان الشرع المنیف۔ فمنھم من ھو اولھم واولٰھم سیدھم وملیھم اکثرھم للتفضیل تفصیلا واشد ھم علی المخالف تنکیلا سیدنا المرتضٰی اسد اللہ العلی الاعلی کرم اللہ تعالٰی وجھہ الکریم اذقد تواتر عنہ فی ایام امامتہ وکرسی زعامتہ	میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعمتِ کبرٰی پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں۔ان سے ہو سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہ گار ہونے کی تہدید آتی ہے۔جب تم نے جان لیا کہ یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں مطابق پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لیے کہ ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت اس نورِ مبین سے اِباء کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی جاننا بہتر ہے اس سے کہ آئمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے خصوصًا وہ آئمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں اس لیے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون ہیں اور انہیں سے شرع بلند وبرتر کے ستون قائم ہیں۔تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے زیادہ اول واولٰی اور ان سب کے سید ومولٰی اور مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضٰی اللہ بلند وبالا کے شیر کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اس لیے کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسی زعامت میں

تفضیل الشیخین علٰی نفسه وعلی سائر الامة۔ورمٰی بھابین اکتاف الناس و ظھورھم حتی جلی ظلام شکوك مدلھمة۔روی الدارقطنی عنه رضی الله تعالٰی عنه قال لااجد احدًا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1]عـــه۔	ان کا شیخین ابوبکر و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوااس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ و تار شبہات کی اندھیری کو دور کر دیا۔دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا۔فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماردوں گا۔

عـــه:وقد کان رضی الله تعالٰی عنه یبوح بھذا فی المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفیھم من فیھم من الصحابة والتابعین لھم باحسان ثم لم ینقل عن احد منھم انه ردقوله ھذا ولقد کانوا اتقی الله تعالٰی من ان یسکنوا عن حق اویقروا علٰی خطاؤ ھم الذین وصف الله سبحٰنه وتعالٰی فی القرآن العظیم بانھم "خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ

اور سیدنا علی رضی الله تعالٰی عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی الله تعالٰی عنہ کے اس قول کو رد کیا ہو اور بے شک وہ الله تعالٰی سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا الله تبارک و تعالٰی نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا"اور تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئ کہ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیه بیروت ص۹۱

قال سلطان الشان ابوعبداللہ الذہبی حدیث صحیح۔	اس فن کے سلطان حضرت ابوعبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
قلت انظر الی ہذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأعلی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علی وسلم ادرؤاالحدود [1] اخرجہ عنہ الدارقطنی والبیہقی۔ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم	**قلت** (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید و دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کروگے پناہ بخدا اللہ تبارک و تعالٰی پر جرات کرنے والا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا "حدود کو دفع کرو۔ مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی ودارقطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کروجب تک تم کو استطاعت ہے۔ تم اگر تم مسلمان کے لیے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [2] وائمتہم الکرام کانوا اتقی ومنہم احرص علی الرشد والصواب۔ و قد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان خطاء وتقویمہ الاودان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہو" اور اس گروہ کے آئمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت وصواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگروہ منحرف ہوں۔

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۶۲/ ۹ دارالمفرفۃ بیروت ۳/ ۶۲، سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دارصادر بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

فان وجد تم للمسلم مخرجًا فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة رواہ ابن ابی شیبة والترمذی [1] والحاکم و البیھقی عن اُم المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنهما ومنهم میمون ابن مهران من فقهاء التابعین سُئِل ابوبکر و عمر افضل ام علی۔فقف شعرہ و ارتعدت فرائصه حتی سقطت عصاہ من یدہ وقال ما کنت اظن ان اعیش الٰی زمان یفضل الناس فیه احدًا علی ابی بکر و عمر اوکما قال رواہ ابونعیم [2] عن فرات بن السائب۔ومنهم عالم المدینة الامام مال بن انس رضی الله تعالٰی عنه سُئِل عن افضل الناس بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا درگزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے"اس حدیث کو ابن ابی شیبہ۔ترمذی۔حاکم اور بیہقی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور انہیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا۔جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔یا جیسا انہوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے۔اور انہیں میں سے عالمِ مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں۔تو فرمایا ابوبکر و عمر۔پھر

[1] المستدرك للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مرجا الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۸۴،جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۱،السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبھات دارصادر بیروت ۸/ ۲۳۸،المصنف لابن ابی شیبیه کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبھات حدیث ۲۸۴۹۳ دارالکتب العلمیه بیروت ۵/ ۵۰۸

[2] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مهران دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۲و۹۳

فقال ابوبکر و عمر۔ثم قال اوفی ذٰلك شك [1] ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابو حنیفه رضی الله تعالٰی عنه سئل ن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین و تمسح علی الخفین [2] ومنهم عالم قریش مالئی طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا [3] ومنهم امام اهل السنة و الجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابو الحسن الاشعری رحمة الله تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل	فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے۔اور انہیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے۔انہیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انہوں نے صحابہ اور تابعین افضلیتِ شیخین پر اجماع نقل کیا۔ اور انہیں میں امام اہلسنت و جماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں۔جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انہیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انہوں نے قواعد العقائد میں مجد والے آئمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفة بیروت ۷ /۳۸

[2] تمهید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دار العلوم حزب الاحناف لاهور ص ۱۶۵، خلاصة الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعروفة بیروت ۷/ ۳۹، تدریب الراوی شرح تقریب النوادی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۶

الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم علی حسب ترتیبھم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل ما ھو فضل عند اللہ عزوجل وذٰلك لا یطلع علیہ الّا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] وان یعتقد فضل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم و ترتیبھم وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنھم [2] ومنھم الامام جبل الحفظ علامة الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولٰی الفاضل عبدالباقی الزرقانی و ناظم قصیدة بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرہم رحمة اللہ تعالٰی علیھم اجمعین حدثنا المولٰی الثقة الثبت سلالة العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابوالحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدھلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی او کالقطعی۔	فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لیے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اور انہیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامہ جہاں سیدنا امام حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولٰی فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ ہم سے حدیث بیان کی مولٰی ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعة المشھد الحسینی القاھرہ ۱/ ۱۱۵

[2] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الاول مطبعة المشھد الحسینی القاھرہ ۱/ ۹۳

اقول: ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد۔ فالمعنى قطعى بالمعنى الثانى وكالقطعى بالمعنى الاول۔ ومن ھٰھنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضًا ظانين غير قاطعين فقد صدق ان اراد الظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص۔ ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لاقبل له بها والله تعالٰى اعلم۔ هذا جملة القول فى هذا المقام وقد اشرناك الى نكت تجلو بها الظلام اما التفصيل فقد فرغنا عنه فى كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل۔ ولا حول ولا قوة الا بالله	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر فضیلت شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا۔ اور یہ کہ ہم کو نقصان دہ نہیں اور اس کو سود مند نہیں اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے ہیں۔ کتاب تفصیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے۔ اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ سے۔
لطيفة: قال الامام الرازى فى مفاتيح الغيب سورة واليل سورة ابى بكر۔ و سورة والضحٰى سورة محمد عليه الصلوة والسلام ثم ماجعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر فان ذكرت الليل اولًا وهو ابوبكر	**لطیفہ:** فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورہ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورہ والضحٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعدہ النھار وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان ذکرت والضحٰی اولا وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم نزلت وجدت بعدہ واللیل وھو ابوبکر لیعلم انہ لا واسطۃ بینھما[1] انتھی

اقول: وکان تقدیم واللیل علٰی ھذا التقدیر لا نھا جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنھم فی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تستلزم تبرئۃ الصدیق لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم اعلی وبراءۃ الاعلی لا توجب براء ۃ الادنی و تبرئۃ الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یحکم تبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما بری لانہ عبد بذاك البریٔ النقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالًا الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخرلتأخر الجواب عن طعن الصدیق۔

اقول: تسمیۃ سورۃ الصدیق

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤگے تو وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤگے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول: اور واللیل کو تقدیم اس تقدیر پر اس لیے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت صدیق کی براءت کو مستلزم نہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی ہیں اور اعلٰی کی براءت ادنی کی براءت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی براءت بدرجہ اولٰی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت کا حکم کرتی ہے اس لیے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لیے بری ہوئے کہ اس بری نقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جلدی ہوئی اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا،

اقول: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۳/ ۱تا۳ المطبعۃ البھیتہ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۹

باللیل وسورۃ المصطفٰی بالضحٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہ کانہ اشارۃ الٰی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور الصدیق وھداہ ووسیلۃ الی اللہ بہ یبتغٰی فضلہ ورضاہ والصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ راحۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووجہ انسہ وسکونہ واطمینان نفسہ و موضع سرہ ولباس خاصتہ فقد قال تبارو تعالٰی "وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ "[1] و قال تعالٰی "جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ "[2] وتلمیح الٰی ان نظام عالم الدین انما یقوم بھما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النھار لما کان ابصار ولولا اللیل لما حصل قرار فالحمد للہ العزیز الغفار۔ **لطیفۃ:** استنباط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الایات	تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے " تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو۔ تو اللہ عزیز غفار ہی کے لیے حمد ہے۔ **لطیفہ:** قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیۃ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۳

الکریمة وجھا اٰخر لتفضیل سیدنا الصدیق علٰی سیدنا المرتضی لقاھما اللہ تعالٰی باحسن الرضا۔ انبأنا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاھر عن ابیہ ابراہیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروز آبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الھروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب" ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامة فقال ایة الواردة فی حق علی کرم اللہ وجھه الکریم: " اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا(۹) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا(۱۰) "والایة الواردة فی حق ابی بکر " اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى(۲۰) وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى(۲۱) " فدلت الایتان	صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی۔ اللہ تبارک و تعالٰی دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے۔ ہمیں خبر دی سراج نے وہ روایت کرتے ہیں جمال سے۔ وہ روایت کرتے ہیں سندی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے۔ وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم ردی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں رملی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے۔ وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے۔ وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عمر رازی سے۔ انہوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامة میں ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے "ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن اڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے" اور وہ آیت جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں وارد ہوئی" صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان اية علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیمة علیٰ ما قال "انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما اية ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالیٰ من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الی رغبة فی ثواب او رهبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلیٰ واجل [1] انتهٰی

سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لیے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انہوں نے کہا "بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اعلیٰ اور اجل ہوا انتہی،

اقول: والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا۔ وشانهم رضی الله تعالیٰ عنهم ارفع واعلیٰ من ان یقصدوا

اقول: (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں۔ اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں۔ لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آلایة ۹۲/ ۲۰ و۲۱ المطبعة البهتیه المصرتیه مصر ۳۱/ ۲۰۶ و ۲۰۷

باعمالهم غير الله سبحٰنه وتعالٰى لكن المدارج متفاوتة والمراتب مترتبة وشئى دون شئى وفضل فوق فضل۔ و مقام الصديق حيث انتهت النهايات وانقطعت الغايات ذاهورضى الله تعالٰى عنه كما صرح به امام القوم سيدى محى الملة والدين ابن عربى قدس الله تعالٰى سره الزكى امام الائمة ومالك الازمة ومقامه فوق الصديقية ودون النبوة التشريعية وليس احد بينه وبين مولاه الاكرم محمد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وعلى اسم خاتم الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد لله مولى الجلالة۔ تم الكتاب على ثناء الهاشى ختم الاله لنا على اسم الخاتم "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ "[1]۔	ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے۔ ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔ اور خاتم رسالت کے نام ہم نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لیے حمد ہے جو مالک ہے جلالت کا۔ کتاب رسول ہاشمی کی ثناء پر تمام ہوئی اور اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ فرمائے۔ خاتم النبیین کے نام پر۔ "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ "

رسالہ الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقی ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۸ کتاب الشتی حصّہ سوم فضائل و مناقب کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی

جلد ۲۹ کتاب الشتی کے حصّہ چہارم سے شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷ / ۱۸۰ تا ۱۸۲